"اُس (اللہ) کے (تقرّب کے) ذریعے کی جستجو میں رہو۔"

(سورۂ مائدہ آیت ۳۵)

## وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ

# اَلْوَسِیْلَة

تالِیف:

مُؤلّفین بابُ العلم دارُ التّحقیق

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ

# اَلْوَسِیْلَةَ

(خدا تک پہنچنے کا اصل راستہ)

سبیل سکینہؑ
حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸-C1

تالیف:
مؤلفینِ بابُ العلم دار التحقیق

پیشکش:
سید جاوید رضا نقوی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب ......................... وابتغوا الیہ الوسیلہ

تالیف ......................... مولفین بابُ العلم دار التحقیق

نظر ثانی ......................... مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی

تعداد ......................... ۱۰۰۰

ایڈیشن ......................... اوّل

تاریخِ اشاعت ......................... ستمبر ۲۰۱۰ء

پرنٹنگ ......................... العصر پبلشرز

ہدیہ:

سیّد جاوید رضا نقوی کے مرحومین

بالخصوص ان کے والدین اور باجی شمیم کے ایصالِ ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ

بسم الله الرحمن الرحيم

# انتساب به

حبل اللہ، عروۃ الوثقیٰ، وسیلۃ الی اللہ

یعنی

حضرت محمد مصطفیٰؐ وآلہ الطاہرین صلی اللہ علیہم وسلم تسلیماً

## حُسنِ ترتیب:

عرض ناشر:........................ ۱۴
فصلِ اوّل:........................ ۱۷
توسّل کی تعریف:........................ ۱۷
توسّل لغوی اعتبار سے........................ ۱۷
توسّل سے متعلق ضروری اصطلاحات........................ ۱۸
اقسام توسّل........................ ۱۸
۱۔توسّل للدعاء........................ ۱۸
۲۔توسّل فی الدعاء........................ ۱۸
توسّل فی الدعاء کی اقسام........................ ۱۹
الف۔توسّل لفظی........................ ۱۹
ب۔توسّل نفسی........................ ۲۰
۳۔التوسّل بالدعاء........................ ۲۱
۴۔التوسّل بالنداء........................ ۲۲
۵۔التوسّل بالاعمال الصالح........................ ۲۵
۶۔نیک اور صالح بندوں سے توسّل کرنا........................ ۲۵
توسّل کے وقت کن ہستیوں کو وسیلہ بنانا چاہیے........................ ۲۹
فصلِ دوم:........................ ۳۵
وسیلہ اور قرآن........................ ۳۶
توسّل کی جانب قرآن کی دعوت........................ ۴۱
وسیلہ اختیار کرنے کا حکم........................ ۴۱

تالے لگے ہوئے دل نہیں سمجھتے ہیں ..... ۴۲
انبیائے کرام اور وحی الٰہی کو ماننے والے ..... ۴۶
خلاصۂ کلام ..... ۵۰
توسّل، شفاعت اور استعانت کا باہمی تعلق ..... ۵۲
ذات مصطفیٰ سے توسّل کا حکم ..... ۵۲
حضورؐ کے وسیلے سے روز قیامت تکلیف سے نجات ..... ۵۴
ذات مصطفیٰ کے وسیلے سے ہدایت پر استقامت ..... ۵۴
ذات مصطفیٰؐ کے وسیلے سے عذاب کا ٹل جانا ..... ۵۵
حضرت زکریاؑ کا حضرت مریمؑ کی عبادت گاہ کو وسیلہ بنانا ..... ۵۷
ایک غلط فہمی کا ازالہ ..... ۵۸
توسّل سے دعا کی فوری قبولیت ..... ۵۹
قمیصِ یوسفؑ سے بصارت حضرت یعقوب کا لوٹ آنا ..... ۵۹
اپنے تذلل اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنا ..... ۶۱
ساری امت کے لیے دعا سے توسّل ..... ۶۲
لفظ رب کی عباد الصالحین کی طرف اضافت سے توسّل ..... ۶۳
ذکر الٰہی وسیلہ ہے ..... ۶۴
ذکر انبیاء و اولیاء سے وسیلہ ..... ۶۴
انعامات و احسانات الٰہی سے توسّل ..... ۶۵
وعدۂ الٰہی سے توسّل ..... ۶۶
قبولیت دعا کے لیے وسیلہ درودِ شریف ..... ۶۷
فصلِ سوم ..... ۶۹
وسیلہ ... روایاتِ اہل سنت کی روشنی میں ..... ۷۰

الف: التوسّل بالنبیؐ قبل ولادتہ ..... ۷۰

۱۔حضرت آدمؑ کا نبی اکرمؐ کو وسیلہ بنانا ..... ۷۰

۲۔یہود کا حضور نبی اکرمؐ کو وسیلہ بنانا ..... ۷۱

۳۔امام رازی ..... ۷۳

۴۔علامہ آلوسی ..... ۷۳

۵۔امام جلال الدین سیوطی ..... ۷۴

۶۔یہ بعد از وصال توسّل بالنبی کا جواز بھی ہے ..... ۷۶

ب: حضور نبی اکرمؐ سے حیاتِ ظاہری میں توسّل ..... ۷۶

۱۔حضور نبی اکرمؐ کے توسّل سے امت پر سے عذاب کا ٹل جانا ..... ۷۷

۲۔واسطہ رسالت قبولیت استغفار کے لیے شرط ہے ..... ۷۷

۳۔کفار مشرکین کا چیلنج ..... ۷۸

۴۔قرآنی جواب ..... ۸۰

۵۔ایک لطیف نکتہ ..... ۸۱

ج: بعد از وصال حضور نبی اکرمؐ سے توسّل ..... ۸۲

الف۔عطائے الٰہی بوسیلۂ مصطفیٰؐ ..... ۸۲

ب۔ایک تمثیل سے وضاحت ..... ۸۴

ج۔مغفرت بوسیلۂ مصطفیٰؐ ..... ۸۷

د۔آج مدد مانگ ان سے ..... ۸۹

اہل سنت کی کتابوں سے چند اہم روایات ..... ۹۱

۱۔جناب سمہودی اور توسّل ..... ۹۱

۲۔حضرت سواد بن قارب اور توسّل ..... ۹۵

۳۔حضرت رسول اکرمؐ کے نام پر بارانِ رحمت ..... ۹۶

۴۔ نبی مکرم کی دعا سے بارانِ رحمت ........ ۹۷

۵۔ حضرت عمر اور توسّل ........ ۹۸

۶۔ حضرت عمر اور توسّل ........ ۹۹

۷۔ حضرت عائشہ اور توسّل ........ ۹۹

۸۔ حضرت عمر اور توسّل ........ ۱۰۰

۹۔ حضرت ابوبکر اور توسّل ........ ۱۰۰

۱۰۔ حضرت عثمان اور توسّل ........ ۱۰۰

۱۱۔ مقربین الٰہی کی محبت وسیلے سے عبارت ہے ........ ۱۰۳

۱۲۔ روزِ محشر محبّ ومحبوب کی باہمی قربت ........ ۱۰۴

۱۳۔ محبانِ الٰہی سے محبت، محبتِ الٰہی کا باعث ہے ........ ۱۰۶

۱۴۔ حضورؐ کے تمام وسیلہ سے توسّل ........ ۱۰۷

۱۵۔ تبرکات نبوی سے توسّل ........ ۱۰۸

۱۶۔ تبرکات حضرت موسیٰ وحضرت ہارون ........ ۱۰۹

۱۷۔ تبرکات سے حصولِ برکت ........ ۱۰۹

۱۸۔ قمیص سے برکت حاصل کرنا ........ ۱۱۰

۱۹۔ منبر مبارک سے برکت حاصل کرنا ........ ۱۱۱

۲۰۔ دست مبارک سے حصول برکت ........ ۱۱۱

~~۲۰۔ امام بخاری ........ ۱۱۳~~

۲۱۔ حضرت صفوان بن عسال روایت کرتے ہیں ........ ۱۱۳

خلاصۂ کلام ........ ۱۱۳

قابل غور نکتہ (روح کی حیات اور استعداد) ........ ۱۱۴

۲۲۔ مقام ابراہیم سے توسّل ........ ۱۱۶

۲۳۔مقام ابراہیم ........ ۱۱۶
۲۴۔اولیائے کرام کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر ........ ۱۱۷
فصل چہارم: ........ ۱۲۱
اکابر علمائے امت کے نظریات ومعتقدات ........ ۱۲۲
ا۔امام مالک ........ ۱۲۲
۲۔جواز توسّل پر ابن تیمیہ کا موقف ........ ۱۲۳
۳۔حافظ ابن حجر عسقلانی ........ ۱۲۴
۴۔امام جلال الدین سیوطی ........ ۱۲۴
۵۔امام بن حجر ہیثمی مکی ........ ۱۲۴
۶۔علامہ محمد بن علی شوکانی ........ ۱۲۶
۷۔علامہ سید محمود آلوسی ........ ۱۲۶
۸۔مولانا اشرف علی تھانوی ........ ۱۲۷
۹۔شیخ محمد سعید ممدوح ........ ۱۲۸
فصلِ پنجم: ........ ۱۲۹
وسیلہ، شیعہ نقطۂ نگاہ سے ........ ۱۳۰
امام شافعی کا بیان اہل بیت سے توسّل ........ ۱۳۵
ادعیہ ومناجات میں وسیلے کی اہمیت ........ ۱۳۷
قبولیت اعمال کے لیے توسّل ضروری ہے ........ ۱۴۰
ایک اصول ........ ۱۴۳
فصل ششم: ........ ۱۴۷
عقیدۂ توسّل پر شبہات ........ ۱۴۸

اعتراضات وجوابات ..................... ۱۴۹
اہم شبہہ شرک ..................... ۱۴۹
توحید اور اس کی اقسام ..................... ۱۵۰
توحید ذاتی ..................... ۱۵۰
توحید صفاتی ..................... ۱۵۰
توحید افعالی ..................... ۱۵۱
عبادت میں توحید ..................... ۱۵۵
شرک کی اقسام ..................... ۱۵۷
الف: ذات میں شرک ..................... ۱۵۷
ب: صفات میں شرک ..................... ۱۵۷
ج: افعال میں شرک ..................... ۱۵۸
عمل میں عدم استقلال یا جبر ..................... ۱۶۰
خلاصۂ کلام ..................... ۱۶۰
انسان کی فاعلیت کے حوالے سے امیرالمومنینؑ کا عمیق بیان ..................... ۱۶۱
کائنات کے نظام میں نظم وضبط ..................... ۱۶۳
ہر چیز کی خلقت ایک مقدار کے ساتھ ..................... ۱۶۹
خدا کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ..................... ۱۶۹
پوری کائنات اس کی محتاج ہے ..................... ۱۶۹
بعض دفعہ کام کو انسان کی طرف نسبت دی ہے ..................... ۱۷۰
روح قبض کرنے کی نسبت اپنی طرف دی ہے ..................... ۱۷۰
یہ کام ملک الموت سے منسوب ہے ..................... ۱۷۰
فرشتہ اللہ کے حکم سے جان نکالتا ہے ..................... ۱۱۷۱

ہر کام کا مدبر اللہ ہے ۱۷۱
کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت سے ۱۷۲
توحید کا اصلی راستہ صرف وسیلہ ہے ۱۷۲
وسائل خدا کی طرف سے وسیلہ ہیں ۱۷۸
عبادت میں شرک ۱۸۰
توسّل کے بارے میں شیعوں کا واضح نقطۂ نظر ۱۸۰
دعائے توسّل ۱۸۲
دعائے توجہ ۱۸۴
حضرت امام مہدی علیہ السلام سے استغاثہ ۱۸۵
پہلا اعتراض ۱۸۷
اعتراض کا جواب ۱۸۷
امیر المومنین کے آداب زیارت سے ایک حصہ ۱۸۸
اہل انصاف سے انصاف چاہتے ہیں ۱۹۲
دوسرا اعتراض ۱۹۳
اعتراض کا جواب ۱۹۵
تیسرا اعتراض ۲۱۳
اعتراض کا جواب ۲۱۳
گنبد صحن اور برآمدے بنانا ۲۲۲
زیارت جامعہ کبیرہ میں پڑھتے ہیں ۲۲۷
قبور گرانے کی روایت ۲۲۸
رسول خدا کی نگاہ میں قبور ائمہؑ کی تعمیر ۲۳۵

چہاردہ معصومینؑ پر درود وسلام اوران کے قاتلوں پر لعنت کرنا........ ۲۳۸
مزید دو آیتیں........ ۲۳۹
قبروں کے نزدیک دعا اور استغفار کی غرض سے ٹھہرنا........ ۲۴۳
ضریح کا چومنا اور اس پر ہاتھ پھیرنا........ ۲۴۴
اعتراض........ ۲۴۶
اعتراض کا جواب........ ۲۴۶
رسول خداؐ کے آثار سے تبرک........ ۲۴۷
اہل سنت کی روایتیں........ ۲۴۹
اہل تشیع کی روایتیں........ ۲۵۳
وہ آیتیں جو غیر خدا سے دعا کرنے کو منع کرتی ہیں........ ۲۵۷
وہابیوں کے دلائل کا جواب........ ۲۵۹
شیعہ، چہاردہ معصومینؑ سے کیسے توسّل کرتے ہیں........ ۲۶۹
چند اعتراضات اوران کے جوابات........ ۲۷۱
ایسے مردہ ورفتگان کی قبروں پر جانے کا مقصد........ ۲۷۵
مردوں کو پکارنے پر کچھ روایتیں........ ۲۷۹
فصل ہفتم........ ۲۸۳
نذر........ ۲۸۴
فصل ہشتم........ ۲۹۷
چند مناظرے........ ۲۹۸
کتابیات........ ۳۴۸

# کتاب کا ہدیہ..............ایصالِ ثواب کا ذریعہ

اگر باپ کا انتقال ہو جائے تو ماں اور ماں کا انتقال ہو جائے تو باپ باقی کنبے کو سمیٹ لیتا ہے اور خاندان کی مرکزیت قائم رہتی ہے، لیکن اگر دونوں ہی بیک وقت اور اچانک غیر متوقع طور پر اٹھ جائیں تو سوگوار خاندان کے لیے اس صدمے کو برداشت کرنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ یوں تو ان کی محبتوں کا صلہ ہم نہیں دے سکتے، کیوں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہم ان کی محبتوں اور احسانات کی گنتی کو بھی نہیں جانتے تو بدلہ کیسے دیں گے، ہم صرف ان کی رحلت کے بعد بہترین انداز میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

چنانچہ کتاب "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جو وسیلے کے موضوع پر تحریر کی گئی ہے۔ یقیناً اس موضوع پر ایک قابلِ قدر اور گراں بہا کتاب ہے، جس کی تصنیف و تالیف حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی قمی مدظلہ کی زیر سرپرستی انجام پائی ہے، جو ہم اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے مومنین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور ملتجی ہیں کہ ایک سورۂ فاتحہ جملہ مرحومین و شہدائے ملت جعفریہ خصوصاً ہمارے والدین سیّد نوازش علی نقوی و سیّدہ حسن بانو اور باجی شمیم زہرا بنت سیّد نوازش علی نقوی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے تلاوت فرما دیں۔

والسلام

محتاجِ دُعا

سیّد جاوید رضا نقوی

## عرضِ ناشر

اللہ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے خلق کیا، جو بغیر معرفت کے ممکن نہیں۔ ہر شخص کی عبادت اس کی معرفت کے مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے سامنے کسی شخص نے کسی عبادگزار شخص کی توصیف کی تو آپ نے یہی سوال کیا کہ یہ بتاؤ اس کی معرفت کیسی ہے؟ ذات کبریا کی مکمل معرفت ممکن نہیں لیکن اس ذات کی معرفت محمد وآل محمدؑ نے جس انداز سے اپنی دعاؤں مناجات سماجی ومعاشرتی، سیاسی اور جنگی میدانوں کے ذریعے کروائی اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ واسطۂ فیض ہیں اللہ اور مخلوق کے درمیان۔ چنانچہ امام علی النقی علیہ السلام (زیارتِ جامعہ میں) اس بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

**بِکُمْ فَتَحَ اللهُ وَبِکُمْ یَخْتِمُ وَبِکُمْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَبِکُمْ یُمْسِکُ السَّماءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهِ وَبِکُمْ یُنَفِّسُ الْهَمَّ وَیَکْشِفُ الضُّرَّ وَعِنْدَکُمْ مَا نَزَلَتْ بِهِ رُسُلُهُ وَهَبَطَتْ بِهِ مَلائِکَتُهُ وَ اِلٰی جَدِّکُمْ**

''خدا نے آپؑ سے آغاز وانجام کیا ہے وہ آپؑ کے ذریعے بارش برساتا ہے۔ آپ کے ذریعے آسمان کو روکے ہوئے ہے تاکہ زمین پر نہ آ گرے مگر اس کے حکم سے۔ وہ آپؑ کے ذریعے غم دور کرتا اور سختی ہٹاتا ہے وہ پیغام آپؑ کے پاس ہے۔ اور روح الامین آئے آپؑ کے نانا کی طرف''۔ چونکہ جس طرح پروردگار عالم اپنی ہدایت اور رہنمائی کو ان کے ذریعے سے ہم تک پہنچاتا ہے، اسی طرح ہم محتاج ہیں کہ ذات کبریا تک پہنچنے کے لیے انہیں وسیلہ قرار دیں۔

وسیلہ ایک ایسا معرکتہ الآرا موضوع ہے، جس پر مسلمانوں کے درمیان تین واضح گروہ پائے جاتے ہیں۔ایک وسیلے کا یکسر انکار کرتا ہے اور بغیر واسطے کے اللہ تک پہنچنے کا خواہاں ہے۔دوسرا جو اللہ کا نام اور ذکر برائے نام کرتا ہے اور صرف مقربانِ درگاہِ الٰہی کو اس انداز سے پکارتا ہے کہ گویا اللہ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ تیسرا گروہ الامر بین الامرین یعنی خالق، رازق اور رب کو تمام تر مواہب و عطایا میں اللہ کے لیے اصالت کا قائم ہے اور اسی کو معبود اور عبادت کا لائق جانتا ہے اور اس کی بارگاہ میں انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین کو مقرّبِ درگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے شفیع قرار دیتا ہے اور یہی تیسرا گروہ حق بجانب ہے۔

اس مدّعا پر ایک عرصے سے خیال ذہن میں کروٹیں لیتا تھا کہ کوئی مدلّل کتاب ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک روز الحاج جناب سیّد امتیاز رضا زیدی سے ملاقات کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوئی اور ان کے توسط سے فلاحی و سماجی شخصیت جناب جاوید رضا نقوی صاحب جو کہ ہر سال اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے اُن کی برسی کے موقع پر علمائے کرام کے تحریر کردہ علمی مواد کو منظرِ عام پر لانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، سے گفتگو ہوئی کہ کوئی ایسی کتاب ہو جو طبع کروا کر ایصالِ ثواب کے لیے پیش کی جائے۔

چنانچہ بابُ العلم دارُالتّحقیق کے مؤلّفین

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا محمد حسین کریمی

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سیّد وصی حیدر زیدی

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا غلام علی عارفی

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا محمد یعقوب شاہدؔ آخوندی

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا کامران علی جعفریؔ

جناب حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سیّد علی افضل زیدیؔ

جناب سیّد ذوالفقار حسین نقویؔ

جناب سیّد ساجد حسین نقویؔ (بادشاہ)

نے شب و روز محنت کر کے ایک اچھا مسوّدہ تیار کیا، جسے جناب محترم سیّد جاوید رضا نقوی اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کیلئے افادۂ عام کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

اس کتاب میں قرآن، حدیث اور تاریخ میں موجود عقیدۂ توسّل کے اثبات پر دلائل کو جمع کیا گیا ہے، جن کتابوں سے استفادہ ہوا اُن کے نام کتابیات میں درج ہیں۔ البتہ علامہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی کتاب عقیدۂ توسّل نے کام کرنے کا رخ عطا کیا، جبکہ اس کتاب میں ایران کے معروف عالمِ دین آقائے عباس شہیدی کی کتاب ''توسّل درنگاہِ قرآن و حدیث'' سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اُمید ہے اس عقیدے کے رکھنے والوں کے لیے تقویت کا سبب اور مخالفوں کی اصلاح کا سامان فراہم ہوگا۔

اللہ ربُّ العزّت جناب سیّد جاوید رضا نقوی صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کے درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

والسلام

سیّد شہنشاہ حسین نقوی

مدیر باب العلم دار التحقیق

# فصلِ اوّل

## توسّل کی تعریف:

''توسّل''یعنی کسی سے نزدیک ہونے کے لیے وسیلہ اخذ کرنا۔ چنانچہ اہل لغت اس حوالے سے کہتے ہیں'' تَوَسَّلَ اِلَيْهِ بِوَسِيْلَةٍ " کسی وسیلے سے اُس سے متوسّل ہوا۔'' تَوَسَّلَ اِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِيْلَةٍ " کسی عمل یا وسیلے کے ذریعے خدا سے متوسّل ہوا۔''عَمِلَ عَمَلاً تقرَّبَ بِهٖ اِلَيْهِ تَعَالٰى''
" اِذَا تَقَرَّبَ اِلَيْهِ بِعَمَلٍ " ایسا عمل بجالایا جس کی بنا پر اُسے خدا کا تقرّب حاصل ہوا۔(۱)

### توسّل ......لغوی اعتبار سے:

وسیلہ لغت میں حسب ذیل معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ نزدیک ہونا۔(۲)

۲۔ بادشاہ کے سامنے مقام ومنزلت حاصل کرنا۔(۳)

۳۔ درجہ۔(۴)

۴۔ کسی چیز تک پہنچنے کے لیے ذوق وشوق کے ساتھ چارہ جوئی کرنا۔(۵)

۵۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے دوسرے سے نزدیک ہونا ممکن ہو۔(۶)

۱۔لسان العرب ، جلد ۱۱، ص ۷۲۴ ۲۔المنجد ۳۔لسان العرب ، المنجد ۴۔لسان العرب ، المنجد
۵۔مفردات راغب ۶۔لسان العرب، المنجد، مجمع البحرین آیت ۳۵ سورۂ مائدہ

## توسّل سے متعلق ضروری اصطلاحات:

مسئلہ توسّل پر بحث کرتے ہوئے اس میں چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو باہم متعلق ہیں۔لہٰذا انہیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

۱۔ وسیلہ: نفس مسئلہ کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ متوسِّل: وسیلہ بنانے والا یعنی وہ شخص جو اپنی دعا میں کسی نیک عمل، مقرب ہستی یا کسی خاص مقام کو وسیلہ بنائے۔

۳۔ متوسّل بہ: جس چیز کو بارگاہ ربوبیت میں وسیلہ بنایا جائے، جیسے نیک اعمال، مقربین اور آثار وتبرکات مقربین۔

۴۔ متوسّل الیہ: خود باری تعالیٰ کی ذات متوسّل الیہ ہے کیوں کہ اس کی بارگاہ عالیہ میں وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔(۱)

اقسام توسّل:

توسّل کو مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ التوسّل للدعاء: وسیلہ شرعیہ (جس کو شریعت جائز قرار دیتی ہو) کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا توسّل للدّعا ہے۔

۲۔ التوسّل فی الدعاء: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت اور پریشانی پیش کرتے وقت کسی ضرورت اور مراد کے حصول کے لیے کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنا توسّل فی الدعا ہے۔

۱۔عقیدۂ توسّل، ص۳۳

دونوں قسموں میں فرق:

پہلی قسم میں فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لیے توسّل ہے جب کہ دوسری قسم میں اپنی پریشانی کے دور کرنے، حاجت اور ضرورت کے پورا ہونے اور مراد کے حصول کے لیے کسی کو بطور وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ التوسّل فی الدعاء کی اقسام:

۱۔ توسّل لفظی ۲۔ توسّل نفسی

توسّل لفظی:

فھو: "اَنْ یَّذْکُرَ فِیْ دُعَائِهٖ مَایَتَقَرَّبَ بِهٖ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی" (دعا کی قبولیت کے لیے، کسی حاجت یا مراد کے حصول کے لیے یا) اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کے لیے جس کا وسیلہ پیش کیا جائے، لفظاً اس کا ذکر کرنا توسّل لفظی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور بوقت دعا کسی مقبول عمل کا ذکر یا کسی برگزیدہ ذات وہستی کا ذکر ہی تقرب الی اللہ اور دعا کی قبولیت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اس چیز کی ضرورت نہیں کہ لفظ وسیلہ استعمال کر کے کہے کہ میں فلاں کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں۔ فقط متوسّل بہ (جس کا وسیلہ پکڑا گیا ہو) کا ذکر ہی کافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری، میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے "دوران سفر ان پر غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ تینوں بندے خدا رسیدہ اور نیک خصلت تھے۔ ایک نے ماں باپ سے حسن سلوک کا ذکر کیا اور اللہ رب العزت سے دعا کی، دوسرے نے بے حیائی کے اسباب پر قدرت کے باوجود اس سے بچنے کا ذکر کیا اور دعا کی، تیسرے نے کسی مزدور کی اجرت جو کئی برسوں کے بعد مال، متاع میں تبدیلی ہو گئی تھی اس کی حفاظت

کرنے اور مکمل ادائیگی کا ذکر کرنے کے بعد دعا کی تو قاضی الحاجات نے تینوں کی دعا سے اس بھاری پتھر کو غار کے دہانے سے ہٹا کر انہیں مشکل سے نجات دی۔"

توسّل لفظی کو توسّل بالعمل بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا بلکہ کسی اللہ والے کی مجلس میں جا کر دعا کرنا یا کسی بابرکت جگہ یا اللہ تعالیٰ کی مقبول چیز کو سامنے رکھ کر دعا کرنا۔

توسّلِ نفسی:

بوقت دعا کسی چیز، عمل یا مقام کو تقرب کا ذریعہ بنالینا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو مگر دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا عملاً اور محلاً اس کا خود بخود ہو جانا توسّل نفسی ہے۔

توسّلِ نفسی (عملی) کی پہلی مثال حضرت زکریاؑ کا حضرت مریمؑ کی عبادت گاہ میں دعا مانگنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ "(۱) اسی جگہ (حضرت مریمؑ کی عبادت گاہ میں) زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا: "میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔" اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے حضرت زکریاؑ کا عمل مبارک بیان فرمایا: کہ جب انہوں نے اپنی زیر تربیت اللہ کی بندی حضرت مریمؑ کے پاس طرح طرح کے بے موسمی پھل اور دیگر انعامات الٰہیہ کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے اس خاص مقام کو اپنی دعا کے لیے منتخب کیا۔ اللہ پاک نے ان کی دعا کو

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۸۔

شرف قبولیت بخشا اور انہیں حضرت یحییٰ ؑ عطا فرمائے۔ اسی طرح دوسری مثال حضرت یوسف ؑ کا اپنی قمیص کو اپنے بابا حضرت یعقوب ؑ کو بھیجنا تاکہ اس قمیص کے ذریعے اللہ پاک ان کی بینائی لوٹا دے۔ اس کے علاوہ وہ اعمال صالحہ، ذوات انبیاءؑ و صالحین، آثار انبیاءؑ وصالحین سے دعا میں توسّل کرنا توسّلِ لفظی ہے۔

(۳) التوسّل بالدعاء:

یہ اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے سے دعا کی التجا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں حاجت مند کے لیے اپنا ہاتھ اٹھا دیں اور اس پر نازل شدہ آفات و بلیات سے نجات کے لیے اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ یقیناً اس کا دریائے رحمت اپنے مقرب بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹنے دے گا بلکہ اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَإِذۡ قُلۡتُمۡ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصۡبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الۡأَرۡضُ مِن بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا" (۱) اور جب تم نے کہا: اے موسیٰؑ! ہم فقط ایک کھانے (یعنی من وسلویٰ) پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ اپنے رب سے ہمارے حق میں دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے۔ اس آیہ کریمہ میں "فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ" کے الفاظ "توسّل بالدعاء" کا سبب بن رہے ہیں۔ ان میں صراحتاً امت حضرت موسیٰؑ سے رب کے حضور دعا مانگنے کی گزارش کر رہی ہے۔ چوں کہ

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۶۱۔

یہاں حضرت موسیٰؑ کی دعا سے توسّل کیا جارہا ہے، اس لیے یہ عمل توسّل بالدعاء ہے۔

(۴) التوسّل بالنداء یابالاستغاثہ:

سائل اپنا مقصود خود بارگاہ رسالت مآبؐ میں پیش کرے اور حضور نبی اکرمؐ کے توسّل سے رب کی مدد ونصرت کو طلب کرے۔ یہ ذکر رسول اللہؐ کی مدد ونصرت کے لیے وسیلہ بن جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''جنگ یمامہ کے موقع پر'' یا محمداہ (اے محمدؐ! مدد فرمایئے)'' مسلمانوں کا نعرہ تھا' وہ فرماتے ہیں: جنگ یمامہ میں حضرت حذیفہؓ کی شہادت پر حضرت خالد بن ولید نے جھنڈا اٹھایا اور لشکر سے گزر کر مسیلمہ کذاب کے پہاڑ کی طرف چل دیے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ آپ تک پہنچے اور آپ اسے قتل کردیں۔ پھر آپ لوٹ آئے اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا: ''أَنَا ابۡنُ الۡوَلِيۡدُ الۡعَوۡدِ، أَنَاابۡنُ عَامِرٌ وَزَيۡدٌ ۔۔۔ ثُمَّ نَادَىٰ بِشِعَارِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَكَانَ شِعَارِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ: ''يَامُحَمَّدَاهُ'' (۱) میں ولید کا بیٹا ہوں، میں عامر وزید کا بیٹا ہوں۔ پھر آپ نے مسلمانوں والا مروجہ نعرہ بلند کیا، اوران دنوں ان کا جنگی نعرہ ''یا محمداہ'' (اے محمدؐ! مدد کو آیئے) تھا۔

اس روایت میں ''یا محمداہ'' کے الفاظ کے ذریعے سے توسّل کیا جارہا ہے اور اس عمل کا ارتکاب کرنے والے بھی صحابہ کرام ہیں۔ پس حضور نبی اکرمؐ کی ذات اقدس سے توسّل سنت صحابہ ٹھہرا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی

۱۔ البدایہ والنہایہ، ۵، ۳۰۔

ہے:"اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰـه قَالَ: اِنَّ اللّٰـهَ مَلاَ ئِكَةُ فِي الْاَرْضِ سِوَى الْحفَظَةِ يَكْتُبُوْنَ مَايَسْقُطُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَاِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرْجَةَ بِأَرْضٍ فَلاَةٍ، فَلْيُنَادِ: أَعِيْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ " (۱) نبی اکرمؐ نے فرمایا: بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو محافظ فرشتوں کے علاوہ ہیں۔ درخت کا جو پتا بھی گرتا ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل میں اذیت پہنچے تو وہ یوں ندا کرے۔"اَعِيْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ" "اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔"

حافظ ابنِ حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ سرور کائنات فخر موجودات حبیب خدا حضرت محمدؐ اپنی زبانِ اقدس سے خود تعلیمِ توسّل دے رہے ہیں کہ جنگل و بیاباں میں بھی اللہ والوں سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرو۔ بظاہر انسانی صورت میں کوئی بندہ نظر نہ آئے تو ملائکہؑ سے توسّل کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں عرض کرو۔ اس کے حکم سے اس کے فرشتے تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے اور تمہاری ضرورت کو پورا کردیں گے۔ یہ کائنات ملائکہ سے معمور ہے۔ مذکورہ حدیث میں "فَلْيُنَادِ: أَعِيْنُوْا عِبَادَاللّٰه" کے الفاظ توسّل بالاستغاثہ پر صریح دلیل ہیں۔

میدان حشر میں جب اولین و آخرین شدید گرمی کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں گے اور ابھی حساب کتاب کا مرحلہ باقی ہوگا تو ایسے میں وہ تمام لوگ اکٹھے ہوکر حضور نبی اکرمؐ سمیت دیگر انبیائے کرامؑ سے استغاثہ کریں گے۔ جب اس روز

۱۔ مجمع الزوائد، ۱۰، ص ۱۳۲۔

توسّل بالاستغاثہ جائز امر ہے تواس دنیا میں بھی جائز ہے۔صحیح بخاری کی حدیث پاک اس پر شاہد ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنَ عُمَرؓ قَال : قَالَ النَّبِیُّ ؐ : مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ ، حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةَ لَحْمٍ ـ وَقَالَ : اِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، حَتّٰى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ ،فَبَيْنَا هُمْ كَذٰالِكَ اِسْتَغَاثُوْابِآدَمَ ، ثُمَّ بِمُوْسىٰ ؑ ، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ؐ ، وَزَادَ عَبْدُاللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنِیْ اللَّيْثُ ، قَالَ : حَدَّثَنِیْ ابْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ : فَيَشْفَعُ لِيَقْضٰى بَيْنَ الْخَلْقِ ، فَيَمْشِیْ حَتّٰى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ ، فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً ، يَحْمَدُهٗ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ " (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا : ایک آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔فرمایا: قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب آجائے گا یہاں تک کہ نصف کان تک پسینہ آجائے گا۔اس حال میں لوگ حضرت آدمؑ ، پھر موسیٰؑ اور پھر حضرت محمد مصطفیٰؐ سے استغاثہ کریں گے۔اور عبداللہ نے اس روایت میں اتنا اضافہ کیا کہ مجھ سے لیث نے ابن ابی جعفر سے بیان کیا کہ آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلے کی سفارش کریں گے، آپؐ روانہ ہوں گے یہاں تک کہ بہشت کے دروازے کا حلقہ تھام لیں گے۔اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور وہاں موجود سب لوگ آپؐ کی تعریف کریں گے۔

---

۱۔صحیح البخاری، ۱،ص ۱۹۹۔مجمع الزوائد، ۱۰،ص ۳۷۱۔معجم الاوسط للطبرانی، ۹، ۳۳۱، رقم ۸۷۲۰

(۵) التوسّل بالاعمال الصالحہ:

اعمال صالحہ سے توسّل بہت زیادہ روایات میں موجود ہے۔ مثلاً نماز کو وسیلہ بنانا، نوافل کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کرنا، حقدار کو اس کا حق دینا وغیرہ یہ وہ اعمالِ صالحہ ہیں جن کو انجام دینے سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ایک روایت حضرت عائشہ سے نقل ہے کہ: ''میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ مانگتی تھی۔ اس نے ایک کھجور کے سوا میرے پاس کچھ نہ پایا، میں نے اس کو وہی دے دی۔ اس نے کھجور دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریم ؐ تشریف لائے، میں نے حضورؐ سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا: جو کوئی بیٹیوں کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔(۱)

(۶) نیک اور صالح بندوں سے توسّل:

حضرت اسیر بن جابر نے روایت کیا ہے کہ اہل کوفہ ایک وفد لے کر حضرت عمر کے پاس گئے۔ وفد میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو حضرت اویسؓ سے مذاق کرتا تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا: یہاں کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟ تو وہ شخص پیش ہوا۔ حضرت عمر نے کہا: رسول اللہؐ نے فرمایا تھا: تمہارے پاس یمن سے ایک شخص آئے گا، اس کا نام اویس ہوگا، یمن میں اس کی والدہ کے سوا کوئی نہیں ہوگا، اس کو برص کی بیماری تھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دینار یا

۱۔ صحیح بخاری، جلد۲، ص ۸۸۷/ صحیح مسلم، جلد۲، ص ۳۳۰/ عقیدہ توسّل، ص ۱۳۳۔

درہم کے برابر سفید داغ کے سوا باقی داغ اس سے دور کردیے۔ تم میں سے جس شخص کی اس سے ملاقات ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے تمہاری مغفرت کی دعا کرائے۔(۱)

اور مسلم شریف ہی کی دوسری روایت میں حضرت اویس قرنیؓ کے حوالے سے ہے کہ آپؐ نے حضرت عمر سے فرمایا: اگر وہ قسم کھا کر کوئی بات کہہ دے تو اللہ پاک ویسا ہی کردیں۔ اگر تم اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرا سکو تو ضرور کرالینا۔ پھر حضور اکرمؐ کی پیش گوئی کے مطابق یمن سے جہاد میں شرکت کرنے کے لیے مجاہدین آئے اور حضرت اویس قرنیؓ بھی ان میں تھے۔ حضرت عمر نے ان سے دعا کرائی۔(۲) یہاں اس مقام پر ہمارے لیے فرمان نبویؐ سے جو بات عیاں ہوتی ہے وہ یہ کہ آپؐ نے بذات خود صالحین اور مقربین کا وسیلہ پکڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ وہ آقاؐ جن کے طفیل کائنات ہست و بود وجود میں آئی، جو ہمارے لیے دین حق لے کر مبعوث ہوئے اور جو اپنے اللہ کو سب سے بڑھ کر پیارے ہیں، جن کا منصب تلاوت آیات ہے وہ خود فرما رہے ہیں کہ میرے غلام اویسؓ سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرانا۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، دعاؤں کا سننے والا وہی ہے مگر اس کے باوجود آپؐ فرما رہے ہیں کہ اویس قرنیؓ سے

---

۱۔ صحیح مسلم، جلد۲، ص ۳۱۱، المستدرک، جلد۳، ص ۴۰۳، حلیۃ الاولیاء، جلد۲، ص ۸۰، ۷۹، تاریخ ابن عساکر، جلد۳، ۱۶۳۔

۲۔ صحیح مسلم، ص ۳۱۱، حلیۃ الاولیاء، جلد۲، ص ۸۰، المستدرک، جلد۳، ۴۰۳۔۴۰۴، تاریخ ابن عساکر، جلد۳، ۱۶۳۔

دعا کرانا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مقربین اور صالحین کے توسّل سے دعا کرانا عین منشائے خدا اور رسولؐ ہے اور یہی دین وایمان کا تقاضا ہے۔(۱)

اس بات میں شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں کہ انسان اپنے موردِ نظر مقاصد تک پہنچنے کے لیے ہر حوالے سے خواہ مادّات ہوں یا معنویات، اپنے غیر کی طرف محتاج ہے۔ ہزاروں مخلوقات خداوندی مثلاً جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کے لیے زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ہر ذرّہ اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری میں مشغول ہے، تاکہ انسان اس عظیم کائنات کے ذریعے اپنے نقائص اور کمزوریوں کو خود سے دور کرے، نیز مادّی اور معنوی کمالات سے بہرہ مند ہوجائے۔ دیگر تمام مخلوقات کے لیے بھی یہی قاعدہ وقانون لاگو ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے ذاتی کمالات تک پہنچنے کے لیے اپنے وجود سے باہر کی مخلوقات کی طرف دست نیاز دراز کرتا ہے۔ اپنے فعل وانفعال اور تاثیر وتأثر کے حوالے سے کائنات کی مختلف مخلوقات سے مدد مانگتے ہیں۔ اور یہ وہی قانونِ توسّل ہے، جو ایک تکوینی حقیقت ہے اور ایک فطری قانون ہے، جو عالم اور آدمؑ کے نظامِ خلقت میں پنہاں ہے۔ نیز اس حقیقت کو ہم ہر جگہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہر باشعور انسان چاہے وہ مادّی ہو یا الٰہی، کائنات میں اس قانونِ کے وجود سے انکار نہیں کرتا ہے اور موجودات میں اس قانون کے اثر سے انکار نہیں کرتا۔ اس بات کو تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ایک پیاسا انسان پانی پیے بغیر سیراب نہیں ہوگا۔ سردی سے نالاں انسان آگ

ا۔ عقیدہ توسّل، ص ۱۵۳۔

کی حرارت سے گرمائش کا احساس کرے گا۔ دوائی بیمار انسان کو ٹھیک کرنے میں اثر رکھتی ہے اور انسان کے وجود سے زہریلے مواد کو دور کرتی ہے۔

اسی طرح ایک جاہل انسان استاد سے تعلیم حاصل کرکے عالم بنتا ہے اور غریب ایک مالدار انسان کے احسان سے مالدار بنتا ہے۔ بہار کے وقت بادل سے ہی بارش کا نزول ہوتا ہے اور اُس پانی سے زمین کو طاقت ملتی ہے اور اس سے مختلف قسم کے سبزے اُگتے ہیں۔ جانور نباتات سے غذا حاصل کرنے کے بعد انسانوں کے لیے بقا اور حیات کا باعث بنتے ہیں۔ آخرالامر وہ انسان جو اس کائنات کو مادّی نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے، کائنات کے ان تمام آثار اور خواص کو آنکھیں بند کرکے قبول کرلیتا ہے، نیز فطری طور پر خود کو ان اشیا کا معلول سمجھتا ہے، لیکن وہ انسان جو اس کائنات کو الٰہی نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ موضوعِ سخن کو اشیاء کی حقیقت تک لے جاتا ہے اور اُن اشیاء کے وجود میں جو دقیق نظم وضبط اور حساب و کتاب موجود ہیں، اُن کو ارادۂ الٰہی کے ماتحت قرار دیتا ہے، جو علیم و حکیم ہے۔ ایک ایسی تدبیر جس کے بارے میں سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

چشمه از سنگ برون آرد و باران از میغ
انگبین از مگس نحل و دُر از دریا بار
پاک و بی عیب خدائی که به تقدیر عزیز
ماه و خورشید مسخّر کند و لیل و نهار
پادشاهی نه بد ستور کند یا گنجور
نقشبندی نه به شنگرف کند یا زنگار

(کلیاتِ سعدیؒ)

یعنی وہ خدا جو پاک اور بے عیب ہے، جس نے اپنی قدرت سے پتھروں سے چشمے نکالے اور گھٹاؤں سے بارش کو، شہد کی مکھی سے شہد کو نکالا اور دریاؤں سے لعل و گہر کو۔

بہرحال کائنات میں موجود نظام اور اُس نظام پر حاکم قانونِ توسّل اور اسباب کا قانون ہے۔ یعنی ہر کمال تک پہنچنے اور ہر مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فطری طور پر وسیلے کی ضرورت ہے۔ اور اسباب پر موقوف ہے۔ بنا بریں اصل وسیلے سے انکار کرنا فطری اصولوں سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ نیز فطرت کے مسلّمہ قوانین کو نظرانداز کرنے کے برابر ہے۔

## توسّل کے وقت کن ہستیوں کو وسیلہ بنانا چاہیے؟

حیدرآباد، سندھ، پاکستان

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشکلات کو دور کرنے کے لیے ان ہستیوں کو وسیلہ بنانا چاہیے، جو خدا کے نزدیک محبوب اور عزیز ہوں اور ان ہستیوں میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ ان کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ اور انسان کے لیے ضروری ہے کہ خضوع و خشوع، توبہ واستغفار، گریہ وزاری کے ہمراہ ان ہستیوں کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنائے تاکہ اس کی مشکلات اور حاجات پوری ہوجائیں۔ اور اس غم زدہ دلسوز دنیا میں چہاردہ معصومین علیہم السلام سے بہتر کوئی اور وسیلہ نہیں ہے اور یہی ہستیاں خدا کی محبوب و عزیز ہیں اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے لیے حضور وغیاب، شب و روز، دور و نزدیک نہیں ہے، فقط وسیلے کے وقت شرط یہ ہے کہ انسان خلوص نیت سے ان کو مشکل وقت میں مدد کے لیے پکاریں تو وہ ہستیاں فوراً مدد کریں گی اور مشکلات کو حل کریں گی۔ جس وقت انسان امام علی رضاؑ کی زیارت

کے لیے جاتا ہے اور خشوع وخضوع کے ساتھ زیارت کی تلاوت کرتا ہے تو کہتا ہے: آپ میرے سلام کو سن رہے ہیں اور میرے دل سے باخبر ہیں۔(۱)

بے شک چہاردہ معصومینؑ لوگوں کے لیے دنیا وآخرت میں بہترین اور مطمئن ترین ہستیاں ہیں۔کتاب ''بصائر الدرجات'' میں ذکر ہے: حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس آیہ شریفہ"اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ" (۲) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد اہل بیت محمدؐ ہیں اور مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: "فَاَیْنَ یُتَاهُ بِکُمْ؟ بَلْ کَیْفَ تَعْمَهُوْنَ وَ بَیْنَکُمْ عِتْرَةُ نَبِیِّکُمْ وَهُمْ اَزِمَّةُ الْحَقِّ وَاَعْلَامُ الدِّیْنِ وَاَلْسِنَةُ الصِّدْقِ" (۳) تمہیں کہاں بہکایا جارہا ہے اور کیوں ادھر اُدھر بھٹک رہے ہو جب کہ تمہارے نبیؐ کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے، جو حق کی باگیں، دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں اور یہ مقام و منزلت چہاردہ معصومینؑ نے عبودیت کے ذریعے حاصل کی ہے۔امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ''حضرت ابراہیمؑ پیغمبر ہونے سے پہلے مقام عبودیت پر فائز تھے۔'' اور اسی مقام عبودیت کی دنیا وآخرت میں خاص اہمیت ہے اور اسی کے ذریعے سے انسان کو آرام وسکون ملتا ہے اور ان ہستیوں کے ذریعے انسان سعادت و کامرانی حاصل کرتا ہے۔(۴)

ہم نماز میں پڑھتے ہیں: "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی

---

۱۔توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۲۱ ۲۔سورۂ ابراہیم، آیت ۲۴

۳۔نہج البلاغہ، خطبہ ۸۶، ص ۱۹۸ ۴۔توسّل درنگاہِ قرآن وحدیث، ص ۸

حضرت محمدؐ پہلے عبد خدا ہیں پھر مقام نبوت پر فائز ہیں ،عبودیت کا نتیجہ،نبوت و سعادت ہے۔امام علی نقیؑ زیارات جامعہ کبیرہ میں فرماتے ہیں "وَسَاسَۃُ الْعِبَادِوَاَرْکَانُ الْبِلَادِ " یعنی چہاردہ معصومینؑ لوگوں کے سیاسی رہبر اور شہروں کے رکن و بنیاد ہیں اور فرماتے ہیں "وَالسَّادَۃُ الْوُلَاۃِ "یعنی لوگوں کے حاکم ہیں۔ پس لوگوں کو چاہیے کہ مصائب و آلام کے وقت ان ہستیوں کو وسیلہ بنائیں جس طرح انبیاءؑ و اولیاءؑ نے ان کو وسیلہ بنایا۔(۱)

(۱) جب حضرت آدمؑ کو ہند اور جناب حواؑ کو جدہ کی سرزمین پر اتارا تو حضرت آدمؑ نے اشک غم بہایا اور جب تک جناب حوا سے نہ ملے گریہ کرتے رہے تو خداوند متعال نے ان کو چند کلمات کی تعلیم دی اور فرمایا: اے آدمؑ ان کلمات کے ذریعے ہمیں پکارو، ہم تمہاری توبہ کو قبول کریں گے۔ اے آدمؑ کہو: پاک و منزہ ہے وہ ذات جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ کو قبول فرما۔ بے شک تو ہی مہربان اور بخشنے والا ہے۔ حضرت آدمؑ کی توبہ محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے قبول ہوئی اور خدا نے فرمایا: اے آدمؑ تیری خلقت اور تیری اولاد کی خلقت انہی ہستیوں کے وسیلے سے ہے۔ اگر کوئی حاجت ہو تو ان کے ذریعے اور وسیلے سے مجھے پکارو میں تمہاری حاجت کو پورا کروں گا۔( ۲ )

(۲) جب حضرت نوحؑ طوفان اور سیلاب کے درمیان اور موجوں کے تلاطم میں تھے تو انہوں نے ان ہی ہستیوں کے وسیلے سے خدا سے دعا کی، خداوند متعال نے ان کی

---

۱۔توسّل درنگاہِ قرآن وحدیث، ص۹۔

۲۔توسّل درنگاہِ قرآن وحدیث، ص۱۰، فاطمہ زہراؑ، ص۲۰، علامہ امینی۔

دعا کو مستجاب کیا اور حضرت نوحؑ کو نجات ملی۔ لہٰذا مولائے کائناتؑ کی زیارت میں ذکر ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ اَنْجَى اللّٰهُ سَفِيْنَةَ نُوْحٍ بِاِسْمِهِ وَاِسْمِ اَخِيْهِ حَيْثُ الْتَطَمَ الْمَاءُ حَوْلَهَا وَطَمَى" سلام ہو تم پر اے وہ جس کے نام کے وسیلے سے اور اس کے بھائی کے نام کے وسیلے سے خدا نے کشتی نوحؑ کو نجات دی، جب پانی کشتی کے اندر چھلک رہا تھا۔ اسی زیارت میں حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہونے کا بھی ذکر ہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ تَابَ اللّٰهُ بِهِ وَبِاَخِيْهِ عَلٰى آدَمَ اِذْغَوٰى" (۱) سلام ہو تم پر جس کی خاطر اور اس کے بھائی کی خاطر خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی۔ حاجات کی برآوری اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے اہل بیتؑ سے توسّل اور خداوند متعال سے تقرب انتہائی ضروری امر ہے اور اہل بیتؑ سے توسّل کرنا کسی زمان و مکان سے مربوط نہیں بلکہ ہر زمان و مکان میں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین اور فرشتوں نے بھی ان ہستیوں کے ذریعے خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور ان کی دعائیں مستجاب ہوئیں۔ جس طرح چہاردہ معصومینؑ کی زیارات میں مومنین فرماتے ہیں "نَلْ يُقَرِّبُ اَهْلِ السَّمَاءِ بِحُبِّكُمْ وَبِالْبَرَائَةِ مِنْ اَعْدَائِكُمْ وَتَوَاتُرِ الْبُكَاءِ عَلٰى مُصَابِكُمْ۔" (۲) اہل آسمان تمہاری محبت اور تمہارے دشمنوں سے بیزاری کرنے اور تمہارے مصائب پر گریہ کرنے کی وجہ سے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

(۳) امام صادقؑ جس وقت اپنے جد بزرگوار حضرت امام علیؑ کی زیارت کرتے تو

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۶۴۴، توسّل درنگاہِ قرآن وحدیث، ص ۱۱۔

۲۔ مفاتیح الجنان، ص ۶۴۴۔

اس طرح دعا کرتے۔ "اَللّٰهُمَّ اسۡتَجِبۡ دَعَائِیۡ وَاقۡبَلۡ ثَنَائِیۡ وَاجۡمَعۡ بَيۡنِیۡ وَ بَيۡنَ اَوۡلِيَائِیۡ بِحَقِّ مُحَمَّدٍؐ وَعَلِیٍّؑ وَفَاطِمَةَؑ وَالۡحَسَنِؑ وَالۡحُسَيۡنِؑ"(۱) اے خدا میری دعا کو مستجاب فرما اور میری ثنا کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ بحق محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ والحسنؑ والحسینؑ مجھے اپنے اولیاء کے ساتھ محشور فرما۔

(۴) فطرس اہل بیتؑ ہی کے وسیلے سے آزاد ہوا اور بال و پران ہی کی وجہ سے ملے۔ پورا واقعہ آپ لوگ اکثر و بیشتر مجالس ومحافل میں سنتے رہتے ہیں اور مختلف کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔

(۵) علامہ مجلسی کتاب " من لایحضرہ الفقیہ " کی شرح میں فرماتے ہیں: "جس وقت میں بہت بیمار ہوا اور اپنی زندگی سے مایوس ہوا تو میں نے عالم خواب میں "خمسہ طیبہ" کو دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائے ہیں ان کو دیکھ کر میری طبیعت اور خراب ہوئی اور درد کا کافی اظہار کرنے لگا تو ان ہستیوں نے فرمایا: پریشان مت ہو۔ ان کے ہاتھوں میں سیخ کباب تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ اس کو کھالو میں نے عالم خواب میں تھوڑا سا کباب کھایا تو اس میں، میں نے ایک لاکھ مزے پائے۔ میں نے پوچھا: کیا یہ بہشتی طعام ہے کہ جس میں اتنے مزے ہیں۔ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا! راہ نجات تو مجھے بتائیں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا! میرے اہل بیتؑ، جس وقت خداوند متعال نے علامہ مجلسی کو اہل بیتؑ کی برکت سے شفا عنایت فرمائی، اس وقت سے ہی علامہ زیارت جامعہ کی شرح لکھنے میں مشغول

۱۔ آئین وہابیت، ص۲۹۲، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۱۲۔

ہو گئے۔

خلاصۂ کلام: چہاردہ معصومینؑ سے توسّل دنیاوی اور اُخروی مسائل کا حل ہے، کیونکہ یہی وہ ہستیاں ہیں، جن سے انبیاءؑ، اوصیاءؑ، اولیاءؑ، ملائکہ، بزرگانِ دین نے توسّل کیا اور اپنی حاجات کو مستجاب پایا، تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ان کی روش کو اپنائیں اور ہر مشکل میں ان ہی کو پکاریں جن کو ہمارے رہبروں نے پکارا۔

# فصلِ دوم

# وسیلہ اور قرآن

## وسیلہ اور قرآن:

قرآن مجید انسانوں کی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اس میں توسّل کے موضوع کو ایک مسلّم اور روشن راستے کے طور پر قربت الٰہی کے حصول کے لیے جو اعلیٰ ترین اور اشرف ترین کمال عبودیت دکھایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربّ العزّت ہے "یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّهَ وَابْتَغُوا إِلَیهِ الْوَسِیلَةَ وَجَاهِدُوا فِی سَبِیلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (۱) اے ایمان والو! تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔ اسی طرح کسی اور مقام پر ارشاد ربُّ العزّت ہے "قُلِ ادْعُوا الَّذِینَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا یَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِیلًا۔ أُولَئِكَ الَّذِینَ یَدْعُونَ یَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِیلَةَ أَیُّهُمْ أَقْرَبُ وَیَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَیَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوراً" (۲) قرآن مجید میں ان دو مقامات کے علاوہ وسیلے کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

یہ آیات مجیدہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ خدا کے سوا فرشتے، انبیائے عظامؑ اور تمام مخلوقات خداوندی کے اقسام واصناف ربّ ذوالجلال سے کسب فیض کرنے کے لیے وسیلے کو تلاش کرتی ہیں۔ چاہے وہ اختیاری حالت میں ہو چاہے وہ اضطراری حالت میں ہو۔ زیادہ سے زیادہ رحمت الٰہی کے حصول اور عذابِ الٰہی کو دفع کرنے کے لیے اپنے وجود کے اندر سے وسیلے کو تلاش کرتے ہیں تا کہ زیادہ سے

---

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۵۔ ۲۔ اسراء، آیات ۵۶، ۵۷۔

زیادہ اللہ کی قربت حاصل ہوجائے۔رسول خداؐ سے روایت ہے" اِسۡئَلُوا اللّٰهَ لِیَ الۡوَسِیۡلَةَ فَاِنَّها دَرَجَةٌ فِی الۡجَنَّةِ لَا یَنَالُها اِلَّا عَبۡدٌ وَاحِدٌ وَاَرۡجُوۡا اَنۡ اَکُوۡنَ اَنَا هُـوَ"(۱) میرے لیے خدا کے حضور وسیلے کے متعلق سوال کرو کیوں کہ یہ جنت میں ایک مرتبے کا نام ہے اور اس مقام پر صرف ایک بندے کے علاوہ کوئی اور فائز نہیں ہوسکتا۔اور امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔اذان سننے کے دوران آنحضرتؐ سے یہ دُعا نقل ہوئی ہے "آت مُحَمَّدًا الۡوَسِیۡلَةَ" (۲) پروردگارا محمدؐ کے لیے وسیلہ عطا فرما۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام رسول خداؐ کے حق میں یوں دُعا فرماتے تھے:"وَشَرِّفۡ عِنۡدَكَ مَنۡزِلَتَهٗ وَ آتِهِ الۡوَسِیۡلَةَ" (۳) انہیں مقام ومنزلت اور وسیلہ عطا فرما۔الغرض کل کائنات اور یہاں تک کہ فخرِ کائنات حضرت رسول خداؐ بھی مقام قربتِ الٰہی میں وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔اگرچہ خود حضورؐ کے وسیلہ ہونے میں اور دیگر وسیلوں میں بہت فرق ہے۔بنا بر ایں تمام مخلوقات خداوندی اپنی ذات میں بیرونی عناصر کی طرف دست نیاز پھیلائے ہیں اور بہ بفرمان الٰہی" یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الۡـوَسِیۡلَةَ" (۴) خدا کی قربت حاصل کرنے میں وسیلے کی طرف محتاج ہیں۔اسی لیے تو کائنات کی کوئی بھی مخلوق خالق نہیں ہوسکتی ہے حتیٰ کہ کوئی بھی مخلوق مستقل طور پر نہ کسی آفت کو دفع کرسکتی ہے اور نہ ہی کسی رحمت کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔کیونکہ یہ صفت خدا کے ساتھ مختص ہے جو قائم بالذّات ہے۔اور یہ قائم بالذّات صرف اور صرف

۱۔صحیح بخاری، التوسّل والوسیلۃ ابن تیمیہ،ص۴۲۔تفسیر مجمع البیان سورۂ مائدہ، آیت ۳۵۔
۲۔صحیح بخاری، التوسّل والوسیلۃ ابن تیمیہ،ص۴۲۔
۳۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۷، ص۱۷۳۔ ۴۔سورۂ اسراء، آیت ۵۷۔

خدائے عزیز کی ذاتِ مقدسہ میں ہی منحصر ہے۔ باقی تمام مخلوقات اپنے وجود میں مستقل طور پر کمالات سے متصف نہیں ہیں۔ پس انہیں وسیلے کے ذریعے خدائے کریم سے طلب فیض کرنا چاہیے۔ ''اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' (۱)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ وسیلہ لغت میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن دونوں آیتوں کی روشنی میں ''جو کسی وسیلے کے ذریعے دوسرے سے نزدیک ہوجائے۔'' یہ معنیٰ سب سے بہتر اور واضح ہیں۔ بالخصوص پہلی آیت میں وسیلہ تلاش کرنے کے حکم کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم آیا ہے۔ حقیقت میں وسیلے اور جہاد کو تقویٰ کا نتیجہ قرار دیا ہے اور پھر اسے بھرپور کامیابی قرار دی ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ کامیابی سے مراد ''اللہ کی قربت'' ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ مقدمہ اور نتیجہ میں مغائرت ہونی چاہیے۔ پس وسیلہ، قرب کے علاوہ ایک چیز ہے۔ یعنی وسیلہ کوئی ایسی چیز ہو کہ جس کے سبب سے بندہ قرب و منزلت الٰہی اور اعلیٰ مقام پر فائز ہو، جو حقیقت میں بھرپور کامیابی ہے۔ وسیلے کے بعد جہاد کو بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد چاہے کفار کے ساتھ مقابلے کی شکل میں ہو یا راہِ الٰہی میں سعی و تلاش کی شکل میں ہو، یہ حقیقت میں وسیلہ تلاش کرنے کے بہترین مصادیق میں سے ایک ہے۔ جہاد (خودخارجی اور عینی) قربت نہیں ہے، بلکہ قربت کے لیے سبب اور مقدمہ ہے۔ پس وسیلہ اس آیت میں قرب و منزلت اور چارہ جوئی کے معانی میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح اور مناسب معنیٰ آیۂ مجیدہ میں معنائے پنجم ہیں، جو چیز خدا کی

۱۔ مائدہ، آیت ۳۵۔

قربت حاصل کرنے کا وسیلہ بن جائے۔

وسیلے کا لفظ آیۂ مجیدہ میں بطور مطلق ذکر ہوا ہے جو ہر قسم کی شرائط سے خالی ہے۔ بنابرایں اس کے معنی بہت وسیع اور آزاد ہیں۔ لفظ کے مطلق ہونے کی بناپر ہر قسم کا عقیدہ ہر قسم کا عمل اور ہر وہ شخص جو خدا سے قریب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس میں شامل ہے۔

دیگر آیات اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور عقیدہ ، انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر عقیدہ، روزِ آخرت پر عقیدہ، رسول خداؐ کی اطاعت، اپنی ذمے داریوں پر عمل کرنا، عبادتوں کو بجالانا جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، وعظ و تبلیغ، رشتے داروں سے حسنِ سلوک، بیماروں کی عیادت، اس کے علاوہ باقی نیک کام جو خدا سے قریب ہونے کا وسیلہ ہیں۔

جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَوَسَّلَ بِهِ الْمُتَوَسِّلُوْنَ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ: اَلْاِيْمَانُ بِهِ وَبِرَسُوْلِهِ وَالْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِهِ۔۔۔ وَكَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ۔۔۔ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ۔۔۔ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ۔۔۔ وَصَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ۔۔۔ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَاِعْتِمَارُهُ۔۔۔ وَصِلَةُ الرَّحْمِ۔۔۔ وَصَدَقَةُ السِّرِّ۔۔۔ وَصَدَقَةُ الْعَلَانِيَةِ وَ۔۔۔ صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ" (۱) اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے سب سے بہترین وسیلے متوسلین کے لیے یہ ہیں: خدا اور اُس کے رسولؐ پر ایمان، خدا کی راہ میں جہاد، کلمۂ

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ابن میثم، ج ۳، ص ۲۷، خطبہ ۱۰۷۔

اخلاص(لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ) اقامۂ نماز اور زکوۃ کی ادائیگی، ماہ مبارک رمضان کے روزے، حج وعمرہ بیت اللہ، رشتے داروں سے حسنِ سلوک، خفیہ طور پر صدقہ دینا، علی الاعلان صدقہ دینا، اور دیگر تمام نیک کام سب وسیلے کے مصادیق ہیں، اور اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے سبب ہیں۔

اسی طرح ذواتِ مقدسہ انبیائے عظام، اولیائے الٰہی، درگاہ الٰہی کے مقرب بندے، نیز اُن کی معرفت ومحبت، ان کو دعا اور شفاعت کے لیے وسیلہ قرار دینا اُن کی قبور کی زیارت کرنا یہ سب کے سب شعائر اللہ کے مصادیق میں سے ہیں۔ خدا کے ان مخلص بندوں سے اظہار عقیدت ومودّت ان کے مقصد کی پاسداری کرنا اور ان کی عظیم تعلیمات پر عمل پیرا ہونا یہ سب اُن سے عشق ومعرفت کی دلیل ہے۔ لازمی بات ہے یہ تمام مصادیق مطلق طور پر کلمۂ وسیلہ کے مفہوم عام میں شامل ہیں۔ یعنی ان تمام امور پر یہ صدق آتا ہے کہ جن کے وسیلے سے خدا کی قربت اور رضایت کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بنابرایں کوئی دلیل وحجت نہیں ہے کہ ہم کلمۂ وسیلہ کو مطلق معنیٰ سے نکال کر چند معانی اور مفاہیم کے ساتھ مختص کر دیں۔ جیسا کہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار وہابیوں نے بغیر کسی دلیل کے وسیلے کے معنیٰ کو دو معانی میں منحصر کر دیا ہے:

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور آپؐ کی اطاعت۔

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا اور شفاعت دنیا وآخرت دونوں میں۔ بعض اوقات وسیلے کے معانی کو واجبات اور مستحبات سے بھی تفسیر کیا ہے۔ جبکہ آیۂ مجیدہ میں بطور مطلق بغیر کسی قید کے ذکر ہوا ہے حدیث کی کتابوں میں

چاہے وہ اہل تشیع کی ہو یا اہل تسنن کی، توسّل کے باب میں کثیر روایات موجود ہیں، جو وضاحت کے ساتھ وہی معنائے عام کو کلمۂ وسیلہ کے لیے اثبات کرتی ہیں۔ قربِ الٰہی کی راہ میں منبع فیاض سے برکات حاصل کرنے کے لیے مدد حاصل کرنا، خدا کے صالح بندوں سے استغاثہ کرنا، نیز مقربین درگاہ الٰہی سے استغاثہ کرنا جو عنوان ہو اس کی روایات تصدیق وتائید کرتی ہیں۔

## توسّل کی جانب قرآن کی دعوت:

خداوند متعال نے کائنات کے اندر مومنین اور الٰہی نظام پر پختہ عقیدہ رکھنے والوں کو اس سنت جاریہ کی طرف ارشاد کی صورت میں دعوت دی ہے۔

## وسیلہ اختیار کرنے کا حکم:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ "(۱) اے صاحبان ایمان تقویٰ الٰہی کو اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔ سر چشمۂ ہستی سے کسب فیض اور برکتوں کو حاصل کرنے کے لیے وسائل واسباب کو تلاش کرو جنہیں خود خداوند متعال نے خلق کیا ہے نیز نظام خلقت کی سببیّت انہیں عطا کی ہے۔ ان کے دامن کے سہارے خدا کی طرف رخ کرلو۔ دوبارہ اسی بنا پر ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عظیم رب العزت نے گنہگار اور پشیمان لوگوں کو جو مغفرت اور خدا کی بخشش کی طرف محتاج ہیں۔ انہیں ترغیب وتشویش دلاتا ہے کہ وہ خانہ رسول اللہؐ کی طرف جائیں اور محضر رسولؐ میں نہ صرف اپنے لیے دعا کریں بلکہ آنحضرت سے بھی

۱۔ مائدہ، آیت ۳۵۔

ان کی بخشش کے لیے دعا کے طالب ہو جائیں۔

**توبہ و استغفار خدا کی طرف سے رحمت و مغفرت کا وسیلہ ہے:** ''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ''(۱) اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ (تم) بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ اس آیۂ مجیدہ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ مجرم انسان کا توبہ و استغفار کرنا پروردگار عالم کی رحمت و مغفرت کسب کرنے کا وسیلہ ہے۔ اسی طرح رسول خداؐ کی جانب جانا، ان کے محضر مبارک میں حاضری دینا آنحضرتؐ سے استغفار و شفاعت کا متقاضی ہونا نیز رحمت و عنایت الٰہی کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ ورنہ تو آنحضرتؐ کی جانب جانے کے لیے تشویق دلانا فائدہ و حکمت سے خالی ہوگا۔ بلکہ آیۂ مجیدہ سے تو یہ مطلب ملتا ہے کہ مجرم کا استغفار اس وقت موثر ہے کہ وہ رسول خداؐ کے پاس جا کر ان کے سامنے توبہ و استغفار کرے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے ''جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ '' وہ لوگ تمہارے پاس آ کر خدا سے طلب استغفار کریں۔

## تالے لگے ہوئے دل نہیں سمجھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے ایک دن چھٹے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کھانا

۱۔ نساء، آیت ۶۴۔

تناول کیا، امامؑ نے کھانا تناول فرمانے کے بعد فرمایا:

"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ، اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنۡكَ وَمِنۡ رَسُوۡلِكَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَآلِهٖ" یعنی پروردگار یہ طعام تیری جانب سے اور تیرے رسولؐ کی جانب سے ایک نعمت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے تعجب کی نگاہ سے کہا "یَا اَبَا عَبۡدِاللّٰهِ اَجَعَلۡتَ مَعَ اللّٰهِ شَرِیۡکاً؟ کیا آپ خدا کے لیے شریک قرار دیتے ہو؟ یعنی آپ نے رسول خداؐ کو ہمیں کھانا کھلانے کے حوالے سے خدا کا ردیف، مؤثر اور مداخلت کرنے والا قرار دیا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: "وَیۡلَكَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ یَقُوۡلُ فِیۡ کِتَابِهٖ "وَمَا نَقَمُوۡا إِلَّا أَنۡ أَغۡنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ "(۱) وَیَقُوۡلُ عَزَّوَجَلَّ فِیۡ مَوۡضِعٍ آخَرَ: "وَلَوۡ أَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهُ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُه "(۲) یعنی تم پر افسوس ہو اے اسلام کی حقیقت سے بے خبر لوگو! خداوند متعال اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے یعنی منافقین نے صرف اس وجہ سے عداوت کی کہ اپنے فضل وکرم سے خدا نے اور اس کے رسولؐ نے دولتمند بنا دیا ہے۔ "وَلَوۡ أَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهُ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُه" (۳) اور جو کچھ خدا اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے واسطے کافی ہے (اس وقت نہیں تو) عنقریب ہی خدا ہمیں اپنے فضل کرم سے اور اس کا رسولؐ دے ہی دے گا۔ امام ابو

---

۱۔ سورۂ توبہ، آیت ۷۴۔

۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۵۹۔ ۳۔ سورۂ توبہ آیت ۷۴۔

حنیفہ نے جب ان دو آیتوں کو سنا جن میں رسول خداؐ کو خدا کے ساتھ فعل کا فاعل قرار دیا ہے (اغناء) (و ایتاء) غنی کرنے والا، اور انسانوں کو ثروت دینے والا تو حیرانگی کے عالم میں کہا "وَاللّٰهِ لَكَأَنِّي مَاقَرَأْتُهُمَا قَطُّ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا سَمِعْتُهُمَا اِلَّا فِي هٰذَاالْوَقْتِ "یعنی خدا کی قسم میں نے ابھی تک قرآن میں ان دونوں آیتوں کی تلاوت نہیں کی اور نہ آپ کے سوا کسی سے سنا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: "بَلٰى قَدْ قَرَأْتُهُمَاوَسَمِعْتَهُمَا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْزَلَ فِيْكَ وَفِي اَشْبَاهِكَ ۔ "أَمْ عَلٰى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا" (۱) یعنی تم نے یقیناً ان دونوں آیتوں کو پڑھا اور سنا ہے لیکن تم اور تم جیسے لوگوں کے لیے خداوند متعال نے فرمایا ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں ) ( آیات الٰہی میں غور وفکر کرنے کی سعادت حاصل نہیں اور انہیں حقیقت تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملتا، ایسے دلوں کو جن پر تالے پڑتے ہیں اور مسرور ہیں ان پر خدا کی عنایت نہیں ہے ) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد رب العزت ہے۔ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ" (۲) ایسا نہیں ( جو وہ لوگ کہتے ہیں بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں ) (۳) اس حدیث مذکورہ میں آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول خداؐ کو طعام کو عطا کرنے میں موثر جانا ہے اور اس جملے میں "اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَمِنْ رَسُولِكَ " کہہ کر رزق دینے اور انعام واحسان کرنے کو رسول خدا کے ساتھ بھی نسبت دی جاتی ہے ودر عین حال اصل رازق اور منعم کو خدا

۱۔ سورۂ محمد، آیت ۲۴۔ ۲۔ سورۂ مطففین، آیت ۱۴۔

۳۔ بحار الانوار، جلد ۱۰، ص ۲۱۶، حدیث ۱۷۔

کے ساتھ مختص کرتے ہوئے جملہ " اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ "کواد افرمایا جس میں تمام تر حمد و تعریف جو کائنات کے رب اور تمام تر امور کو مستقل طور پر تدبیر کرنے والے اللہ رب العزت کی ذات میں منحصر سمجھا ہے۔ اسی طرح مذکورہ دونوں آیتیں جو امام علیہ السلام نے مثال کے طور پر پیش کی ہیں، ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول خداؐ اغناء کرنے، لوگوں کے بے نیاز بنانے ،اور لوگوں کو ثروت دینے میں موثر اور دخیل ہیں، چاہے وہ گزشتہ زمانے میں ہو یا آئندہ زمانے میں۔ "آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ" کا جملہ گزشتہ زمانے سے اور "سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولِهِ" کا جملہ آئندہ زمانے سے مربوط ہے اور اس کو خدا اور رسولؐ کے فضل و کرم کے مصادیق میں سے ایک مصداق کے طور پر پیش کرتا ہے ۔اس خصوصیت کے ساتھ کہ پہلی آیت میں (من فضلہ) ضمیر مفرد ذکر ہوئی ہے اور دوسری آیت میں "مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولِهِ" پر مقدم ذکر ہوا ہے یعنی فضل و کرم کو خدا کی مقدس ذات میں منحصر کر دیا ہے۔ اور اس تعبیر میں جو راز ہے وہ شاید وہی ہے، جو پہلے بیان ہوا کہ تخلیق کائنات اور ایجاد و آفرینش کا سلسلہ ایک خاص نظام کے ساتھ ہے اور وہ نظام مختلف فاعل، مختلف اسباب سے تشکیل پاتا ہے اور وہ سب کے سب درجات اور مرتبے کے حساب سے اختلاف اور تفاوت رکھنے کے باوجود کائنات کے نظام کو چلانے میں مشغول ہیں۔ نعمت دیتے اور لیتے ہیں، زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں۔ عزیز اور ذلیل کرتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود یہ تمام افعال ایک ہی فعل کے مظاہر ہیں اور یہ تمام فاعل ایک ہی فاعل کے ماتحت ہیں۔ اور ایک ہی فاعلیت کو ظاہر کرنے والے ہیں اور اس مقدس ذات کا نام اللہ ہے۔ "وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا

هُوَ "وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ" اگر رسول خداؐ کی جانب سے اغناء اور ایتا ہوتا ہے وہ درحقیقت خدا کے (اغناء) اور (ایتا) کو ظاہر کرتا ہے خدا کے فضل و کرم کے علاوہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور دوبارہ اسی بنا پر ہے کہ دوسری آیت میں ایتاء کی نسبت کو رسول خداؐ کے ساتھ دینے کے بعد فرماتا ہے "وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ "یعنی لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ خدا کے احسان و انعام میں رسول خداؐ کو موثر جانتے ہوئے اس جملے کو بھی زبان پر ادا کریں اور اس کے اصل مفہوم کو اپنے عقیدے کا مرکز قرار دیں کہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ" خدا ہمارے لیے کافی ہے۔ یعنی جو بھی کائنات کے موجودات کے حوالے سے اور نظام خلقت کے حوالے سے ، (خواہ رسول خداؐ سے ہو یا آنحضرتؐ کے علاوہ ہو) ہم تک پہنچتے ہیں یہ سب کے سب خدا کی چاہت اور ارادے کے تحت ہوتا ہے۔ اور اصل بنیاد میں بے نظیر ذات (اللہ) کی تدبیر کارفرما ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے قرآن کی یہ کوشش ہے کہ اس کی تعبیر کائنات کے تمام موجودات کی فعالیتوں کی نشاندہی کرنے کے ہمراہ ذات اقدس حق کی توحید کو واضح طور پر بیان کریں۔ اور لوگوں کے افکار کو ہر قسم کی آلودگی سے (یعنی افعال میں شریک قرار دینے سے) محفوظ رکھے۔

## انبیائے کرامؑ اور وحی الٰہی کو نہ ماننے والے:

عصر نزول قرآن کے بعض نادان لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی بنیاد پر کہ کسی بشر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ہم سے خود بات کرتا رب ذوالجلال سے وحی کو اخذ کرنے اور اسے مخلوق تک ابلاغ کرنے کا انکار کرتے تھے۔ "ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا"

(۱) کیا ہمارے درمیان میں سے صرف اسی پر وحی نازل ہوئی ہے۔ "لَوۡلَا أُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡمَلَائِكَةُ أَوۡ نَرَى رَبَّنَا" (سورۂ فرقان، آیت ۲۱) آخر فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے۔۔۔؟ "وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنۡ يُؤۡمِنُوۡا إِذۡ جَاءَ هُمُ الۡهُدَى إِلَّا أَنۡ قَالُوۡا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَراً رَّسُوۡلًا" (۲) اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں یہ گفتگو ذات اقدس کی (سُبُّوحِيَّتُ اور قُدُّوسِيَّتُ) سے جہالت و نادانی اور نظام خلقت کے مراتب میں شدت وضعف سے عدم آشنائی کی بنا پر ہے۔

بنابرایں پروردگار عالم نے اس ست عقیدے اور بے ہودہ خیالات کی مذمت میں ارشاد فرمایا: "وَمَا قَدَرُوۡا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهِ إِذۡ قَالُوۡا مَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَى بَشَرٍ مِّنۡ شَيۡءٍ" (۳) اور بس ان لوگوں (یہود) نے خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی نہ کی ان لوگوں نے (بیہودہ پن سے) یہ کہہ دیا کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل ہی نہیں کیا۔ یہ آیۂ مجیدہ خدا کی جانب سے نزول وحی کا انکار ہو یا واسطے کے لیے آئے ہوئے رسولوں کا انکار ہو، ان دونوں صورتوں کو معرفت خدا سے دور ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ انہوں نے چونکہ خدا کی عظمت و کبریائی تک رسائی حاصل نہیں کی ہے، اسی بنا پر اس ذات کے لیے ناروا نسبت دیتے ہیں اور اسے فیض و کرم روکنے کے لیے سزاوار جانتے ہیں یا ناقص اور پست ترین انسانوں سے بغیر کسی واسطے کے رابطہ

۱۔ سورۂ ص، آیت ۸۔ ۲۔ سورۂ اسراء، آیت ۹۴۔ ۳۔ سورۂ انعام، آیت ۹۱۔

رکھنے کا اہل سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ پر ان سوچوں کی تردید اور مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا "إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ، مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ "(۱) خدا کو چھوڑ کر جن لوگوں کو تم پکارتے ہو اور وہ لوگ اگر چہ سب کے سب اس کام کے لیے اکٹھے بھی ہو جائیں تو بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اور اگر کہیں مکھی کچھ ان سے چھین لے جائے تو اس سے اس کو چھڑا نہیں سکتے۔ (عجب لطف ہے) کہ مانگنے والا (عابد) اور جس سے مانگا گیا (معبود دونوں) کمزور ہیں اور خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے ان لوگوں نے نہ کی۔ اس میں شک نہیں کہ خدا تو بڑا زبردست غالب ہے۔ (کمزور اور عاجز مخلوق کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ خالق کی جگہ پر انسان کے لیے معبود اور مستقل مدعو قرار پائے)

دوسری جگہ پر ارشاد ربّ العزّت ہے "وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ " (۲) ان لوگوں نے خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی اس کی (کچھ بھی) قدر نہ کی حالانکہ (وہ ایسا قادر ہے کہ) قیامت کے دن ساری زمین (گویا) اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان (گویا) اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں جسے یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔ یہ دونوں مذکورہ آیتیں ان کی

۱۔ سورۂ حج، آیات ۷۳، ۷۴۔ ۲۔ سورۂ زمر، آیت ۶۷۔

نامعقول سوچ کی مذمت کرتی ہیں۔ خدا کے علاوہ کسی موجود کو (چاہے وہ انسان ہو یا غیر انسان) وجود بخشنے اور ایجاد کرنے میں مستقل سمجھے اور اس کو خدا کی اجازت اور مدد کے بغیر کسی کام میں موثر سمجھے۔(۱) میں بھی اس بے ہودہ سوچ کو باطل اور بے بنیاد قرار دیتا ہے سرچشمہ ٔفیض سے فیض پہنچنے کے حوالے سے موجودات کے واسطے کو تسلیم نہیں کرتے (کہ ان میں سے ایک نزول وحی کے لیے انبیاءؑ کا وسطہ ہے) اس لیے دونوں غلط سوچوں کی نفی کی جو ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔ فرماتے ہیں "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ'' ان میں سے کسی نے بھی خدا کو پہچاننے، اس کی عظمت و کبریائی اور جلال کی صفت بیان کرنے میں غور وفکر نہیں کیا، جو اس کے شایان شان ہے۔ جس کے نتیجے میں اس قسم کے گمراہ عقیدے میں گرفتار ہو گئے۔ تمام ممکن الوجود اپنی ذات میں عدم ہے اور اس کے ارادے سے موجود ہے بنابریں کوئی بھی مخلوق کائنات میں رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لیکن اس ذات کا ارادۂ فعلی اور حکیمانہ فاعلیت ممکن الوجود کے ذریعے مقام ظہور تک پہنچی ہے۔ اور علت واسباب تخلیق کے ذریعے یہ نظام جاری وساری ہے۔ "یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ" (۲) اگرچہ تمام موجودات اپنے کاموں میں مشغول ہیں لیکن لم یزلی ذات کے مضبوط ہاتھ ان تمام موجودات کے مافوق ہیں اور وہی اس تمام نظام میں ایجادات کے سلسلے کو چلانے والا ہے۔

---

۱۔ سورۂ انعام، آیت ۹۱۔ ۲۔ سورۂ فتح، آیت ۱۰۔

**خلاصہ کلام:**

مختصر یہ کہ افعال میں شرک ماننا غیر خدا کو فاعلیت میں مستقل سمجھنا ہے۔ اگر ہم کسی مخلوق کو (چاہے وہ انسان ہو یا غیر انسان چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ) فاعل بالاذن سمجھتے ہوئے اس فعل کی انجام دہی کی نسبت کو خدا کی طرف دیں اور ایجاد اثر کو خدا سمجھیں تو اس عقیدے کی کبھی بھی مذمت نہیں کی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اپنے عقیدے کو یعنی فاعلیت بالاذن اور فعل واثر میں اس مخلوق کے صاحب اثر ہونے کو معتبر اور روشن دلیل کے ساتھ ثابت کریں تو اسوقت ہمارا عقیدہ مضبوط اور بادلیل ہوگا، نیز صاحب نظر اور اہل خرد بھی ہمارے موقف کی تصدیق کریں گے۔ اگر ہم اپنے عقیدے پر دلیل و برہان قائم نہ کرسکیں تو بمحالہ ہمارا عقیدہ کمزور اور بے ہودہ ثابت ہوگا۔ بہرحال اس باب میں جو بطور مسلم منفی ہے وہ موضوع شرک ہے، جو عقل اور شریعت کی نگاہ سے غیر خدا کو فاعلیت میں مستقل سمجھنا ہے جبکہ ان موارد میں مخلوق کی فاعلیت کو خدا کی اجازت سے سمجھنا یہاں شرک کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بطور مثال اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ خاک کربلا میں شفا ہے اس سوچ کے ساتھ کہ خداوند متعال نے اس اثر کو تربت میں رکھا ہے اور خدا کی تکوینی اجازت سے دیگر دواؤں کی طرح یہ بھی بیمار کو شفا بخشنے کی خاصیت رکھتی ہے، بطور مسلم یہ عقیدہ رکھنے سے ہم مشرک نہیں ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس تربت پاک کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں اور شفا کے اثر کو من جانب اللہ سمجھتے ہیں۔ اثر میں مستقل سمجھتے ہیں اور نہ خدا سے بے نیاز سمجھتے ہیں جو شرک کا معیار ہے۔ البتہ اگر اس مطلب کو عقلی دلائل کے علاوہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی روایات سے بھی ثابت کریں تو نتیجہ صحیح اور مستدل ہوگا۔ پس

اس بنا پر جو کوئی اس قسم کے عقیدے کو شرک اور اس قسم کے عقیدے رکھنے والوں کو مشرک سے تعبیر کرتے ہیں، وہ یا تو شرک کے معنیٰ سے بے خبر ہیں یا ایسے لوگ ہیں جو دشمنی رکھنے والے، خود غرض، اور عقاب الٰہی سے لاپرواہیں۔ "وَنَسْتَجِيْرُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجَهَالَةِ وَاللُّجَاجِ"

سبیل سکینہ
حیدرآباد، سندھ، پاکستان

## توسّل، شفاعت اور استعانت کا باہمی تعلق:

بیان توسّل میں ایک اور بات بطور خاص قابل غور ہے کہ جب ہم کسی کی ذات کو بطور توسّل بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں تو اس عمل سے توسّل کے علاوہ شفاعت اور استعانت کا تصور بھی واضح ہوتا ہے۔ یعنی جب توسّل ثابت ہوجائے تو اس سے باقی دو چیزیں بھی خود بخود ثابت ہوجاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان تینوں کا باہمی تعلق قرآن مجید کی آیت کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً" اور (اے حبیبؐ!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہؐ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلے اور شفاعت کی بناپر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔(۱)

اس آیت مبارکہ میں (جَآؤُوكَ) دلیل توسّل ہے، یعنی جو لوگ گناہ کر بیٹھیں اور وہ آپؐ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر آپؐ کو وسیلہ بنائیں اور آپؐ بھی ان کی بخشش ومغفرت طلب کریں تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ "فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ" دلیل شفاعت ہے۔ لہٰذا جب رسول کی شفاعت پر اللہ نے بخش دیا تو اس سے ثابت ہوا کہ شفاعت ازروئے قرآن امر جائز ہے۔

تیسری چیز "استعانت" کسی سے مدد طلب کرنے کا ثبوت ہے۔ جب

---

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۶۴۔

بندہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ سے شفاعت طلب کر رہا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں بندہ گناہگار، عاجز خطا کار و سیاہ کار ہوں، آپ کرم فرمائیں اور بارگاہ الٰہی میں میرے گناہوں کی بخشش کے لیے سفارش فرمائیں۔ امتی کی یہی طلب درحقیقت استعانت ہے جبکہ رسول ﷺ کا اللہ کی بارگاہ میں اس کی بخشش و مغفرت طلب کرنا شفاعت ہے۔

## ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے توسّل کا حکم:

وسیلہ ڈھونڈنے پر قرآن مجید کی یہ آیت بھی نص صریح ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا" (۱) اور (اے حبیب ﷺ!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلے اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لیے بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں آ کر ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیات ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھا۔ مفسرین کرام

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۶۴۔

اور ائمہ کرام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

**حضورؐ کے وسیلے سے روز قیامت تکلیف سے نجات:**

ارشادرب العزت ہوتا ہے: "عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً" (ا) یقیناً آپؐ کا رب آپؐ کو مقام محمود (یعنی وہ مقام شفاعت عظمیٰ جہاں جملہ اولین وآخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گا۔ مقام محمود سے مراد وہ اعلیٰ اور رفیع مقام ہے جو روز قیامت حضور نبی کریمؐ کی شان نبوت کے لیے مختص ہوگا۔ آپ کا مقام محمود پر فائز ہونے کا مقصد امت کی شفاعت فرمانا ہے اور قرآن وحدیث سے یہ ثابت شدہ امر ہے کہ شفاعت حضورؐ کا حق ہے۔ قیامت کے دن شدت تکلیف میں تمام لوگ جمع ہو کر آپؐ کی بارگاہ میں آئیں گے اور آپؐ کے حضور التجا کریں گے کہ ہمارے لیے اللہ کے حضور سفارش کریں کہ حساب کتاب جلدی شروع ہو اور ہم اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ لہٰذا احادیث متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپؐ کی خاطر حساب وکتاب شروع فرمائے گا تو ثابت ہوا کہ قیامت کے روز بھی تمام لوگ آپؐ کو رب ذوالجلال کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے۔ یہی آپ کا مقام محمود پر فائز ہونا ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا۔

**ذات مصطفیؐ کے وسیلے سے ہدایت پر استقامت:**

ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے "وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَأَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

---

ا۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹۔

آيَاتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' (۱) اور تم اب کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ خوش نصیب ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خود اللہ کے رسولؐ موجود ہیں، اور جو شخص اللہ کے دامن کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی توسّل پر دلالت کرتی ہے۔ ''وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ'' کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ ایک ایسا واسطہ اور ذریعہ ہیں کہ جس کی وجہ سے اللہ پاک لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر راہ ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے۔ جب کہ ''وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ'' سے مزید وضاحت ہوتی ہے کفر کی طرف نہ پلٹنا بھی رسولؐ کے وسیلے سے ہے، یعنی معلوم ہوا کہ ہدایت بھی اگر ملتی ہے تو رسولؐ کے وسیلے سے اور اس ہدایت پر استقامت بھی اگر ملتی ہے تو رسولؐ کے وسیلے سے۔ اللہ پاک قادر و قیوم ہے، وہ براہ راست ہدایت دے سکتا ہے مگر جب وہ خود فرماتا ہے کہ وہ رسولؐ کی وجہ اور وسیلے سے ہمیں ہدایت پر قائم رکھے گا تو اس سے ہمارے لیے یہی ثابت ہوا کہ وسیلہ جائز امر ہے۔

### ذات مصطفیٰؐ کے وسیلے سے عذاب کا ٹل جانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ'' (۲) اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے درآں حالیکہ (اے حبیب مکرمؐ!) آپؐ بھی ان

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۱۔ ۲۔ سورۂ انفال، آیت ۳۳۔

میں (موجود ہوں) اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات بیان فرمائیں:

۱۔ رسول اللہؐ کا ان میں موجود ہونا۔

۲۔ اللہ پاک سے مغفرت طلب کرنا۔

سب سے پہلے امت کے اندر رسول اللہؐ کی موجودگی کی وجہ سے عذاب نہ دینے کا بیان فرمایا اور اس کے بعد اپنے حضور طلب مغفرت کی وجہ سے عذاب نہ دیا جانا بیان فرمایا۔ بارگاہ اُلوہیت میں طلب مغفرت سے بھی مقدم رسول اللہؐ کا واسطہ بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول اللہؐ موجود ہیں ان کے وسیلے سے امت پر عذاب نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ جو اس سے ظاہری حیاتِ طیبہ مراد لیتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ یہاں بالکل ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ظاہری حیات مبارکہ میں بھی توسّل جائز ہے اور بعد از ممات بھی بلکہ مطلقاً آپؐ کی موجودگی کا ذکر ہے۔ آپؐ کی ولادت سے قبل یہود، مشرکین عرب پر فتح یابی کے لیے آپؐ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَانُواْ مِن قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُواْ"(۱) حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ اور ان پر

..........

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۹۔

اترنے والی کتاب قرآن مجید کے وسیلے سے ) کافروں پر فتح یابی ( کی دعا) مانگتے تھے۔اس آیت مبارکہ میں یہودیوں کا ایک عمل بیان ہوا ہے جس کی قرآن مجید نے تصدیق فرمائی اور جملہ محدثین ومفسرین کرام نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ امتوں کا ہمارے آقا حضور نبی کریمؐ سے توسّل کرنا ثابت ہے تو پھر اس امت کے لیے آپ کا وسیلہ پکڑنا تو بطریق اولیٰ جائز اور درست عمل ہے۔(۱)

### حضرت زکریاؑ کا حضرت مریمؑ کی عبادت گاہ کو وسیلہ بنانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقاً قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَـٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَاب" (۲) اور اس کی نگہبانی زکریاؑ کے سپرد کردی، جب بھی زکریاؑ اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا اے مریمؑ! یہ چیزیں تمہارے لیے کہاں سے آئی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

اس سے متصل اگلی آیت میں قرآن مجید نے اس مقام پر حضرت زکریاؑ کی دعا کا ذکر کیا" هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاء"(۳) اسی جگہ زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا

---

۱۔عقیدہ توسّل، ص۶۲۔ ۲۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۷۔ ۳۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۸۔

میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

**ایک غلط فہمی کا ازالہ:**

یہاں ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا جب بھی حضرت مریم کے حجرے میں ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں انواع واقسام کے بے موسمی پھل پاتے۔ ایک دن دعا کا خیال آ گیا کہ جو کریم رب بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے وہ بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے اور یہ خیال آتے ہی وہیں کھڑے کھڑے دعا کر دی۔ کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ دعا اللہ سے تھی، اس میں مقام دعا کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن اسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور اس مقام پر چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں:

۱۔ کیا حضرت زکریاؑ نے پہلے کبھی دعا نہ مانگی تھی؟

۲۔ حضرت زکریاؑ کی دعا کو اب ہی کیوں شرف قبولیت سے نوازا گیا؟

۳۔ حضرت زکریاؑ نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر دعا کیوں فرمائی، اس میں کیا وجہ فضیلت تھی؟

۴۔ قرآن مجید نے صرف اس مقام پر دعا کا ذکر خصوصی طور پر کیوں کیا؟

یہاں قرآن مجید نے خود اس غلط فہمی کا ازالہ "هُنَالِكَ" کہہ کر کر دیا۔ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت زکریاؑ کا معمول تھا کہ آپؑ پچھلی رات، شب بیداری فرمایا کرتے۔ اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی آپؑ نماز میں مشغول ہوئے لیکن دعا کے لیے خصوصی طور پر حجرے کا انتخاب کیا۔

اگر آپؑ نے اتفاقاً وہاں کھڑے کھڑے دعا کی ہوتی تو لفظ "هُنَالِكَ" لانے کا کوئی فائدہ اور محل نہ ہوتا اور توسّل بھی ثابت نہ ہوتا۔ لیکن بدیہی طور پر محبوب مقام پر کھڑے ہوکر دعا کرنا توسّل کا آئینہ دار ہے۔(۱)

### توسّل سے دعا کی فوری قبولیت:

اللہ ربّ العزّت نے بذریعہ توسّل، دعا کی اجابت وقبولیت کا نظارہ اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے کرادیا: "فَنَادَتْهُ الْمَلآئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى "(۲) ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا کررہے تھے) کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی: بیشک اللہ آپؑ کو (فرزند) یحییٰؑ کی بشارت دیتا ہے۔

حضرت زکریاؑ نے صرف اس جگہ کو مقام قرب سمجھتے ہوئے اس جگہ کے توسّل سے دعا مانگی، تو وہ فوراً رنگ لائی، جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اللہ ربّ العزّت کو اپنے محبوب بندوں سے توسّل کرنا پسند ہے جس پسند کا اظہار دعا کی قبولیت کی صورت میں سامنے آیا۔(۳)

### قمیص یوسفؑ سے بصارت حضرت یعقوبؑ کا لوٹ آنا:

سورۂ یوسفؑ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْراً وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ" (۴) (حضرت یوسفؑ نے کہا) میری قمیص لے جاؤ، سوائے میرے باپ (حضرت یعقوبؑ) کے

۱۔عقیدۂ توسّل، ص ۶۴ ۲۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۹۔ ۳۔عقیدۂ توسّل، ص ۶۵۔
۴۔سورۂ یوسف، آیت ۹۳۔

چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔اس کے بعد کے واقعے کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ”فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا“ (۱) پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا، اس نے وہ قمیص یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دی تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس چیز کو انبیائے کرامؑ وصلحائے عظام سے نسبت ہو جائے، اس سے توسّل کرنا توحید کے منافی نہیں، کیوں کہ قمیص کو بھیجنے والے بھی نبیؑ، اس وسیلے سے فائدہ اٹھانے والے بھی نبیؑ ہیں اور بیان کرنے والا قرآن مجید ہے۔ مذکورہ آیت سے درجہ ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ (جَاءَ الْبَشِيرُ) کے اعتبار سے یہ توسّل اگرچہ ظاہراً توسّل بغیر النبی ہے لیکن فی الحقیقت یہ توسّل بآثار النبی ہے۔

۲۔ حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر قمیص ڈالتے وقت بشارت دینے والے نے زبان سے کچھ نہ کہا، لہٰذا قمیص کے توسّل سے بینائی کا لوٹ آنا توسّل نفسی ہے۔

۳۔ غیر نبی سے بھی وسیلہ کرنا سنت انبیاءؑ ہے اور سنت انبیاءؑ کو شرک قرار دینا انبیاءؑ سے بغض وعناد اور نادانی وکم فہمی کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ دو جلیل القدر انبیاءؑ (حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ) کا وسیلہ پکڑنے کی سنت بیان ہو رہی ہے۔ اتنی بڑی صریح دلیل کی موجودگی میں کوئی مسلمان عقیدۂ توسّل سے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس آیت میں یہ

۱۔ سورۂ یوسفؑ، آیت ۹۶۔

امر بطور خاص توجہ طلب ہے کہ ایک پیغمبرؑ وسیلے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے پیغمبرؑ اس قمیص سے توسّل کر رہے ہیں یعنی قمیص یوسفؑ متوسّل بہ ہے۔ لہٰذا جب پیغمبرؑ کی قمیص سے توسّل امر جائز ہے تو اس سے توسّل بآثار الانبیاءؑ اور توسّل بالصالحین کا عقیدہ بھی از خود ثابت ہو جاتا ہے۔(ا)

## اپنے تذلّل اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنا:

انتہائی تذلّل، عاجزی، انکساری، بے کسی و بے بسی کے ساتھ اللہ کے حضور گریہ وزاری اور لجاجت کے ساتھ دعا کرنا بھی اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بن جاتا ہے، رحمت الٰہی جوش میں آجاتی ہے اور بندے کی مراد بر آتی ہے۔ صحابہ کرامؓ، ائمہ اطہارؑ کی منقول دعاؤں میں ہمیں یہی عاجزی وانکساری، ندامت و شرمندگی اور خود کو اللہ کی بارگاہ میں حقیر، بے بس اور بے کس کی طرح پیش کرنے کے احوال نظر آتے ہیں۔ حضرت سیّدنا ابو بکرؓ اور حضرت سیّدنا علی شیر خداؓ، حضرت امام زین العابدینؒ اور غوث الاعظمؒ کی دعائیں ایسی کیفیات اور احوال سے معمور ہوتی تھیں۔

وسیلے اور توسّل میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی بارگاہ میں اپنی دعا میں بطور واسطہ اس طرح پیش کرنا کہ جہاں وہ دعا کی قبولیت کو بڑھا دے، وہاں بندے کی حاجت کا اللہ کی بارگاہ سے پورا ہونے کا مزید یقین بھی عطا کر دے۔ اس وسیلے کے نتیجے میں رب کی رحمت جوش میں آجائے، بندے کی مراد جلد پوری ہو جائے اور دعا شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہو۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو وہ اس

ا۔ عقیدہ توسّل، ص ۶۶۔

پریشیاں ہوکر بارگاہِ الٰہی میں اپنی خطا کا ذکر کرتے اور اپنی بے بسی و عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی رحمت اور عفو درگزر کے لیے یوں عرض گزار ہوئے: ''رَبَّنَا ظَلَمۡنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِينَ ''(۱) اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس دعا کے ذریعے حضرت آدمؑ نے اپنی عاجزی اور بے کسی کو بطور وسیلہ پیش کیا اور اس کی بخشش و مغفرت اور رحمت کے طلب گار ہوئے، احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ قبولیت توبہ کے لیے حضرت آدمؑ نے حضور نبی اکرمؐ کا وسیلہ بھی پیش کیا اور آپ کی توبہ شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی۔(۲)

**ساری امت کے لیے دعا سے توسّل:**

بارگاہِ اُلوہیت میں دعا مانگتے ہوئے صرف اپنی ذات کے لیے ہی دعا نہ مانگنا جیسے ''اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡنِیۡ'' (اے اللہ مجھ پر رحم فرما) بلکہ اپنی دعا میں ساری امت کو شریک کرنا اور یوں کہنا: ''اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡنَا'' (اے اللہ ہم پر اور پوری امت پر رحم فرما) یوں دعا مانگنے سے خود بخود توسّل کا پہلو نکلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡأَبۡرَارِ'' (۳) اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطاؤں کو ہمارے نوشتۂ اعمال سے محو فرما دے اور ہمیں نیک لوگوں کی سنگت میں موت دے۔

.....

۱۔ سورۂ اعراف، آیت ۲۳۔ ۲۔ عقیدۂ توسّل، ص ۷۰۔

۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۳۔

یہ دعا جب اللہ کے صالح اور مقرب بندوں کی زبان سے جاری ہوتی ہے، تو اجابت کی منزل کو پہنچتی ہے اور اپنی عمومیت کی بنا پر گنہگار، نیکوکار سبھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سب بخشش و مغفرت الٰہیہ کا مژدۂ جاں فزا سنتے ہیں۔ گویا اجتماعی دعا کا توسّل سب کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔(۱)

**لفظ ربّ کی عباد الصالحین کی طرف اضافت سے توسّل:**

بارگاہ اُلوہیت میں التجا کرتے وقت لفظ "ربّ" کو کسی مقدس اور پاکیزہ ہستی کا مضاف کرنا بھی توسّل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کو "ربّ محمدؐ" اور اسی طرح ربّ عباد الصالحین یا کسی مقرب اور برگزیدہ بندے کا رب کہہ کر توسّل کیا جانا۔

قرآن حکیم میں ہے۔ "وَأَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیۡنَ" (۲) اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے خاص قرب والے نیکوکار بندوں میں داخل فرمالے۔(۳)

**نفس مطمئنہ اور نفس راضیہ مرضیہ پر فائز بندوں کا تذکرہ:**

"یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ، ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً، فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ، وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ" (۴) اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی پلٹ آ۔ پس عبادت گزار بندوں کی صف میں شامل ہو جا اور میری بنائی ہوئی جنت میں داخل ہو جا۔ خود نبی کریمؐ کی بھی یہ سنت ہے کہ آپؐ یوں دعا مانگتے تھے:

۱۔عقیدۂ توسّل، ۱۷۔ ۲۔سورۂ نمل، آیت ۱۹۔

۳۔عقیدۂ توسّل، ص ۷۲۔ ۴۔سورۂ فجر، آیات ۲۷ تا ۳۰۔

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ جَبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَمُحَمَّدٍ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ" (۱) اے جبریل، میکائیل واسرافیل اور محمد کے رب میں جہنم کی آگ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

### ذکرِ الٰہی وسیلہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰه" (۲) اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان جب گناہوں میں مبتلا ہو جائے اور اس کا دامن عصیاں سے آلودہ ہو جائے تو ایسی صورت حال میں ذکرِ الٰہی سے توسّل، اس کی بخشش و مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں پر ذکرِ الٰہی کو گناہوں کی معافی کا وسیلہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (۳)

### ذکرِ انبیاءؑ و اولیاء سے وسیلہ:

اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کا ذکر کرنا یہ بھی وسیلہ ہے، جس کی دلیل سورۂ فاتحہ ہے، جس میں اسمِ ذات، اسماء و صفات، انبیاءؑ و اولیاء اور شہداء و صالحین کا وسیلہ پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمتَ عَلَيْهِم"

---

۱۔ المستدرک للحاکم، جلد ۳، ص ۶۲۲۔

۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۵۔ ۳ عقیدۂ توسّل، ص ۷۵

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔(۱) جن لوگوں پر انعام فرمایا گیا، ان کی تفصیل ایک اور مقام پر قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے۔ "وَمَن یُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیهِم مِّنَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِینَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِیقًا" (۲) اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو یہی لوگ روز قیامت ان ہستیوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔(۳)

### انعامات واحساناتِ الٰہیہ سے توسّل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَینَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا" (۴) اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُورٌ رَّحِیمٌ" (۵) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو انہیں پورا شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

بندہ اگر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتا رہے اور ان نعمتوں کو یاد کرنے کے بعد اللہ

۱۔ سورۂ فاتحہ، آیت ۷۔ ۲۔ سورۂ نساء، آیت ۶۹۔ ۳۔ عقیدۂ توسّل، ص ۷۶۔
۴۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳۔ ۵۔ سورۂ نحل، آیت ۱۸۔

سے مغفرت طلب کرے تو اس وسیلے سے اللہ کو بڑا بخشنے والا پائے گا۔ یہاں صراحتاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مغفرت، اس کی نعمتوں کے تذکرے کے وسیلے سے جوش میں آتی ہے۔ جو دعا اس کے انعامات اور احسانات کو یاد کرکے اوران کا وسیلہ دے کر مانگی جائے، وہ بندے کی طرف سے اللہ کی نعمتوں کا شکرانہ بن کر اجابت کو پہنچتی ہے۔ اس پر خود نص قرانی شاہد ہے: "لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُم" (۱) اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم پر نعمتوں میں ضرور اضافہ کروں گا (۲)

وعدۂ الٰہی سے توسّل:

اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویؐ سے اپنی شان کے مطابق جو مختلف وعدے فرمائے ہیں، ان کا ذکر کر کے اس کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ" (۳) اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدے فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

بندہ اپنی نماز اور دعا میں اپنے مولا سے ہم کلام ہو کر اور اپنا گناہ آلودہ دامن لے کر عرض گزار ہوتا ہے کہ یا اللہ! میرے اعمال تو اس قابل نہیں کہ ان کی وجہ سے میں بخشش و مغفرت کا مستحق ٹھہروں، اس لیے تجھ سے تیرے رسولوں کی

۱۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۷۔ ۲۔ عقیدۂ توسّل، ص ۷۷۔

۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۴۔

وساطت سے سوال کرتا ہوں کہ محشر کی تپش وحرارت اوراس کی ہولنا کیوں سے مجھے محفوظ و مامون فرما، میں نے تیرے برگزیدہ پیغمبروں کا دامن پکڑلیا ہے، ان کی راہ پر چل پڑا ہوں، ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کررہا ہوں، دین کی پیروی ہی کو تیرے انبیاءؑ نے نجات کا وسیلہ بنایا ہے اس لیے مجھے اپنے وعدے کو روز روشن کی طرح دکھادے اور تیرے وعدے ہمیشہ وفا ہی ہوتے ہیں۔(۱)

مذکورہ آیات قرآنی اور آئندہ صفحات پر موجود احادیث و روایات بطور مثال ہیں ورنہ دلائل ان سے کہیں زیادہ موجود ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

**قبولیت دعا کے لیے وسیلۂ درود شریف:**

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً" (۲) ''بے شک اللہ تعالیٰ اوراس کے فرشتے نبیؐ پر صلوٰت ہیں اور اے اہل ایمان تم بھی درود وسلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔'' صلوٰۃ وسلام ایک ایسا محبوب ومقبول عمل ہے جو کسی صورت میں اور کسی مرحلے پر بھی مردود اور ظنی القبول نہیں بلکہ قطعی القبول ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر پڑھنے والا فاسق وفاجر، گناہگار اور معصیت میں لت پت ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کا یہ عمل رد نہیں کیا جاتا اور جب وہ درود وسلام

۱۔عقیدہ توسّل،ص ۷۸۔

۲۔سورۂ احزاب، آیت ۵۶

پڑھتا ہے تو قبول کرلیا جاتا ہے۔ایک بندہ جب بارگاہ اُلوہیت میں عرض گزار ہوتا ہے"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ" اے اللہ اپنے حبیب محمدؐ اوران کی آلؑ پر صلوٰت بھیج تو اللہ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں تو پہلے ہی صلوٰت بھیج رہاہوں، برکت دے رہاہوں، ذکر بلند کررہاہوں اورقرب خاص عطا کررہاہوں، تیرے کہنے کی ضرورت نہیں، اس پر پہلے ہی سے عمل ہورہاہے۔چونکہ تونے اپنے لیے کچھ نہیں مانگا(مال،اولاد، بیماری، تنگدستی،فقروفاقہ کے لیے کچھ نہیں مانگا) اپنی کسی غرض کو بیچ میں نہیں لایا بلکہ صرف میرے محبوب کے لیے صلوٰۃ وسلام کی بات کی اوران پر درود بھیجنے کی درخواست اوردعا کی ہے اورتونے اپنی دعا کی قبولیت لیے محمدؐ وآل محمدؑ کووسیلہ قراردیاہے اوردرودشریف کووسیلہ قراردیاہے اس لیے تیری دعاقبول کرتاہوں۔اوریقیناً درودپاک قطعی القبول ہے اوراس کے ردونامقبول کیے جانے کاکوئی امکان نہیں۔

# فصلِ سوّم

# وسیلہ....
# روایاتِ اہل سنّت کی روشنی میں

## وسیلہ......روایاتِ اہلِ سنّت کی روشنی میں

### توسّل بالنبیؐ کی ممکنہ صورتیں:

حضور نبی اکرمؐ کی ذات بابرکات سے توسّل کی تین صورتیں ہیں:

الف) التوسّل بالنبیؐ قبل ولادتہ (ولادت سے قبل نبی اکرمؐ سے توسّل)

ب) التوسّل بالنبیؐ فی حیاتہ (نبی اکرمؐ سے ان کی ظاہری حیات میں توسّل)

ج) التوسّل بالنبیؐ بعد وصالہ (نبی اکرمؐ سے ان کے وصال کے بعد توسّل)

حضور نبی اکرمؐ کی حیات ظاہری میں توسّل کرنا اور پھر آپؐ کی ولادت سے پہلے اور وصال کے بعد حیات برزخی میں توسّل کرنا، یہ تمام صورتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور آج تک علمائے کبار ان سے عقیدۂ توسّل کا استنباط کرتے چلے آئے ہیں۔(۱)

### الف) التوسّل بالنبی قبل ولادتہ:

#### ۱۔حضرت آدمؑ کا نبی اکرمؐ کو وسیلہ بنانا:

حضور نبی اکرمؐ کی ذات اقدس سے توسّل کا عمل آپؐ کی تخلیق سے قبل، آپؐ کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور بعد از وصال ہر دور میں جاری وساری رہا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی کے لیے حضور اکرمؐ کی ذات مبارک سے توسّل کرنا، ابوالبشر حضرت آدمؑ کی بھی سنت ہے۔ آپؑ نے اپنی خطا کی معافی کے لیے حضور اکرمؐ کی ذات مبارکہ کو رب کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کیا اور رب رحیم نے اپنے حبیبؐ کے

...

۱۔عقیدۂ توسّل، ص۱۵۸۔

صدقے ان کی بھول چوک کو معاف کر دیا، آپؑ نے دعا میں کلمات استغفار کے ساتھ کلمات توسّل کا اضافہ فرمایا اور کہا: "أَسۡأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرۡتَ لِیۡ" اے اللہ میں تجھ سے محمدؐ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔

ابن المنذر کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات درج ہیں: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبۡدُكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَیۡكَ أَنۡ تَغۡفِرَلِیۡ خَطِیۡئَتِیۡ" اے اللہ میں تجھ سے تیرے محبوب بندے محمدؐ کے واسطے سے اور اس بزرگی کے وسیلے سے جو انہیں تیری بارگاہ میں حاصل ہے، سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا بخش دے۔(۱)

### ۲۔ یہود کا حضور نبی اکرمؐ کو وسیلہ بنانا:

حضور نبی اکرمؐ کی ولادت سے پہلے یہود اپنے حریف مشرکین عرب پر فتح پانے کے لیے آپؐ کے وسیلے سے بارگاہ ربّ العزّت میں دعا کرتے، جس کے نتیجے میں فتح سے ہمکنار ہوتے۔ اس بات پر نص قرآنی شاہد عادل ہے۔ "وَلَمَّا جَاءَهُمۡ کِتَابٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَمَّا جَاءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِهٖ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الۡکَافِرِیۡنَ"(۲) اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس کتاب (توراۃ) کی (اصلاً) تصدیق کرنے والی ہے، جو ان کے پاس موجود تھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی کریم حضرت محمدؐ اور ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے سے) کافروں پر فتح یابی (کی دعا) مانگتے تھے،

۱۔ عقیدۂ توسّل، ص ۱۶۱، الدر المنثور، جلد ۱، ص ۶۰۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۹۔

سو جب ان کے پاس وہی نبی حضرت محمدؐ اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب قرآن کے ساتھ تشریف لے آیا جسے وہ (پہلے ہی سے) پہچانتے تھے تو اس کے منکر ہو گئے، پس (ایسے دانستہ) انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ آیۂ کریمہ میں بیان ہو رہا ہے کہ وہ رسولؐ جن کے وسیلۂ جلیلہ سے مشرکین عرب پر فتح پانے کے لیے یہود بارگاہ الٰہی میں دعا مانگا کرتے تھے جب وہ بزم آراء ہستی ہوئے تو وہ اپنے تعصب و عناد کی بنا پر آنے والے رسولؐ کی کمال معرفت ہونے کے باوجود جن کو ان کی آمد کی علامات سے جانتے پہچانتے بھی تھے، ان کا انکار کر بیٹھے اور وادی کفر میں سرگرداں ہو گئے۔ جب انہوں نے اپنے کفر کا اظہار کیا تو غیرت حق جوش میں آ گئی اور فرمایا: "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ" (۱) پس ایسے دانستہ انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

آیت میں حضور نبی اکرمؐ کے واسطے و وسیلے سے دعا کرنے کی برکت کا ذکر خود اہل کتاب، حضور نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے، کفار و مشرکین عرب سے جنگوں کے دوران اللہ تعالیٰ سے یہودی اپنی کامیابی و کامرانی کی دعا، آنحضرتؐ کے وسیلے سے مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعا کے کلمات یہ تھے: "اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ نَعْتَهٗ وَصِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ" (۲) اے اللہ زمانۂ آخر میں بھیجے جانے والے نبی کہ جن کی تعریف اور صفات ہم تورات میں پاتے ہیں، ان کے وسیلے سے ہماری مدد فرما۔ (۳)

---

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۹۔ ۲۔ الکشاف، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ۳۔ عقیدۂ توسّل، ص ۱۶۹۔

مفسرین کرام نے اس حوالے سے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

**۳۔امام رازی:**

"اَنَّ الْيَهُوْدَ مِنْ قَبْلِ مَبْعَثِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَنُزُوْلِ الْقُرْآنِ كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ اَیْ يَسْأَلُوْنَ الْفَتْحَ وَالنُّصْرَةَ، وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ" حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے قبل یہودی (ان کے وسیلے سے) فتح کی دعا مانگا کرتے تھے یعنی فتح اور مدد طلب کرتے تھے۔ اور یہ الفاظ کہا کرتے تھے: اے اللہ ہمیں امی نبی ﷺ کے صدقے فتح ونصرت عطا فرما۔(۱)

**۴۔علامہ آلوسی:**

"نَزَلَتْ فِیْ بَنِیْ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ۔ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَقَتَادَةُ۔ وَالْمَعْنٰى يَطْلُبُوْنَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يَّنْصُرَهُمْ بِهٖ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ، كَمَا رَوَى السُّدِّیُّ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اشْتَدَّ الْحَرْبُ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَخْرَجُوا التَّوْرَاةَ وَوَضَعُوْا اَيْدِيَهُمْ عَلٰى مَوْضِعِ ذِكْرِ النَّبِیِّ ﷺ، وَقَالُوْا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِیْ وَعَدْتَنَا اَنْ تَبْعَثَهٗ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ اَنْ تَنْصُرَنَا الْيَوْمَ عَلٰى عَدُوِّنَا، فَيُنْصَرُوْنَ"(۲)

سہیل سکینر
حیدرآباد، سندھ، پاکستان

۱۔تفسیر الکبیر،۳،ص۱۸۰۔عقیدہ توسل،ص۱۷۵۔

۲۔تفسیر روح المعانی،ج۱،ص۳۲۰۔

یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی جو اوس اور خزرج پر حضور ؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کے وسیلے سے فتح یابی کی دعا مانگتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ نے اسی بات کو بیان کیا ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے تھے کہ اس نبی کا وسیلے سے مشرکین کے خلاف ان کی نصرت فرمائے جیسا کہ السُّدِّیّ نے بیان کیا ہے کہ جب ان کے اور مشرکین کے درمیان لڑائی زوروں پر آجاتی تو وہ تورات شریف کھول کر اس مقام پر جہاں حضور نبی اکرمؐ کا ذکر ہوتا ہاتھ رکھ دیتے اور دعا کرتے: اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کے صدقے دعا کرتے ہیں، جنہیں تو نے آخر زمانے میں مبعوث فرمانے کا ہم سے وعدہ کیا ہے، آج ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری نصرت فرما۔ پس (اس دعا کی برکت سے) ان کی مدد کی جاتی۔(۱)

### ۵۔امام جلال الدین سیوطی:

۱۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ ،قَالَ : کَانَتْ یَھُوْدُ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ وَالنَّضِیْرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ یُبْعَثَ مُحَمَّدٌ یَسْتَفْتِحُوْنَ اللّٰہَ ، یَدْعُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، وَیَقُوْلُوْنَ : اَللّٰھُمَّ ! اِنَّا نَسْتَنْصِرُکَ بِحَقِّ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ اِلاَّ نَصَرْتَنَا عَلَیْھِمْ فَیُنْصَرُوْنَ "(۲) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل کفار پر غلبہ کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے اے اللہ! ہم امی نبیؐ کے وسیلے سے تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں کہ ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما۔ پس ان کی مدد کی جاتی۔

۱۔عقیدہ توسّل، ص ۱۷۴۔

۲۔الدر المنثور، ج۱،ص ۸۸۔

اسی طرح یہ روایت بھی ہے:

۲۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ :"كَانَ يَهُوْدُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَبْلَ قُدُوْمِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا قَاتَلُوْا مِنْ يَلِيْهِمْ مِنْ مُشْرِكِيْ الْعَرَبِ مِنْ أَسَدٍ وَغَطْفَانَ وَ جُهَيْنَةَ وَعُذْرَةَ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَيْهِمْ وَ يَسْتَنْصِرُوْنَ يَدْعُوْنَ عَلَيْهِمْ بِاِسْمِ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ ، فَيَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا! انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِاِسْمِ نَبِيِّكَ وَبِكِتَابِكَ الَّذِيْ تُنْزِلُ عَلَيْهِ الَّذِيْ وَعَدْتَنَا أَنَّكَ بَاعِثُهُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ " (۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ حضور نبی اکرمؐ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل جب وہ مشرکین عرب میں سے اسد، غطفان، جہینہ اور عذرہ سے جنگ کرتے تو حضور اکرمؐ کے اسم گرامی کے صدقے اس پر فتح و نصرت حاصل کرنے کی دعا کرتے ، اور کہتے : اے اللہ ہمارے رب! اپنے اس نبی کے اسم گرامی اور ان پر نازل ہونے والی کتاب کے صدقے ہمیں نصرت عطا فرما، جن کی آخری زمانے میں بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ آپؐ کی بعثت سے قبل بھی اہل کتاب آپؐ کی ذات اقدس کو بطور وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے۔ (۲)

..............................

۱۔ الدرالمنثور، ج۱، ۸۸۔ فتح القدیر للشوکانی، ج۱،ص۱۱۲۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج۱،ص ۳۲۳۔ تفسیر البیضاوی، ج۱،ص ۱۲۲۔ تفسیر المنیر، ج۱، ۲۰۔ ۲۱۹۔ معالم التنزیل، ج۱،ص ۹۳۔ الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، ج۱،ص ۹۶۔ الفتوحات الالہیۃ، ج۱،ص ۸۔ ۷۷۔

۲۔ عقیدۂ توسّل،ص ۱۷۶۔

۲۔ یہ بعداز وصال، توسّل بالنبیؐ کا جواز بھی ہے :

جس طرح اس آیت کریمہ سے قبل از ولادت و بعثت آپؐ سے توسّل کا ثبوت ہے، اسی طرح یہی آیت بعداز وصال بھی آپؐ سے توسّل پر شاہد عادل ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس آیہ کریمہ سے بعداز وصال توسّل بالنبیؐ کا کیا ثبوت ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرمؐ ابھی اس دنیا میں تشریف نہ لائے تھے اور اس وقت اگر وسیلہ جائز تھا تو اب وصال شریفہ کے بعد وسیلہ کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

ولادت مصطفیؐ سے قبل حضور نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کا توسّل اور وسیلہ پکڑنے والے یہود اہل ایمان تھے، انبیاء وصلحاء کی قیادت میں جنگ لڑتے تھے اور یہ کافر تو اس وقت ہوئے، جب نبی محمدؐ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف بخشا۔ اس سے پہلے حضور نبی کریمؐ کے چرچے اور تذکرے خود اہل کتاب کیا کرتے تھے۔ اپنے بچوں کو آپؐ کا ذکر سناتے اور مدح کرتے اور آپؐ کی بعثت کے منتظر تھے۔ مگر کیا ہوا کہ وہی نبی برحق جن کا برسوں سے انتظار کر رہے تھے، شب و روز جن کے تذکرے کرتے تھے اور جن کے توسّل سے فتح وکامرانی کے لیے دعائیں مانگتے تھے، جب وہ مبعوث ہوئے تو حسد اور تعصب وعناد کی وجہ سے کامل معرفت کے باوجود ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر بیٹھے۔ غرض یہ کہ نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کا یہ توسّل اور وسیلہ آپؐ کے ظہور ولادت سے پہلے کا ہے، لیکن بیک وقت یہی آیت بعداز وصال آپؐ کے توسّل اور وسیلہ کے جائز ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ (۱)

---

۱۔ عقیدہ توسّل، ص ۱۷۹۔

ب: التوسّل بالنبیؐ فی حیاتہ (حضور نبی اکرمؐ سے حیات ظاہری میں توسّل)

خاصۂ خاصان رسل ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیؐ کی یہ شان امتیاز ہے کہ آپؐ کی بعثت بلکہ ولادت سے قبل بھی آپؐ سے توسّل ہوتا رہا۔ سیدنا آدمؑ اور پھر یہود کا آپؐ کو وسیلہ بنانے کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جب امم سابقہ آپؐ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دشمنوں پر فتح اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے التجائیں کرتی تھیں تو امت مصطفویؐ تو بطریق اولیٰ آپؐ کے توسّل کی حقدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صراحتًا اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے کہ آپؐ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ پر بے شمار انعامات فرمائے۔ صحابہ کرام نے آپؐ سے توسّل کیا، آپؐ نے ان کو یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست سوال کیا کرو بلکہ آپؐ نے تو خود ان کو وسیلے کی تعلیم دی۔ آپؐ سے توسّل پر قرآن حکیم سے جو دلائل بطور استشہاد ثابت ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ حضور نبی اکرمؐ کے توسّل سے امت پر سے عذاب کا ٹل جانا:

حضورؐ کی حیات ظاہری میں توسّل کے بارے میں قرآن کریم ہماری رہنمائی یوں فرماتا ہے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" (۱) اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے، درآں حالاں کہ (اے حبیب مکرمؐ) آپؐ بھی ان میں (موجود) ہوں اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ

ا۔ سورۃ الانفال، آیت ۳۳۔

اس سے مغفرت طلب کر رہے ہوں۔(۱)

### ۲۔واسطۂ رسالت قبولیت استغفار کے لیے شرط ہے:

مذکورہ آیۂ کریمہ میں دو، وسیلے ہیں۔ ایک حضور نبی کریمؐ کا وسیلہ ہے اور دوسرا ذکر الٰہی (استغفار) کا ہے کہ باری تعالیٰ گنہگاروں کو اس وجہ سے بھی عذاب نہیں دیتا۔گویا کہ استغفار بھی عذاب کو ٹالنے کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضورؐ کی ذات اقدس کا وسیلہ ہونا پہلے بیان کیا اور اپنی بارگاہ میں استغفار کا بعد میں۔اس ترتیب کا بغور جائزہ لینے سے یہ حکمت سامنے آتی ہے کہ استغفار اور توبہ انہی لوگوں کی قبول ہوگی جو حضورؐ کے ساتھ متعلق ہیں اور خود کو آپؐ کے دامن سے وابستہ کر لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا بندوں کا استغفار قبول کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ وہ محض آپؐ کی نبوت پر ہی ایمان نہ لائیں بلکہ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانیں کہ حضورؐ آج بھی ہم میں موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔جب یہ عقیدہ پختہ ہو جائے گا تو پھر ہمارے توبہ واستغفار سے عذاب ٹل جائے گا۔(۲)

### ۳۔کفار ومشرکین کا چیلنج:

تعجب خیز امر یہ ہے کہ کفار ومشرکین چیلنج کرتے: اے اللہ! ہم تیرے نازل کردہ قرآن کو نہیں مانتے، اگر یہ قرآن، جس کے ہم انکاری ہیں، حق ہے تو ہم پر عذاب نازل فرما۔جیسا کہ قرآن حکیم نے ان کے عذاب کو دعوت دینے کا ذکر کیا ہے "وَإِذۡ قَالُواْ اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَـٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِندِكَ فَأَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً

۱۔عقیدۂ توسل، ص۱۸۳۔

۲۔عقیدۂ توسل، ص۱۸۵۔

مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" (۱) اور جب انہوں نے (طعناً) کہا: اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو (اس کی نافرمانی کے باعث) ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔

کفار و مشرکین نے یہ چیلنج قرآن کی حقانیت و صداقت کو پرکھنے کے لیے کیا، مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس سے متصل آیت میں فرمایا کہ اگر میرا محبوب ؐ تم میں نہ ہوتا تو تمہارا غرور و تکبر بھی سابقہ قوموں کی طرح ضرور ختم ہو جاتا۔ اب میری رحمت کو گوارا نہیں کہ ایک طرف میرا محبوب ؐ تم میں موجود ہو اور دوسری طرف تم پر عذاب بھی نازل ہو، اس لیے کہ میں نے اپنے حبیب کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" (۲) اور (اے رسول محتشم ؐ) ہم نے آپ ؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

یہاں پر خدا تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اس کے حبیب ؐ کی شان رحمۃ للعالمین اور سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۳ میں کیا گیا اس کا اعلان کفار و مشرکین کی نافرمانی و معصیت کے باوجود ان پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے میں مانع ہے۔ وگرنہ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ ان جیسے سرکش اور باغی اپنی نافرمانی کے باعث کسی دور میں بھی اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکے اور بالخصوص وہ قومیں جنہوں نے تکبر و غرور کا مظاہرہ کیا اور اس کے عذاب کو دعوت دی تو ان میں سے کسی کی صورتیں مسخ ہو

۱۔ سورۂ انفال، آیت ۳۲۔ ۲۔ سورۂ انبیاءؑ، آیت ۱۰۷۔

کر بندروں کی صورت میں ڈھل گئیں، کوئی غرق آب ہوا اور کوئی خوفناک آواز سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ غرض یہ کہ جیسی انہوں نے نافرمانی کی، ویسے ہی عذاب سے انہیں دوچار کر دیا گیا۔

۴۔ قرآنی جواب:

یہ بات قابل توجہ ہے کہ کفار و مشرکین نے اپنی دائمی کفر والی نفسیات کے مطابق جب آیہ مذکورہ میں قرآن کے حق ہونے کو عذاب حجار اور عذاب الیم کے نزول سے مشروط کیا تو اس کے جواب میں اس آیت سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج کا جواب دیا اور اپنے محبوب ؐ کی عظمت و رفعت اور شان رحمت کو اجاگر کر دیا اور یوں حضور نبی کریم ؐ کی ذات اقدس دنیوی زندگی میں کفار و مشرکین سے بھی عذاب کے ٹلنے کا وسیلہ بن گئی۔

اس کی تائید سورۂ آل عمران سے بھی ہوتی ہے جس میں "وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ" کی ضمانت رشد و ہدایت کا باعث بن جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ" (۱) اور تم اب کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خود اللہ کے رسول ؐ موجود ہیں، اور جو شخص اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۱۔

**۵۔ایک لطیف نکتہ:**

اس آیت میں عقیدۂ رسالت کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تمھارے اندر قرآن مجید موجود ہے، بلکہ فرمایا کہ تمہارے اندر رسولؐ موجود ہیں۔ یہ بھی تو فرمایا جاسکتا تھا کہ تم کیسے کافر ہو سکتے ہو، حالانکہ تمھارے اندر قرآن بھی ہے اور رسول اللہؐ بھی موجود ہیں، مگر یہ انداز بھی اختیار نہیں کیا ۔جب اپنی کتاب کا ذکر کیا تو فرمایا کہ تمہارے اوپر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خالی کتاب کا ہونا کفر کی طرف پلٹنے سے نہیں بچاسکتا بلکہ کوئی کتاب پڑھ کر سنانے والا بھی ہونا چاہیے اور وہ میرا محبوبؐ ہے، جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور وہ خود سراپا قرآن ہیں، اس لیے قرآن حضور نبی اکرمؐ کے فرائض چہارگانہ میں سے تلاوت آیات کے فریضے کو یوں بیان کرتا ہے: ’’رَسُولاً یَتْلُو عَلَیْکُمْ آیَاتِ اللّٰہ ‘‘(۱) اور ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔

باری تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے اس حقیقت کو واضح کردیا کہ قرآن حکیم کا جو بھی فیض ملتا ہے وہ رسول اللہؐ کی تلاوت سے ملتا ہے۔ تو قرآن سے تمسک اگر رسول اللہؐ کے واسطے سے ہوگا تو فیض ملے گا ورنہ گمراہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً وَیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْراً‘‘ (۲) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ

---

۱۔ سورۂ طلاق، آیت ۱۱۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۔

ٹھہراتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

عجیب صورت حال ہے کہ وہی قرآن سب کے پاس ہوگا، مگر کچھ لوگ اس سے گمراہی حاصل کریں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "وَمَن يَعْتَصِم بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" (۱) اور جو شخص اللہ کے دامن کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا دامن کیا ہے؟ اللہ کا دامن رسول مقبول ؐ کی ذات بابرکات ہے۔ قرآن کی زبان میں حضور ؐ کی غلامی کا نام "اَلْاِعْتِصَامُ بِاللّٰهِ" ہے اللہ کے محبوب کا دامن تھام لیا جائے تو یہی الاعتصام بالله ہے اور پھر جو اللہ کے محبوب کی سیرت واسوہ میں اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے تو ہدایت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ (۲)

**ج) التوسّل بالنبی بعد وصالہ (بعد از وصال حضور نبی اکرمؐ سے توسّل)**

**۱۔ عطائے الٰہی بوسیلۂ مصطفیٰؐ:** ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا" (۳) ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان (طالبان دنیا) کی بھی اور ان (طالبان آخرت) کی بھی۔ اے حبیب مکرمؐ یہ سب کچھ آپؐ کے رب کی عطا سے ہے اور آپؐ کے رب کی عطا کسی کے لیے ممنوع اور بند نہیں ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا: "هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّهِمْ" یہ سب کچھ ان

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۱۔

۲۔ عقیدۂ توسّل، ص ۱۸۵۔ ۳۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۰۔

کے رب کے عطا سے ہے، بلکہ فرمایا: "هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ" یہ سب کچھ آپ ؐ کے رب کی عطا سے ہے۔ یعنی عطا تو بے شک رب کی ہے مگر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرا رب، کہہ کر دیتا ہوں کہ ہر ایک کا دھیان میری عطا کے بعد تیری طرف رہے۔

عام قاعدہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مذکورہ آیت میں (عطاءِ ربك) کی بجائے (عطاء ربهم) ہونا چاہیے تھا کہ بات مخلوق کی ہو رہی ہے اور لوگ اسے اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ سب کچھ ان کے رب کی عطا سے ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس آیہ کریمہ میں اس سے ہٹ کر مختلف انداز میں بات کی گئی ہے اور یہ اس لیے کہ ان سب کو معلوم ہو جائے کہ جس کو جتنا عطا ہوتا ہے اور جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اللہ کے محبوب کے رب کی عطا ہے اور انہی کے وسیلے سے ملتا ہے۔ وہ کہیں یہ گمان نہ کرنے لگیں کہ ان کو اپنے کمال اور محنت کی وجہ سے ملتا ہے بلکہ سب کو اللہ کے محبوب کے وسیلے سے عطا ہوتا ہے۔

یہاں یہ ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ان کا رب نہیں جن کی وہ مدد فرماتا ہے؟ ان کا رب بھی تو وہی ہے اور اسی لیے ان کی مدد و نصرت فرماتا ہے اور اگر ان کا رب نہ ہوتا ہے پھر وہ انہیں "کُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ" کے مصداق نہ ٹھہراتا۔ اگر وہ ان کا بھی رب ہے تو پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ "هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ" کیوں ارشاد فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں پر یہ نکتہ آشکار ہو جائے کہ یہ عطائیں تو سب اسی کی ہیں مگر ان سب کو محبوب ؐ کے رب کے واسطے سے ملتا ہے۔ تو گویا یہ آیت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

کوئی مانے نہ مانے اپنا تو یہ ہی عقیدہ ہے
خدا دیتا ہے لیکن، دیتا ہے صدقہ محمدؐ کا

یہ ہمارا عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ صحیح و مستحکم ہے۔ علاوہ ازیں (رَبِّكَ) کا کلمہ اس حقیقت کو بھی آشکار کر رہا ہے کہ جس طرح رب العالمین ایک ہے اسی طرح اس کا اصل میں محبوب بھی ایک ہی ہے اور وہ حضورؐ کی ذات گرامی ہے۔ اس لیے حضور اکرمؐ کی ذات اقدس اللہ رب العزت کے سارے فیضان ربوبیت کا اجمال ہے اور تمام کائنات اس اجمال (حضور نبی اکرمؐ) کی تفصیل ہے۔

## ۲۔ ایک تمثیل سے وضاحت:

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے: جیسے کوئی شخص باہر سے آئے اور اپنے بچے کے لیے ایک تحفہ لائے، لیکن ساتھ اپنے بیٹے کے دوستوں کے لیے بھی تحائف لائے اور پھر یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے کہ باپ اپنے بیٹے کے لیے تحائف لانے کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں کو بھی تحائف سے نوازتا ہے۔ اگر اس امر کے دوام پکڑنے سے اس کے بیٹے کے دوست یہ سمجھنے لگیں کہ شاید یہ ہمارا حق ہے اور ہمیں ہماری ہی کسی خوبی کی وجہ سے تحفوں کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ان کے اس گمان باطل کو دور کرنے کے لیے ایک دن لڑکے کا باپ اپنے بیٹے کے دوستوں کو جمع کر کے کہے کہ بے شک میں تمہیں تحائف دیتا ہوں، مگر ذہن میں رکھ لو کہ تمہیں اس لیے دیتا ہوں کہ تم میرے بیٹے کے دوست ہو اور اگر چاہتے ہو کہ میری داد و دہش کا سلسلہ جاری رہے تو پھر میرے بیٹے کے ساتھ اپنے تعلق دوستی کو قائم رکھو اور اگر اس تعلق کو توڑ کر اسے درمیان سے ہٹا دو گے تو یہ سلسلہ عطا بند ہو جائے گا۔

بلا تشبیہ و بلا مثال اس آیت مبارک میں بھی اللہ پاک یہی نکتہ سمجھا رہا ہے کہ بلا شبہ ہر ایک کو ہم ہی نوازتے ہیں، ہر ایک کی ہم ہی مدد کرتے ہیں مگر میرے فیضان ربوبیت کا پہلا مظہر اور میرے لطف و کرم کا پہلا مرکز و محور میرا محبوب ﷺ ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی تمہیں دیتا ہوں وہ اس وجہ سے ہے کہ میں ربّ محمد ﷺ ہوں۔ لہٰذا ہمہ وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہر عطا ربّ محمد ﷺ کی عطا ہے۔ اگر لوگ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ عطا قائم رہے تو اس دامن کو تھامے رکھیں، اس مرکز سے ربط قائم رکھیں۔ اگر یہ ربط قائم رہا تو اس نسبت کے توسّل سے سلسلہ عطاء جاری رہے گا۔ جس دن یہ ربط ٹوٹ گیا سمجھ لینا کہ سلسلہ عطا بھی بند ہو گیا۔ پھر در بدر بھٹکتے پھرو گے گلی گلی خاک چھانتے پھرو گے، مگر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پس اس نکتے کو ذہن نشین کر لو کہ دیتا ضرور ہوں لیکن ربّ محمد ﷺ ہو کر دیتا ہوں۔ گویا کہ یہ نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ عطا اللہ تعالیٰ کی ہے مگر مرکز تقسیم مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے اسی نکتے کو کیا خوب انداز سے اجاگر کیا ہے:

بخدا! خدا کا یہی ہے در نہیں اور مفرّ مقرّ
جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں، تو وہاں نہیں

اس آیہ کریمہ پر غور کرنے سے ایک اور لطیف نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ "هٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ" میں اللہ ربّ العزّت اپنی ربوبیت کا اظہار نسبت نبوت کے ذریعے کر رہا ہے اور یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ رب تعالیٰ نسبتوں کا محتاج نہیں۔ وہ شان صمدیت کا مالک ہے، وہ بے نیاز ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ربوبیت کو نسبت نبوت سے متعارف کرا رہا ہے۔ اس سے منشائے ایزدی یہ ہے کہ

لوگ اللہ کو رب مانیں، اللہ کی ربوبیت پر ایمان لائیں، مگر براہ راست اپنے ذرائع سے اور اپنی مساعی سے رب کو رب ماننے کی بجائے اسے ربّ محمدؐ سمجھ کر مانیں، کیوں کہ اس نسبت کے علاوہ معرفت خداوندی کا حصول ممکن نہیں ہی ہے۔ قرآن مجید میں جن جن مقامات پر اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت کا اظہار فرمایا، اسے نسبتِ نبوت کے ذریعے بیان کیا۔ ارشاد ہوتا ہے "فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ" (۱) پس (اے حبیبؐ!) آپؐ کے رب کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپؐ کو حاکم بنالیں۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضورؐ کو وصال فرمائے تو چودہ صدیاں گزر گئیں تو کیا آج بھی حضورؐ کے توسط اور نسبت سے ملتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ عالم الغیب ہے "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ "شان کا مالک ہے وہ تو ہر بات کو احاطۂ خیال میں آنے سے بھی پہلے جانتا ہے۔ ربّ العزّت نے اس کا جواب بھی دے دیا ہے فرمایا: کہ جو پہلے گزرے ہیں وہ بھی جان لیں پیغمبر گرامی اسلامؐ کی اس ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک جتنی نسلیں بھی امت مسلمہ کی آئیں گی، جتنے طبقات اور مختلف زمانوں میں جتنے لوگ آئیں گے، ان کو بھی اسی بارگاہ سے ملے گا "وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا" (۲) اور آپؐ کے رب کی عطا کسی کے لیے ممنوع اور بند نہیں ہے۔

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۶۵۔ ۲۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۰۔

آج اگر ہم ایمان کی شمع روشن کرنا اور ایمان کی لذت وحلاوت پانا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ تعلق باللہ کو مضبوط تر کر لیا جائے۔ اس لیے کہ جس طرح پہلے لوگوں نے اللہ کی عطا کو نسبت محمدیؐ سے پایا ہے، ہم بھی رب کی عطا کو نسبت مصطفویؐ کے حوالے سے یقینی طور پر جاری وساری رکھ سکتے ہیں اور اسی نسبت کا استحکام ہمارے سینوں میں ایمانی شمعوں کو روشن رکھے گا۔ یہ آیۂ کریمہ اس تصور کو بھی واضح کر رہی ہے کہ ایمان کا مرکز نسبت وربطِ رسالت کی استواری ہے اور اسی سے اللہ کی عطاؤں کا سلسلہ قائم رہتا ہے، تعلق باللہ کی بنیاد نسبت وتعلق بالرسالت ہی ہے۔ ارشاد ربّ کریم "ھٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ" توحید ورسالت کے باہمی تعلق کو بھی آشکار کر رہا ہے۔ یعنی انسان اگر ربط رسالت کو مضبوط کرے تو اللہ کی بندگی کا تعلق بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ (۱)

## ۳۔ مغفرت بوسیلۂ مصطفیٰؐ:

اللہ جلّ شانہٗ کے نزدیک حضور نبی کریمؐ کا مقام ومرتبہ بڑا ہی عظیم ہے۔ آپؐ کی عظمت اور عالی مرتبت ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح آپؐ کی حیات ظاہری میں آپؐ سے توسّل جائز تھا اسی طرح بعد از وصال بھی مشروع ہے۔ کوئی شرعی وعقلی دلیل ایسی نہیں جو بعد از وصال آپؐ سے توسّل پر مانع ہو۔ قابل فہم بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے اعمال کو بارگاہِ ایزدی میں وسیلہ بنانا جائز سمجھتے ہیں تو پھر نبی کریمؐ کی ذات اقدس کو بارگاہ الٰہی میں بطور وسیلہ پیش کرنا

.... ..... .... .... .... .... ...

ا۔ عقیدۂ توسّل، ص ۲۱۵۔

بطریق اولیٰ جائز ہے، کیوں کہ ہم آپؐ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرتے ہوئے جو نیک اعمال کرتے ہیں وہ سنت رسولؐ کہلاتے ہیں۔ جب سنت سے توسّل جائز ہوا تو اس ذات سے کیوں جائز نہیں، جنہوں نے ہمیں یہ سنت عطا کی ہے۔ آپؐ بلا شبہ تمام مخلوقات میں سے افضل ترین ہیں اور ہمیں نیک اعمال کی ہدایت بھی تو آپؐ کے وسیلے سے نصیب ہوئی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارے نزدیک صحیح عقیدہ یہی ہے کہ جب ہم آپؐ کی ذات گرامی یا دیگر نیک اعمال کو یا اللہ کے محبوب اولیاء اور صالحین کو وسیلے بناتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں ہم ہرگز ان کو اللہ کا شریک اور برابر نہیں سمجھتے۔

اعمال و ذات تو صرف متوسّل بہ ہے، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ متوسّل الیہ ہے۔ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور کوئی رسول یا نبی، ولی اور کوئی زندہ یا مردہ اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں ۔ وسیلے کی تمام صورتوں میں متوسّل الیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ہر کسی کی دعا و پکار کو براہ راست سن لے اور وسیلے کے بغیر بھی دعا قبول فرمالے مگر وسیلے سے قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے ان پاک ہستیوں کا وسیلہ پکڑ کر فی الواقع اسی سے دعا کرتے ہیں اور اسی کو پکارتے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ وہ ذات، وہ مالک حقیقی ستودہ صفات اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین مخلوق اور پسندیدہ اعمال کے وسیلے سے ہماری دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت سے نوازے گا اور ہماری مشکلات و پریشانیوں کو دور کرے گا اور ہماری حاجات پوری فرمائے گا۔

"وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ

لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا" (سورۂ نساء، آیت ۶۴) اور (اے حبیبؐ) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلے اور شفاعت کی بناپر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔(۱)

### ۴۔آج مدد مانگ ان سے:

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ آپؐ سے توسّل کے خلاف دلائل کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور من گھڑت طریقوں سے صحیح اور ثقہ روایات کو ضعیف اور بے اصل قرار دینا سب بے فائدہ کوشش ہے۔کیوں کہ آپؐ کے ارشادِ گرامی ''حَيَاتِيۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ وَمَمَاتِيۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ'' (۲) میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔اس کے تحت فیضان مصطفٰےؐ آج بھی اسی طرح جاری وساری ہے جس طرح کہ ظاہری حیات طیبہ میں تھا۔اور ابھی ہم نے اس صحیح الاسناد حدیث کو بھی بیان کیا، جس میں روز قیامت آپؐ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے تو عمل حساب وکتاب شروع ہوگا۔

تو معلوم ہوا کہ توسّل اور استغاثہ ایک ایسا عمل ہے، جو ابتدا سے لے کر روز قیامت تک جاری وساری ہے اور اس روز تو جواز توسّل پر سب کا اجماع ہو جائے گا۔لطیف نکتہ یہ ہے کہ عالم انسانیت کی پہلی ہستی سیدنا حضرت آدمؑ سے جب لغزش

۱۔عقیدۂ توسّل،ص۳۲۲۔

۲۔بحار الانوار، جلد۲۳، ص ۳۴۹، باب ۲۰ عرض الاعمال علیھم وانھم الشھداء علی الخلق، عقیدہ توسّل،ص۲۶۶۔

ہوئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں حضرت محمد مصطفٰےؐ کو بطور وسیلہ پیش کیا اور ان کی لغزش معاف ہوئی۔ اپنی لغزش کی وجہ سے وہ جس کرب و پریشانی میں مبتلا تھے، انہیں اس وسیلۂ جلیلہ سے نجات ملی اور یوم آخرت بھی جب اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہوگا اور حساب و کتاب کے شروع نہ ہونے کی وجہ سے اولین و آخرین پریشان ہوں گے، تب بھی انہیں نجات ہمارے آقا حضرت محمدؐ کے وسیلے سے ملے گی

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ انؐ سے
کل نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

## اہل سنت کی کتابوں سے چند اہم روایات

۱) جناب سمہودی اور توسّل: سمہودی، اہل سنت کے معروف عالم دین شافعی مسلک سے تعلق ہے۔ متوفی ۹۱۱ھ، انہوں نے کتاب ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ'' میں یوں تحریر کیا ہے: ''اَلْفَصۡلُ الثَّالِثُ فِیۡ تَقَسّلَ الزَّائِرِ وَ تَشۡفَعَهُ بِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلٰی رَبِّهٖ تَعَالٰی'' (۱) (تیسرا باب زائر کے توسّل کے بارے میں ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور شفیع قرار دینا رب ذوالجلال کے حضور) اس حوالے سے سمہودی نے جو گفتگو کی ہے، اس کا ماحصل یہ ہے۔ جان لو، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کرنا نیز ان کے مقام ومنزلت کو بارگاہ الٰہی میں شفیع قرار دینا انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے اور تمام حالات میں سابقہ صالحین کی سیرت رہی ہے۔ چاہے آپؐ کی حیات میں ہو اور چاہے آپؐ کے وصال کے بعد۔ عالم برزخ میں ہو یا میدان محشر میں۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت سے پہلے بھی آپؐ سے توسّل اور آپؐ سے شفاعت طلب کرنا انبیائے عظامؑ کی سیرت تھی۔

پھر کہتے ہیں اس باب میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں اور ہم چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے حاکم نے عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام نے ترک اولیٰ کیا تو مقام توبہ میں آ کر یوں دُعا کی'' يَا رَبِّ اَسۡئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا

۱۔ وفاء الوفاء، ج ۴، ص ۱۳۷۱۔

غَـفَـرْتَ لِیْ " پروردگارا! محمد کی عظمت کا واسطہ تو مجھے بخش دے۔ خداوند متعال نے فرمایا اے آدمؑ، تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا، جب کہ میں نے اُنہیں خلق نہیں کیا ہے؟ آدمؑ نے عرض کی، پروردگار جب تیری مقدس ذات نے مجھے خلق فرمایا اور اپنی روح میرے وجود میں پھونکی، اس وقت میں نے عرش کی طرف نظر دوڑائی میں نے دیکھا وہاں یہ کلمات تحریر ہے " لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ محمدؐ تیرے پاس سب سے زیادہ محبوب ہیں، اسی لیے اپنے نام کے ہمراہ ان کے نام کا بھی ذکر کیا ہے۔ فرمایا: اے آدمؑ! تم نے بالکل صحیح کہا، وہ میرے پاس تمام مخلوقات سے محبوب ہیں، چونکہ تم نے اُس کے حق کو واسطہ قرار دیا ہے۔ پس میں نے تمہیں بخش دیا۔ اگر محمدؐ نہ ہوتے تو تمہیں خلق نہ کرتا (۱) یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی توسّل کی طرف اشارہ ہے، روضۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام مالک اور منصور دوانیقی کا واقعہ مشہور ہے جب بنی عباس کا دوسرا خلیفہ منصور حج کے لیے گیا اور مرقد مطہر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، اُس وقت امام مالک (مالکی فرقے کے سربراہ) نے زیارت کے دوران منصور سے مخاطب ہو کر کہا: اے امیر! یہ حرم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اپنی آواز کو آہستہ کرلو۔ پروردگار عالم نے لوگوں کو ادب سکھانے کی خاطر فرمایا ہے "لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" (۲) یعنی تم اپنی آوازوں کو رسول خداؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور

..........

۱۔ وفاء الوفاء، ج ۴، ص ۱۳۷۱، ۱۳۷۲۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۸۱، حدیث ۳۳ تفسیر مجمع البیان سورۂ مائدہ، آیت ۳۷　　　۲۔ حجرات، آیت ۲۔

ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے جو اپنی آوازوں کو آہستہ رکھتے ہیں، فرمایا ''إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ'' (۱) اسی طرح دوسرے گروہ کی مذمت کی ہے، جو ادب کی رعایت نہیں رکھتے ہیں، فرمایا: ''إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۲) تحقیق وہ لوگ جو تمہیں حجروں کی پشت سے آواز لگاتے ہیں ان کی اکثریت صاحب عقل نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کا خیال رکھنا وصال کے بعد بھی اتنا ہی ضروری ہے جس طرح ان کی حیات طیبہ میں ضروری تھا۔ منصور اس جملے سے خاضع اور متنبہ ہو گیا۔ پھر امام مالک سے کہا: اے ابا عبد اللہ! (مالک کی کنیت تھی) کیا دُعا اور خدا کو پکارتے وقت قبلے کی طرف رخ کروں۔۔۔؟ یا رسول خداؐ کی طرف امام مالک نے کہا۔ ''لِمَ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَلْ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهِ فَيُشَفِّعُكَ اللّٰهُ تَعَالَى، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُوكَ'' رسول خداؐ سے کس لیے رخ کو پھیرتے ہو، جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا قیامت کے دن خدا کے حضور وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم ان کی طرف رخ کرتے ہوئے اُنؐ کو بارگاہ الٰہی میں شفیع قرار دو، تا وقتیکہ خداوند متعال اُنؐ کی شفاعت سے تمہیں قبول کرے، کیوں کہ خدا کا ہی فرمان ہے ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ

۱۔ سورۂ حجرات، آیت ۳۔ ۲۔ سورۂ حجرات، آیت ۴

ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا، (۱) جب وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے (گناہوں کے مرتکب ہو جاتے تھے) تو وہ لوگ تمہارے پاس آتے تھے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے تھے اور ان کے لیے رسولؐ بھی طلب مغفرت کرتے تھے۔ بے شک انہوں نے خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پایا۔ (۲)

اگر امام مالک کی روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں قیامت کا ذکر ہوا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے دشوار ترین منزل روز قیامت ہے۔ وہاں پر انسان کو بہت ہی مشکلات و مصائب کا سامنا ہوگا اور دائمی ہلاکت و ہمیشگی کا عذاب ہے۔ بنا برایں اس پر خطر موقع پر وسیلہ اور شفاعت انسان کے لیے نجات کا باعث بنتی ہے اور یہ طبعی بات ہے کہ پست ترین مواقع پر یعنی دنیا اور برزخ میں اور وہ بھی چھوٹی حاجات اور معمولی بلاؤں کو دفع کرنے کے لیے نجات کا راستہ جلدی اور آسان تر ہوگا۔

بنا برایں امام مالک منصور کو دنیا کے سلسلے میں توسّل کی طرف رغبت دلا رہے ہیں اور رسول خداؐ کو آخرت کے لیے وسیلہ قرار دینے کے لیے دلائل لاتے ہوئے قبر مطہر کے استقبال اور آنحضرتؐ کو شفیع قرار دینے کا حکم دیتے ہیں، یعنی آپؐ دنیا اور برزخ میں تمہارا اور تمہارے باپ آدمؑ کا وسیلہ ہیں بلکہ روز قیامت اور اس وحشت کے عالم میں بھی آدمؑ اور ان کی اولاد کے لیے عظیم خطرات سے نجات

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۶۴ ۲۔ وفاء الوفاء، ج ۴، ص ۱۳۷۶، کشف الارتیاب، ص ۳۱۷۔

دلانے اور کامیابی و کامرانی کے عظیم مدارج پر فائز ہونے کے لیے وسیلہ ہیں۔اسی طرح بطور شواہد آیۂ مجیدہ "وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ۔۔۔۔" قبر مطہر کی طرف ترغیب دلانا نیز آپؐ سے توسّل اور طلب شفاعت کرنا صرف آپؐ کی حیات تک مختص ہوتا یا آپؐ کو صرف روز قیامت اور محشر میں وسیلہ بنانا مقصود ہوتا تو غیر ضروری تھا کہ امام مالک منصور کو متوجہ کرانے کے لیے آپؐ کی قبر مطہر اور آپؐ کی روح مقدس جو عالم برزخ میں ہے، کی طرف اشارہ کرتے، جبکہ رسول خداؐ کو قیامت میں وسیلہ قرار دینے کے لیے اس آیۂ مجیدہ سے استدلال کرنا جو آپؐ کی دنیوی حیات سے مربوط ہو اہمیت کی بات ہے۔ بنا بر ایں ابن تیمیہ کا اعتراض (۱) (روایت کو روز قیامت کے ساتھ مقید کرنا) مخدوش ہے۔

**۲) حضرت سواد بن قارب اور توسّل:** حضرت سواد بن قارب نے جو اصحاب میں سے تھے، رسول خداؐ کے حضور طلب شفاعت اور توسّل کے موضوع پر ایک قصیدہ پڑھا اور اس میں کہا: وَاَنَّكَ اَدۡنَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَسِيۡلَةً

اِلَى اللّٰهِ يَا بۡنَ الۡاَكۡرَمِيۡنَ الۡاَطَائِبِ

وَكُنۡ لِيۡ شَفِيۡعاً يَوۡمَ لَاذِيۡ شَفَاعَةٍ

بِمُغۡنٍ فَتِيۡلاً عَنۡ سَوَادِ بۡنِ قَارِبِ

اے رسول معظمؐ! آپؐ رسولوں کے درمیان سب سے نزدیک ترین وسیلہ ہیں خدا تک پہنچنے کا۔اے وہ ہستی جو ان کے فرزند ہیں جو صاحب عزت

---

۱۔ التوسّل والوسیلۃ، ص ۶۸۔

اور پاکیزہ تھے۔ میرے لیے شفیع بن جائیں جس دن کوئی شفاعت کرنے والانہیں ہوگا۔ اُس دن کم ترین بلا کو بھی سواد ابن قارب سے دفع کرنے پر کوئی قادر نہیں ہوگا۔(۱)

چنانچہ مسلّم ہے وہ صحابی پیغمبر جس نے رسول خداؐ کو وسیلے سے تعبیر کیا ہے اور آنحضرتؐ سے شفاعت کا متقاضی بھی ہے۔ نیز رسول خداؐ نے بھی اس کے توسّل اور طلبِ شفاعت کو اپنی خاموشی سے تائید فرمائی اور دستخط فرمائے۔

۳) حضرت رسول اکرمؐ کے نام پر باران رحمت: ایک صحرائی بادیہ نشین نے رسول خداؐ کے پاس آکر چند اشعار پڑھے جن میں آنحضرتؐ کو نزول بارش کے لیے وسیلہ قرار دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اَتَیْنَاكَ وَالْعَذْرَاءِ یُدْمَیٰ لَبَانُها

وَقَدْ شُغِلَتْ اُمُّ الصَّبِیِّ عَنِ الطِّفْلِ

آپؐ کے حضور آیا ہوں اس عالم میں کہ پیاس کی شدت سے اس باکرہ بچی کے سینے سے خون جاری ہے، ماں بچے سے غافل ہوگئی ہے۔

وَلَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْكَ فِرَارُنَا

وَاَیْنَ فِرَارُ الْخَلْقِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

اور ہمارے لیے تیرے حضور فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مخلوقات خداوندی کا فرار انبیاء مرسلینؑ کے علاوہ کہاں ممکن ہے۔(۲) اس گفتگو میں بطور صراحت رسول خداؐ سے متوسّل ہوا ہے اور بطور آشکار

۱۔ کشف الارتیاب، ص۳۱۰، نقل از طبرانی در کبیر، توسّل، ص۱۴۱۔

۲۔ کشف الارتیاب، ص۳۱۰، نقل از بیہقی۔

رسول خداؐ اور دیگر انبیاءؑ کی طرف متوجہ ہونے اور اپنے عرائض کو بیان کرنے کے لیے عقیدہ رکھنے کا درس ملتا ہے، نیز مشکلات اور مصائب میں بھی انہی ہستیوں کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ رسول خداؐ نے اس دیہاتی شخص کی ان اشعار کے کہنے پر مذمت نہیں کی بلکہ اسی روایت میں یہ دیکھنے کو بھی ملتا ہے کہ ان اشعار کو سننے کے بعد حضورؐ اپنی جگہ سے اٹھے اس حالت میں کہ آپ انتہائی حزن واندوہ کے ساتھ اپنی عبا کو زمین پر کھینچتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے، اور خطبہ دینے کے بعد اُس کے حق میں دعا کی۔ اور بارگاہ الٰہی میں دعا و مناجات کی۔ آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش کا نزول ہوا۔(۱)

۴) نبی مکرمؐ کی دعا اور باران: اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں اس کے ذیل میں نقل کیا ہے: رسول خداؐ کی دعا سے آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش کا نزول ہوا، اس وقت آں حضرتؐ نے فرمایا: "لَوْ كَانَ اَبُوْ طَالِبٍ حَيًّا لَقَرَّتْ عَيْنَاهُ، مَنْ يُنْشِدُنَا قَوْلَهُ" یعنی اگر ابوطالبؑ ابھی زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں میری دعا کی وجہ سے بارش کے نزول کو دیکھ کر روشن ہو جاتیں، کیا تم میں سے کوئی ہے کہ ان کی گفتار کو ہمارے لیے بیان کرے؟ امام علی علیہ السلام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! شاید آپ کا مقصود ان کے یہ اشعار ہیں۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

۱۔ کشف الارتیاب، ص ۳۱۰۔

۲۔ کشف الارتیاب، ص ۳۱۱، عقیدہ توسل، ص ۲۰۰، صحیح بخاری، جلد ۱، ص ۱۳۷، سنن ابن ماجہ، جلد ۱، ۹۱، ۹۲۔ مسند احمد بن حنبل، جلد ۲، ص ۹۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد ۶، ص ۱۴۲، ۱۴۳۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد ۳، ص ۳۵۲۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد ۴، ص ۴۷۱، ۴۷۲۔ تحفۃ الاشراف، جلد ۵، ص ۳۵۹، حدیث ۶۷۷۵۔ عمدۃ القاری، جلد ۷، ۲۹، ۳۰۔ فتح الباری، جلد ۲، ص ۴۹۴)

اور کبھی سفید چہرے اور نورانی شخصیت کے طفیل بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے، اور ان کی صفت یہ ہے کہ وہ یتیموں کے فریادرس، کمزوروں کے نگہبان اور بیواؤں کے سرپرست ہیں۔ رسول خداؐ نے ان اشعار کو سننے کے بعد خوشی کا اظہار فرمایا نیز رضایت و سرخوشی کے آثار رخسارِ مبارک پر نمایاں ہوگئے۔(۱)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ طلب باران کے لیے رسول خداؐ کی عظمت کو واسطہ قرار دینا توسّل کے مصادیق میں سے ایک روشن مصداق ہے۔ نیز مشکلات و مصائب کے مواقع پر رسول خداؐ کی طرف متوجہ ہونا آپؐ کی رضایت اور پروردگار عالم کی خوشنودی کا سبب ہے۔ اگرچہ ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کے لیے ناگوار گزرے اور اس کو کفر و شرک سے تعبیر کریں۔

۵) **حضرت عمر اور توسّل:** حضرت عمر نے جناب عباس، رسول خداؐ کے چچا کو طلب باراں کے لیے وسیلہ قرار دیا اہل سنت کی کتابوں میں ذکر ہے کہ جب بھی خشک سالی اور قحط کا شکار ہو جاتے تھے تو حضرت عمر، جناب عباس ابن عبدالمطلب کو درگاہ الٰہی میں واسطہ قرار دے کر طلب باراں کے لیے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے۔

" اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا قَحَطۡنَا تَوَسَّلۡنَا اِلَیۡکَ بِنَبِیِّنَا(ص) فَتَسۡقِیۡنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیۡکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا(ص) فَاسۡقِنَا "(۲) یعنی پروردگارا ہم پچھلے زمانے میں جب بھی قحط سالی کا شکار ہو جاتے تھے تو

۱۔ کشف الارتیاب، ص ۳۱۰ تا ۳۱۱۔

۲۔ سمہودی، وفاء الوفاء، ج ۴، ص ۱۳۷۵۔ شبہائے پیشاور، ص ۲۲۸۔

اپنے رسولؐ سے متوسّل ہوجاتے تھے،اور تیری ذات ہمیں سیراب فرماتی تھی۔اوراب رسول خداؐ کے چچا سے متوسّل ہوتے ہیں اوراُن کوواسطہ قراردے کر تجھ سے طلب باران کرتے ہیں۔اب ہمیں سیراب کردے۔

۶) **حضرت عمر کا طلبِ باراں کے لیے توسّل:** دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر یوں دعا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ وَ نَسْتَشْفِعُ اِلَیْکَ بِشَیْبَتِہٖ" (۱)اے خدا ہم رسول خداؐ کے چچا کے واسطے سے تیری مقدس ذات سے طلب باراں کرتے ہیں نیز اُن کے سفید بالوں کو تیرے حضور وسیلۂ شفاعت قرار دیتے ہیں۔

۷) **حضرت عائشہ اور توسّل:** مزید برآں سمہودی نے بیان کیا ہے رسول خداؐ کے وصال کے بعد مدینے میں شدید قحط پڑا اور لوگ خشک سالی کا شکار ہوگئے۔لوگوں نے رسول خداؐ کی شریک حیات حضرت عائشہ سے شکایت کی اوران سے چارہ جوئی کے لیے کہا۔انہوں نے کہا قبر رسولؐ کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور قبر مطہر کی چھت سے آسمان کی طرف ایک روشن دان نکالو تاکہ قبر مطہر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوجائے۔اس حکم پر عمل کیا گیا جس کے نتیجے میں طوفانی بارش کا سلسلہ شروع ہوا سبزے اُگنے لگے اور اونٹ طاقتور ہونے لگے۔پھر سمہودی نے زین المراغی سے نقل کیا ہے کہ خشک سالی اور قحط کے مواقع پر قبر رسول اکرمؐ سے روشن دان نکالنا اب بھی اہل مدینہ میں مروج ہے۔ایسے موقع پر قبلے کی طرف قبے کے نیچے ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔اگرچہ قبر مطہر اور آسمان کے درمیان چھت حائل ہے۔(۲)

---

۱۔ وفاء الوفاء، ج۴، ص۱۳۷۵۔ شبہائے پشاور، ص۲۲۸۔

۲۔ وفاء الوفاء ج۱، ص۵۶۰۔

بہر حال یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول خداؐ کے وصال کے بعد آپ سے متوسّل ہونا نیز مشکلات و مصائب کے مواقع پر روضہ رسولؐ کی طرف رخ کرنا صدر اسلام سے ہی امت مسلمہ کی ایک بہترین سیرت رہی ہے۔ اور ان کی نظر میں یہ عمل توحید اسلامی کے ساتھ کوئی تضاد نہیں رکھتا تھا۔

۸) **حضرت عمر اور توسّل:** ابن عبد البر مالکی نے اپنی کتاب استیعاب میں ذکر کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں قحط کا شکار ہو گئے۔ اس دوران ایک شخص نے (۱) قبر رسول خداؐ پر آ کر کہا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَكُوْا'' اے رسول خداؐ اپنی امت کے لیے طلب باران کریں وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ ان کلمات کے ذریعے رسول خداؐ سے متوسّل ہوئے اور کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا وہ شخص حضرت بلال بن حرث تھے۔ (۲)

۹) **حضرت ابوبکر اور توسّل:** کتاب ''شرح دلائل الخیرات'' میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر رسول خداؐ کی قبر مطہر پر آ کر کہتے تھے ''یَا مُحَمَّدُ (ص) اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ'' اے محمدؐ ۔۔۔! میں آپؐ سے متوسّل ہوتا ہوں (۳) یعنی رسول خداؐ سے متوسّل ہونا اور قبر مطہر پر حاضری دینا حضرت ابوبکر کی عادت تھی اور بار بار ایسا کرتے تھے۔

۱۰) **حضرت عثمان اور توسّل:** طبرانی نے اپنی کتاب کبیر میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص کسی ضروری کام سے حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا اور چند مرتبہ ان کے دروازے پر حاضری

......

۱۔ الدعوۃ الاسلامیہ، جلد ۲، ص ۲۰۷۔

۲۔ الدعوۃ الاسلامیہ، جلد ۲، ص ۲۰۷۔ ۳۔ الدعوۃ الاسلامیہ، ج ۲، ص ۲۰۷۔

دی۔لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔اور اس کی باتوں کو نظر انداز کیا۔ایک دن اُس شخص کی ملاقات حضرت عثمان ابن حنیف صحابی رسولؐ سے ہوئی۔انہوں نے ان کے سامنے حضرت عثمان ابن عفّان کی شکایت کی۔ابن حنیف نے کہا۔جا کر وضو کرو اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اس طریقے سے دعا کرو:"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ(ص) نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلیٰ رَبِّکَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ "اے پروردگار۔۔۔میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔۔۔اور پیغمبر رحمت محمدؐ کے وسیلے سے تیری طرف رخ کیا ہے،اے محمدؐ۔۔۔! میں نے آپؐ کے وسیلے سے آپؐ کے پروردگار کی طرف رخ کیا ہے کہ میری حاجت برآوردہ ہو جائے اور اپنی حاجت کو بیان کروں۔اس شخص نے اس کے کہنے پر عمل کیا پھر اس کے بعد حضرت عثمان بن عفّان کے پاس آیا جب وہ دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ محافظ اسے حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔حضرت عثمان کی مسند پر انہیں بھی بٹھادیا۔حضرت عثمان نے اس کی حاجت کے بارے میں سوال کیا اور اس سے مخاطب ہوکر کہا، جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو ہمارے پاس آکر بیان کرنا،مطلب پورا ہونے کے بعد وہ شخص ابن حنیف کے پاس گیا اور ان سے کہا،خدا تمہیں اجر جزیل عنایت کرے تم نے عثمان کے پاس میری سفارش کی تھی۔ابن حنیف نے کہا خدا کی قسم میں نے عثمان کے پاس تمہاری کوئی سفارش نہیں کی تھی سنو،میں ایک دن رسول خداؐ کی محفل میں تھا،اتنے میں ایک نابینا شخص نے آکر اپنی بینائی کے متعلق شکایت کی۔رسول خداؐ نے فرمایا۔اگر تم چاہتے ہو تو تمہاری بینائی کے لیے دعا کروں گا ورنہ صبر کرو اور اسی نابینائی کو بخوشی قبول کرو۔تا کہ اللہ تعالیٰ

تمہیں اجر عظیم عطا کرے گا اس نے کہا، میرا کوئی بھی نہیں جو میرے ہاتھوں کو پکڑے، میرے لیے جینا مشکل ہوا ہے۔اس موقع پر رسول خداؐ نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا، پہلے جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز بجالانے کے بعد ان کلمات کے ذریعے خدا سے دعا مانگو "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ(ص)" (وفاء الوفاء، ج۴،ص ۱۳۷۳اور کشف الارتیاب،ص ۳۱۱)ابن حنیف کہتے ہیں، خدا کی قسم ابھی ہم حضورؐ کی خدمت میں مشغول گفتگو تھے،اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے کہ وہی شخص داخل ہوا جبکہ اس کی بینائی لوٹ چکی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ کبھی نابینا نہیں تھا۔

اس روایت سے تین نتیجے اخذ کرتے ہیں:

**الف)** رسول خداؐ سے متوسّل ہونا اور شفاعت طلب کرنا ان کی حیات میں جیسا کہ نابینا شخص نے اس پر عمل کیا۔

**ب)** رسول خداؐ کی رحلت کے بعد بھی آپؐ سے متوسّل ہونا اور شفاعت طلب کرنا جیسا کہ حاجت مند شخص نے ابن حنیف کے کہنے پر عمل کیا اور اس کی حاجت برآوردہ ہوئی۔

**ج)** رسول خداؐ کو چاہے ان کی حیات میں یا وصال کے بعد ان سے حاجت کو طلب کرنا جیسا کہ یہ جملہ "يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِی"

یہ ہمارے مدعا پر دلیل ہے، بالخصوص "اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِی" کے جملے پر غور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ابن تیمیہ نے اس روایت میں ان تقضی حاجتی کا جملہ بھی

نقل کیا ہے اور یہ مخاطب کا صیغہ ہے جو رسول خداؐ سے ہی حاجت برآوردہ ہونے کے لیے درخواست ہے۔(۱)

ان روایات کو اہل سنت کی کتابوں سے نقل کرنے کا مطلب مدّ مقابل کو جدل کے ذریعے ان کی روایات منقولہ اور مقبولہ کا بیان کرنا ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ قصیمی اپنی کتاب "الصّراع بین الاسلام والوثنیہ" میں جدّت کے ساتھ اور علیٰ الاعلان لکھتا ہے کہ توسّل یا شفاعت اور رسول خداؐ سے حاجت کو طلب کرنے کے حوالے سے کوئی بھی روایت موجود نہیں ہے، نہ کوئی صحیح اور نہ کوئی ضعیف روایت موجود ہے۔اس کی عین عبارت یہ ہے کہ "فَمَا جَآءَ لَا بِسَنَدٍ صَحِيۡحٍ وَّلَا ضَعِيۡفٌ اِنَّ اَحَدًا مِنَ الصَّحَابَةِ قَالَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ" (۲) یعنی کوئی بھی روایت نہیں آئی ہے نہ صحیح اور نہ ضعیف جس میں کسی صحابی رسولؐ نے رسول خداؐ سے کہا ہو ہماری حاجتوں کے بارے میں ایسا کرو ویسا کرو۔جب کہ اس حوالے سے اہل سنت کے ہاں تواتر کے ساتھ احادیث موجود ہیں اور ہم نے بطور مثال چند روایات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

## (۱۱) مقربین الٰہی کی محبت وسیلے سے عبارت ہے:

اللہ کے بندوں سے محبت کی وجہ سے متوسّل بارگاہ الٰہی میں اپنا ہی عمل پیش کرتا ہے کہ اے مولا کریم! مجھے جو تیرے پیارے حبیبؐ سے محبت ہے اور آپؐ کی آل اطہارؑ اور اولیاء و صلحاء سے محبت ہے، اپنے اس عمل محبت کا واسطہ اور وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے۔گویا اللہ کے بندوں

ا۔التوسّل والوسیلۃ ابن تیمیہ، ص۹۲ تا ۹۸۔ ۲۔الدعوۃ الاسلامیہ، ج۲، ص۲۰۴۔

کی محبت دعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ بن جاتی ہے اور بلا شبہ محبوبان الٰہی کی محبت جہاں امر الٰہی کی تعمیل ہے وہاں بہت بڑا عمل صالح بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ :اِنَّ اللّٰهَ اِذَا أَحَبَّ عَبْدًا، دَعَا جِبْرِیْلَ ؑ ،فَقَالَ : اِنِّیْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ ۔ قَالَ : فَیُحِبُّهُ جِبْرِیْلُ ۔ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ ، فَیَقُوْلُ : اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَآءِ ۔ قَالَ : ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ۔ "(۱) رسول اللہ ؐ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے :میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو سو جبرئیل ؑ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر جبرئیل ؑ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی فلاں سے محبت کرو، پھر آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں ۔پھر اس کی محبت کو زمین (یعنی دنیا میں ) اتار دیا جاتا ہے۔(۲)

## (۱۲) روزِ محشر محبّ و محبوب کی باہمی قربت:

حقیقی محبت وہ عمل صالح ہے، جو محبّ کو محبوب کی قربتوں کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے "جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ؐ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی قِیَامُ السَّاعَةِ ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ ؐ اِلَی الصَّلٰوةِ ، فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَهُ ، قَالَ : أَیْنَ السَّائِلُ عَنْ قِیَامِ السَّاعَةِ ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ : اَنَا ،یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؐ قَالَ :

..................

۱۔صحیح ،۲،ص ۱۳۳۱۔صحیح ،۱،ص ۴۵۶۔صحیح ،۲ ،ص ۱۱۱۵،۸۹۲۔مؤطا امام مالک ،ص ۷۲۳۔ مسند احمد بن حنبل ،۲،ص ۴۱۳۔مشکاۃ المصابیح ،ص ۴۲۵۔

۲۔ا۔عقیدہ توسّل ،ص ۱۰۵۔

مَاأَعۡدَدۡتَ لَهَا ؟ قَالَ : يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ ! مَاأَعۡدَدۡتُ لَهَا كَبِيۡرَصَلَاةٍ وَلَا صَوۡمٍ اِلَّا اَنِّيۡ أَحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهُ ۔ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ : اَلۡمَرۡءُ مَعَ مَنۡ أَحَبَّ وَأَنۡتَ مَعَ مَنۡ أَحۡبَبۡتَ ۔ فَمَا رَأَيۡتُ فَرِحَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ بَعۡدَ الۡاِسۡلَامِ فَرۡحَهُمۡ بِهٰذَا " (۱) ایک شخص حضور نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! قیامت کب آئے گی؟ حضور نبی کریمؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا: قیامت کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ نہ تو میں نے بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ ہی بے شمار روزے رکھے ہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے اور تیرا حشر بھی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تجھے محبت ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو جتنی خوشی اس بات سے ہوئی، میں نے انہیں کسی اور بات سے اتنا خوش ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جہاں نماز، روزہ، حج وزکوۃ وغیرہ اعمال صالحہ ہیں اور ان کی ادائیگی انسان کو اجر وثواب کا مستحق قرار دیتی ہے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ محبت بھی ایسا عمل صالح ہے جس کا اجر محبوب کی قربت ہے۔ محبت کے عمل صالح ہونے پر خود حدیث کے الفاظ شاہد ہیں۔ (۲)

۱۔ جامع الترمذی، ۲، ص ۶۱۔ مسند احمد بن حنبل، ۳، ص ۲۰۰، ۱۶۸، ۱۰۴، ۱۷۸۔ صحیح بن حبان، ۱۸۲،۱، ۹، ۳۰۸۔ رقم ۸، ص ۱۰۵۔ شرح السنۃ للبغوی، ۱۳، ۴، ۶۰، رقم ۹ ۔ ۳۴۷۵

۲۔ عقیدۂ توسل، ص ۱۰۷

## (۱۴) محبانِ الٰہی سے محبت، محبت الٰہی کا باعث ہے:

بندہ احکام الٰہی کی بجا آوری میں عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے فرائض ادا کرتا ہے۔ تمام مسنون و مشروع اعمال صالحہ کو بجالاتا ہے۔ اس نورِ عمل سے جہاں وہ ایک طرف امر الٰہی کی تعمیل کرتا ہے تو دوسری طرف وہ ان کے اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس اجر میں جنت کے انعامات بھی ہیں مگر اس میں سب سے اونچا مقام اللہ کی رضا وخوشنودی ہے۔ اس کے حصول کے لیے بندے کی زندگی کا ہر لمحہ اطاعت الٰہی میں بسر ہوتا ہے۔ وہ صرف مخصوص اوقات میں ہی نہیں بلکہ ہر وقت یاد الٰہی میں مگن رہتا ہے۔ اس کی محبت اور دشمنی کا مرکز ومحور اللہ کی ذات ہو جاتی ہے، ایسے ہی محبان الٰہی کے لیے باری تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔ "وَجَبَتْ مُحِبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَ الْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ" (۱) میری محبت ان دو بندوں کے لیے واجب ہو چکی ہے جو میری وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میرے واسطے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس حدیث قدسی میں باری تعالیٰ فرمارہا ہے، میرے وہ بندے جو ایک دوسرے سے میری وجہ سے محبت کرتے ہیں اور میری محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت کرتے ہیں تو میری محبت ان کے لیے لازم

---

۱۔ موطا امام مالک، ص ۷۲۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۵، ص ۲۳۳۔ المستدرک للحاکم، ۴، ص ۱۶۹۔ مشکاۃ المصابیح، ص ۴۲۶۔

اور واجب ہو جاتی ہے، میں انہیں اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، اس لیے کہ ان کا مقصد کوئی دنیوی غرض نہیں ہوتی، وہ میری رضا کے متلاشی بن کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، اور میری ہی خاطر خرچ کرتے ہیں اور میری ہی خاطر ایک دوسرے کی دید کرتے ہیں۔ ایسے بندے ہی میرے لطف و کرم، عطا و عنایات اور محبت کے مستحق ہیں۔ اب ایک متوسّل کو حضور نبی اکرمؐ، اہل بیت اطہارؓ، صحابہ کرامؓ، اور اولیاء و صلحاء سے جو محبت ہے، اس محبت کی بنیاد محبت الٰہی ہے اور یہ خالصتاً (لِوَجْهِ اللّٰهُ) ہے۔ یوں ان ہستیوں سے محبت کرنے والا (وَجَبَتْ مُحِبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ) اس فرمان الٰہی کی روسے اللہ کا محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔ متوسّل کا اپنا یہ عمل محبت ایسا عمل ہے جو اللہ کی بارگاہ میں عمل صالح بھی ہے اور عمل مقبول بھی اور یہ دیگر اعمال صالح سے افضل ہے، اس لیے کہ اس میں رب تعالیٰ خود شریک ہے اور دوسرے اعمال کی قبولیت کے بارے میں یقین نہیں ہے، ممکن ہے وہ قبول ہوں یا نہ ہوں اور پھر ان کے ذریعے بندہ اللہ کا محبوب بھی بن جائے، مگر اولیاء و صلحاء سے محبت ایک ایسا عمل مقبول ہے، جس کے وسیلہ سے متوسّل، اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور یوں یہ عمل بدرجۂ اتم قبولیت سے شرف یاب ہوتا ہے۔(۱)

## (۱۴) حضورؐ کے مقام وسیلہ سے توسّل:

جہاں حضور اکرمؐ کے مقام وسیلہ پر فائز ہونے کی دعا اور اس کا توسّل ایک مؤمن کو رحمت الٰہیہ کا سزاوار بناتا ہے۔ وہیں اسے شفاعت رسولؐ کا بھی حقدار ٹھہراتا ہے۔

.... ........ ....... ..... ...... ....

۱۔ عقیدۂ توسّل، ص ۱۱۱۔

سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا: "اِذَا سَمِعۡتُمُ الۡمُؤَذِّنَ فَقُوۡلُوۡا مِثۡلَ مَايَقُوۡلُ، ثُمَّ صَلُّوۡا عَلَيَّ، فَاِنَّهٗ مَنۡ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ بِهَا عَشۡرًا، ثُمَّ سَلُوۡا اللّٰهَ لِيَ الۡوَسِيۡلَةَ۔ فَاِنَّهَا مَنۡزِلَةٌ فِي الۡجَنَّةِ لَا تَنۡبَغِيۡ اِلَّا لِعَبۡدٍ مِنۡ عِبَادِ اللّٰهِ وَ اَرۡجُوۡ اَنۡ اَكُوۡنَ اَنَا هُوَ، فَمَنۡ سَاَلَ لِيَ الۡوَسِيۡلَةَ حَلَّتۡ عَلَيۡهِ الشَّفَاعَةُ" (۱) جب تم مؤذن کو اذان دیتے سنو، تو تم بھی وہی کہو جو وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو! بے شک جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو، بے شک یہ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے خاص بندے کے لیے مخصوص ہے اور مجھے امید ہے وہ خاص بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ مانگا، اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔

### ۱۵۔ تبرکات نبویؐ سے توسّل:

یہ حقیقت ہے کہ صالحین سے منسوب چیزیں بڑی بابرکت اور فیض رساں ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ کے آثار کو بطور تبرک محفوظ رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا حضرات صحابہ کرام کا معمول تھا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم

۱۔ صحیح مسلم، ۱، ص ۱۶۶۔ سنن ابوداود، ۱، ص ۸۴۵۔ جامع الترمذی، ۲، ۲۰۲۔ سنن النسائی، ۱، ۱۱۰۔ مسند احمد بن حنبل، ۲، ۱۶۸۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱، ۴۰۹۔ مسند ابوعوانہ، ۱، ۳۳۶۔ صحیح ابن خزیمہ، ۱، ۲۱۹، رقم ۴۱۸۔ مشکاۃ المصابیح ۶۴۵۰۔ کنز العمال، ۷، ۷۰۰، رقم ۲۰۹۹۸۔ شرح السنۃ للبغوی، ۲، ۲۸۴۵، رقم ۴۲۱۔ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، ۳۳، رقم ۹۱

میں اپنے انبیاءؑ کے تبرکات کا ذکر کیا ہے۔

## ۱۶۔ تبرکاتِ حضرت موسیٰؑ وحضرت ہارونؑ:

مثلاً حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی آل کے تبرکات سے بنی اسرائیل کا برکت حاصل کرنے کا ذکر کچھ یوں کیا ہے: "وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" (۱) اوران کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے من جانب اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا، اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے، اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ (۲)

## ۱۷۔ مشکیزے سے حصول برکت:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں کبشہ انصاری نے کہا: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ" (۳) نبی کریمؐ اس کے پاس

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۸۔ ۲۔ عقیدۂ توسل، ص ۱۷۱۔ ۳۔ سنن ابن ماجہ، ص ۲۵۳۔ مسند احمد ابن حنبل، ۶، ص ۴۳۴۔ مسند الحمیدی، ۱، ۱۷۰۲، رقم ۳۵۴۰۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۵، ۱۵، رقم ۸۰۔

تشریف لائے اور اس کے پاس ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپؐ نے اس سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ پھر اس نے مشکیزہ کا منہ برکت کے باعث کاٹ کر رکھ لیا، چوں کہ اس سے حضورؐ کا دہن اطہر مس ہوا تھا۔(۱)

محمد سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸۔۹

## ۱۸۔ قمیص سے برکت حاصل کرنا:

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کا حضرت یوسفؑ کی قمیص سے برکت حاصل کرنے کا واقعہ کچھ یوں ذکر کیا ہے:

"اِذْهَبُواْ بِقَمِيصِي هَـٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيراً وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ، وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلاَ أَن تُفَنِّدُونِ، قَالُواْ تَاللّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلاَلِكَ الْقَدِيمِ،فَلَمَّا أَن جَاء الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيراً قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ"

(۲) میری یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے اور پھر اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا، ان کے والد (یعقوبؑ) نے (کنعان میں بیٹھے ہی) فرمادیا: بیشک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر تم مجھے بڑھاپے کے باعث بہکا ہوا خیال نہ کرو۔ وہ بولے اللہ کی قسم! یقیناً آپ اپنی اسی پرانی محبت کی خودرفتگی میں ہیں۔ پھر جب خوش خبری سنانے والا آپہنچا، اس نے وہ قمیص یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دی تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔ یعقوبؑ نے فرمایا: کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ

۱۔ عقیدہ توسل، ص ۲۷۶۔ ۲۔ سورۂ یوسف، آیات ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶۔

بے شک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۱)

**۱۹۔منبر مبارک سے حصول برکت:**

حضور نبی اکرمؐ جس منبر شریف پر بیٹھ کر صحابہ کرام کو دین سکھاتے تھے، عشاق رسولؐ اس منبر کو بھی حضور نبی اکرمؐ کے دوسرے آثار کی طرح دل و جاں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور اس سے برکت حاصل کرتے: قاضی عیاض بیان کرتے ہیں:"وَرَأَىٰ ابْنُ عُمَرٍ وَضَعَ يَدَهُ عَلىٰ مَقْعَدِ النَّبِيِّ مِنَ الْمِنبَرِ، ثُمَّ وَضَعَهَا عَلىٰ وَجْهِهِ"(۲)اور حضرت ابن عمر دیکھا جاتا کہ وہ منبر نبویؐ کی وہ جگہ جہاں حضورؐ تشریف فرما ہوتے، اسے اپنے ہاتھ سے چھوتے اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیتے۔(۳)

**۲۰۔دست مبارک سے حصول برکت:**

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں:"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتَىٰ بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهِ، وَرُبَمَا جَاؤُهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيْهَا" (۴)اللہ کے رسولؐ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو خدام مدینہ اپنے پانی سے بھرے ہوئے برتن لے آتے۔آپؐ ہر آنے والے کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے۔بسا اوقات یہ واقعہ موسم سرما کی صبح میں ہوتا اور آپؐ اپنا ہاتھ اس میں ڈبو دیتے۔(۵)

۱۔عقیدہ توسل،ص۲۷۲۔

۲۔الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰؐ،ج۲،ص۶۲۰۔

۳۔عقیدہ توسل،ص۳۰۸۔ ۴۔صحیح مسلم،۲،۲۵۶۔ ۵۔عقیدہ توسل،ص۳۱۰۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''وہ رسول اللہؐ کے لشکریوں میں سے ایک تھے، لوگ کفار کے مقابلے سے بھاگ نکلے اور میں بھی ان میں شامل تھا۔ پھر جب پشیمان ہوئے تو واپس مدینہ جانے کا مشورہ کیا اور عزم مصمم کر لیا کہ اگلے جہاد میں ضرور شریک ہوں گے۔ وہاں ہم نے رسول اللہؐ کے پاس جانے کی تمنا کی کہ خود کو آپؐ کے سامنے پیش کر دیں۔ اگر ہماری توبہ قبول ہوگئی تو مدینہ میں ٹھہر جائیں گے ورنہ کہیں اور چلے جائیں گے۔ پھر ہم نے بارگاہ رسالت مآبؐ میں آ کر عرض کیا: یارسول اللہؐ ہم بھاگنے والے ہیں۔ آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: نہیں، تم پھر لڑائی میں آنے والے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ (یہ سن کر ہم خوش ہوگئے) آپؐ کے نزدیک گئے اور آپؐ کا ہاتھ مبارک چوما۔ آپؐ نے فرمایا: میں مسلمانوں کی پناہ کی جگہ ہوں یعنی ان کا ملجا و ماویٰ ہوں، وہ میرے سوا اور کہاں جائیں گے، خواہ غلطی و کوتاہی کریں یا کچھ اور۔'' (۱)

۱۔ سنن ابوداود، جلد۱، ص۳۶۲۔ سنن ابوداود، جلد۲، ص۳۶۲، جامع الترمذی، جلد۱، ص۲۰۵، سنن ابن ماجہ، ص۲۷۱، الادب المفرد للبخاری، ص۳۳۸، رقم ۹۷۲۰، مسند احمد بن حنبل، جلد۲، ص۷۰تا۱۰۰، الطبقات الکبریٰ، جلد۴، ص۱۴۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد۸، ص۵۶۱، ۵۶۲، رقم ۵۲۵۶، ۵۲۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد۹، ص۷۶، ۷۷، شعب الایمان للبیہقی، جلد۴، ص۵۰۱، رقم ۴۲۳۱۱، سنن سعید بن منصور، جلد۲، ص۲۰۹، ۲۰۱۰، رقم ۲۵۳۹۰، شرح السنۃ للبغوی، جلد۱۱، ۶۸، ۶۹، رقم ۲۷۰۸۔

### ۲۱۔امام بخاری:

امام بخاری نے یہ روایت اُمّ اَبان سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ان کے دادا وازع بن عامر نے کہا" قَدِمْنَا ،فَقِيلَ : ذَاكَ رَسُولُ اللّٰهِ ،فَنَأْخُذُ بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ نُقَبِّلُهَا " (۱) جب ہم مدینے پہنچے تو کہا گیا: وہ ہیں اللہ کے رسولؐ۔ پس ہم نے آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پکڑے اور انہیں چوما۔

### ۲۲۔حضرت صفوان بن عسالؓ روایت کرتے ہیں:

"أَنَّ قَوْماً مِّنَ الْيَهُودِ قَبَّلُوا يَدَ النَّبِيِّ وَرِجْلَيْهِ " (۲) یہودیوں کے ایک وفد نے نبی کریمؐ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کا بوسہ لیا۔

### خلاصۂ کلام:

اوپر بیان کردہ تمام روایات جو احادیث پاک کی معتبر کتب سے ثابت شدہ اور صحیح ہیں، اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ انبیاءؑ و صالحین سے منسوب آثار و تبرکات فیض رساں اور پُر تاثیر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ جو تبرکات نبی اکرمؐ کی حفاظت کا اس قدر اہتمام فرماتے ان کا مقصد ان کو برائے نمائش محفوظ رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ آفات و بلیات کو دفع کرنے کے لیے ان کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔ اور یہ بھی ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرام نے ان آثار و تبرکات سے فیوض و برکات حاصل کیں اور مقاصدِ جلیلہ حاصل کیے۔

.....................................................

۱۔الادب المفرد، ۳۳۹،رقم: ۹۷۵۔

۲۔سنن ابن ماجہ، ۱۲۷۱۔جامع الترمذی، ۲، ۹۸۔مصنف ابن ابی شیبہ، ۸، ۵۶۲، رقم: ۶۲۵۸

**قابلِ غور نکتہ: (روح کی حیات اور استعداد)**

ارواحِ انسانی کی حیاتِ برزخی کے دلیلِ قطعی کے ساتھ حق ثابت ہو جانے کے بعد توسّل بعد الموت کو ناجائز سمجھنا کم فہمی یا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ ارواحِ انبیاءؑ و صلحاء سے توسّل و استغاثہ بالکل اسی طرح روا ہے جس طرح کسی زندہ انسان یا فرشتوں کو مجازاً وسیلہ بنایا جاتا ہے یا ان سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جب ہم زندگی میں کسی انسان سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں تو درحقیقت ہم اس کی روح سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ جسم انسانی تو مادّی انسان کی اصل یعنی ۔۔۔روح ۔۔۔ کا لباس ہوتا ہے۔ موت کے بعد جب روح جسم کی مادی بندشوں سے آزاد ہو جاتی ہے تو جسدِ خاکی کی آلائشوں سے آزاد ہو جانے کی وجہ سے فرشتوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر غیر مادّی افعال انجام دینے پر قادر ہو جاتی ہے۔ ہمارے مادّی عالم میں جو قوانین تصرّف معروف ہیں، روح ان قوانین کی پابندی سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے کیوں کہ اس کا عالم ۔۔۔عالمِ امر ۔۔۔ جسم کے اس عالمِ اسباب سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" (۱) اور یہ کفار آپؐ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، فرما دیجیے روح میرے رب کے امر سے ہے۔

انسان کو حیاتِ برزخی میں عالمِ امر کی جو زندگی میسر ہوتی ہے، اس میں وہ دنیا کی جسمانی زندگی سے بڑھ کر اعمال و افعال پر قادر ہوتا ہے اور اپنے پکارنے

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۵۔

والوں اور مدد طلب کرنے والوں کی مدد کو روحانی طور پر پہنچ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ انبیاءؑ وصلحاء کا اپنے متوسّلین اور مستغیثین کا وسیلہ بننا اوران کی امداد کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مدد کے طالب کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائیں اور اللہ رب العزت ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے متعلقہ شخص کی حاجت پوری کرے۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ معترضین اہل قبور کی حیات کا انکار کر کے انہیں دعا کر سکنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے جب کہ صحیح اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ وہ صاحبان مزار زندہ ہیں، وہ اپنے شعور وادراک کے تحت زائرین کو پہچانتے ہیں۔ جسم سے جدا ہو جانے کے بعد روح کا شعور مزید کامل ہو جاتا ہے اور شہوات بشریہ کے زائل ہو جانے کی وجہ سے خاکی حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

توسّل واستغاثہ کا معاملہ یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس ذات سے توسّل کیا جاتا ہے یا مدد طلب کی جاتی ہے، وہ اللہ ربّ العزّت ہی ہے، مگر سائل یوں عرض کناں ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی کریمؐ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کا خواہشمند ہے۔ وہ اللہ کے مقرب بندوں کا وسیلہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ میں ان اولیاء وصلحاء کے محبین میں شامل ہوں، لہٰذا ان کی محبت اور قربت داری کی وجہ سے خصوصی رحم وکرم کا مستحق ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ تاجدار کائناتؐ یا دعا میں مذکورہ اولیائے کرام کے صدقے اس شخص کی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اوراس کی حاجات پوری کر دیتا ہے۔ نماز جنازہ پڑھنے والوں کا میت کی بخشش کے لیے دعا کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے، کیوں کہ جنازے میں موجود لوگ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں میت کی مغفرت کا وسیلہ بناتے اوراس کے مددگار بنتے ہیں۔

## ۲۳۔مقامِ ابراہیمؑ سے توسّل:

اللہ تعالیٰ اوراس کے محبوب بندوں سے نسبت وتعلق رکھنے والی یا ان کے زیرِاستعمال چیزوں سے وسیلہ پکڑتے ہوئے دعا کرنا جواللہ کے مقبول بندوں کا شیوہ رہاہے۔جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات سے توسّل کرنا قرآن مجید میں یوں مذکورہے:" وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (۱)اورحکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کومقام نماز بنالو۔نمازتو اللہ کی پڑھی جاتی ہے چاہے جہاں بھی کھڑے ہوکر پڑھی جائے۔اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیمؑ کے مبارک قدموں کے نشانات کو"جائے نماز" بنانے کی تلقین کی گئی ہے یعنی وہ مقام قبولیت نماز کے لیے زیادہ موزوں ہے۔اس سے حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کا توسّل ظاہر ہورہاہے۔

## ۲۴۔مقامِ ابراہیمؑ:

وہ پتھر جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے کعبے کی تعمیر کی اسے مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔یہ وہ مبارک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے نقوش پائے مبارک ثبت ہوگئے اور یہ آج بھی کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے پیتل کی جالی میں محفوظ ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے اس پر کھڑے ہوکر کعبے کی دیواریں مکمل کیں۔کعبے کے چاروں طرف جدھر حضرت ابراہیمؑ کوضرورت ہوتی اسی جانب پتھر چلا جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرؑ کے ساتھ اس نسبت کی وجہ سے قرآن مجید

۱۔سورۂ بقرہ،آیت ۱۲۵۔

میں اس جگہ نماز پڑھنے کی بطور خاص تلقین فرمائی۔(۱)

## ۲۵۔اولیائے کرام کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:" قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِداً" (۲) ان ایمان والوں نے کہا، جنہیں ان کے معاملے پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان کے دروازے پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں۔

اصحاب کہف جب ۳۰۹ سال کے بعد بیدار ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد طبعی وفات پائی تو لوگوں میں اختلاف ہوا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ غار کے دروازے پر دیوار بنا کر اس کا منہ بند کر دیا جائے اور بعض جو ان میں صاحب اقتدار و اختیار تھے ان کی رائے یہ تھی کہ ان کے قرب میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں۔ اس طرح اصحاب کہف کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے گی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں "هٰذِهِ الآيَةُ تَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ لِيُصَلّٰى فِيْهِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّكِ بِهِمْ " (۳) یہ آیہ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا تا کہ اس میں نماز پڑھی جائے۔ جائز ہے۔

۱۔عقیدہ توسّل، ص ۳۵۹۔ ۲۔سورۂ کہف، آیت ۲۱۔

۳۔التفسیر المظہری، ۶،۲۳۔

اس ضمن میں آپ بعض لوگوں کا موقف جو حدیث رسولؐ کے غلط معنی بیان کرکے ذہنوں میں تشکیک پیدا کرتے ہیں، اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " وَمَعْنَى اِتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ أَنَّهُمْ يَسْجُدُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ كَمَا وَهُوَ صَرِيْحٌ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ مُرْثِدِ الْغَنَوِي قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا " (۱) اور اس حدیث کے معنی، کہ انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا، یہ ہیں کہ انہوں نے ان قبروں کو سجدے شروع کر دیے تھے جیسا کہ ایک دوسری حدیث رسولؐ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت ابو مرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف نماز پڑھو۔

مزاراتِ اولیاء۔۔۔۔ جہاں ہر وقت تلاوتِ قرآن حکیم اور ذکرِ الٰہی کی ایمان افروز آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔۔۔۔ جب کوئی شخص عبادت و ریاضت میں مشغول ہوکر اولیاء اللہ کے توسّل سے اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتا ہے تو رب اپنے ان مقرب بندوں کے توسّل سے مانگی ہوئی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

<u>ہم نے انبیائے کرامؑ، تبرکات اور آثار انبیائے کرامؑ وصالحین کے حوالے</u> سے قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت کردی کہ ان سے توسّل نہ صرف جائز ہے بلکہ عین منشائے خدا اور رسولؐ ہے۔ دین وایمان کا تقاضا ہے اور اس سے کوئی صحیح

---

۱۔ صحیح مسلم، ۱:۳۱۲۔ التفسیر المظہری، ۶:۲۴۔

العقیدہ مسلمان انحراف کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے قرآن مجید سے یہ ثابت کریں گے کہ اس توسّل سے فائدہ اٹھانے کا حق دار کون ہے؟ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ توسّل کا نفع مسلمان کے ساتھ ساتھ کافر کو بھی اس کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے حتیٰ کہ اولیائے کاملین کے وسیلے کا فائدہ انسان تو درکنار حیوانات کو بھی ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اصحاب کہف کے کتے نے ان کے وسیلے سے نفع پایا۔باری تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا:" وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ" (۱) اوران کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے۔(۲)

---

۱۔سورۂ کہف، آیت ۱۸۔

۲۔عقیدہ توسّل، ص ۳۶۷۔

# فصل چہارم

# اکابر علمائے امت کے نظریات و معتقدات

## اکابر علمائے امت کے نظریات ومعتقدات

### ا۔امام مالکؒ:

امام مالک فقہائے اربعہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں ۔ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور مدینہ منورہ آیا اوراس نے امام مالک سے دریافت کیا:''کیا میں دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہوں (اور نبی اکرمؐ کی طرف پشت کروں) یا نبی اکرمؐ کی طرف رخ کروں (اور پشت قبلے کی جانب ہو)''اس استفسار پر امام مالک نے جواب دیا: (اے امیر!) تو حضور نبی اکرمؐ کی جانب سے منہ کیوں پھیرتا ہے، حالاں کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدمؑ کے لیے روز قیامت وسیلہ ہیں۔ بلکہ تو آپؐ کی جانب متوجہ ہوکر مناجات کر اور آپؐ کی شفاعت کا طالب ہوکہ آپؐ اللہ کے سامنے تیری شفاعت فرمائیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً" (ا) اوراے حبیبؐ اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ اس وسیلے اور شفاعت کی بنا پر ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

یہ واقعہ قاضی عیاض نے (۲) صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔علاوہ ازیں علامہ سبکی نے ''شفاء السقام فی زیارۃ الخیر الانامؐ''میں ،

ا۔سورۂ نساء، آیت ۶۴۔ ۲۔''الشفاء ج ۲، ص ۵۹۶۔

علامہ سمہودی نے ''خلاصۃ الوفاء'' میں ،امام قسطلانی نے ''المواہب الدنیۃ'' میں ، ابن جماع نے ہدایۃ السالکین'' میں، روایت کی ہے۔(۱)

## ۲۔جوازِ توسّل پر ابن تیمیہ کا موقف:

ارشاد باری تعالیٰ" يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ "(۲)
ابن تیمیہ نے اپنی کتاب" قاعدة جليلة في التوسّل والوسيلة " میں اللہ پاک کے اس قول کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:''اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا صرف حضور نبی اکرمؐ پر ایمان اور آپؐ کے اتباع کی وجہ سے ہے۔اور آپؐ کا اتباع اور آپؐ پر ایمان کی وجہ سے یہ توسّل ہر ایک ہر حال میں ظاہراً اور باطناً اور آپؐ کی حیات میں اور وفات کے بعد، موجودگی وغیبت میں فرض ہے۔حجت قائم ہونے کے بعد کسی بھی حال میں کسی بھی فرد بشر سے آپؐ پر ایمان واطاعت کی وجہ اور کسی بھی عذر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔اور اللہ جل شانہ کی رحمت تک پہنچنے کے لیے اور اس کی پکڑ وعذاب سے بچنے کے لیے صرف آپؐ پر ایمان اور آپؐ کی اطاعت کو وسیلہ بنانے کا راستہ ہے۔کیوں نبی کریمؐ مخلوق کی شفاعت کرنے والے اور صاحب مقام محمود ہیں کہ جن پر اولین وآخرین سب رشک کریں گے۔اور نبی کریمؐ کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب سے عظیم ہے اور تمام شفیعوں (شفاعت کرنے والوں) کے مقابلے میں سب سے بلند ہے۔(۳)

---

۱۔عقیدہ توسّل،ص ۳۷۸۔ ۲۔سورۂ مائدہ،آیت ۳۵۔
۳۔عقیدۂ توسّل،ص ۳۸۰۔

### ۳۔حافظ بن حجر عسقلانی:

انہوں نے اپنی کتب "الاصابة فی تمييز الصحابة" ج۳:ص۴۸۴ اور''فتح الباری'' ج۲:ص۶۔۴۹۵ میں اس آدمی کا واقعہ ذکر کیا ہے جو حضور نبی کریمؐ کی قبرانور پر توسّل کے لیے حاضر ہوا۔(۱)

### ۴۔امام جلال الدین سیوطی:

امام سیوطی نے حضرت آدمؑ کی توسّل والی حدیث''الدرالمنثور''(ج۱: ص۵۸)اور''الخصائص الکبریٰ''(ج۱:ص۶)اس کے علاوہ''الریاض الانیقة فی شرح اسماء خیر الخلیقة''(ص۹۔۴۸)میں بھی بیان کی ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

### ۵۔امام ابن حجر ہیثمی مکی:

حضرت احمد شہاب الدین ابن حجر مکی جو فقہاو محدثین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، نے ابوعبداللہ قریشی کے بیان کردہ مشاہدے اور تجربے سے یہ ثابت کیا ہے کہ صاحبان خدا بعد از مرگ بھی زندوں کی طرح دعاوامداد فرماتے ہیں اوران کی فیض رسانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔حضرت ابوعبداللہ قرشیؒ سے منسوب یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ شدید قحط سالی نے شہر مصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور لوگوں کی بھوک اور پیاس کی مصیبت، باوجود دعاو استغفار کے جوں کی توں تھی: "فَسَافَرْتُ

۱۔عقیدۂ توسّل،ص۳۸۳۔

۲۔عقیدۂ توسّل،ص۳۸۳۔

اِلَى الشَّامِ ، فَلَمَّا وَ صَلْتُ اِلىٰ قَرِيْبِ ضَرِيْحِ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ وَعَلىٰ نَبِيِّنَا أَفْضَلُ الصَّلاۃِ وَالسَّلامِ تَلَقَّانِیْ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِجْعَلْ ضِيَافَتِیْ عِنْدَكَ الدُّعَآءِ لِأَهْلِ مِصْرٍ، فَدَعَالَهُمْ ،فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ "(۱) پس میں نے ملک شام کی طرف سفر کیا۔ جب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے مزار مبارک کے نزدیک پہنچا، تو آپؑ مجھے آگے سے (بالمشافہ) ملے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؑ! میں مہمان کی حیثیت سے آیا ہوں، میری ضیافت یوں کریں کہ اہل مصر کے لیے دعا فرمادیں۔ حضرت خلیل اللہؑ نے دعا فرمائی، چنانچہ اللہ پاک نے ان سے قحط دور فرمادیا۔

اس نادر الوقوع تذکرے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے بالمشافہ ملاقات کا جو حال بیان ہوا ہے، اس کی وضاحت حضرت امام شافعیؒ نے یوں فرمائی ہے:" فَقَوْلُهُ : تَلَقَّانِیْ الْخَلِيْلُ ، قَوْلُ حَقٍّ لَا يُنْكِرُهُ اِلَّا جَاهِلٌ بِمَعْرِفَةِ مَا يَرِدُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْأَحْوَالِ الَّتِیْ يُشَاهِدُوْنَ فِيْهَا مَلَكُوْتُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَنْظُرُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ أَحْيَاءً غَيْرَ أَمْوَاتٍ " (۲) حضرت ابوعبداللہ قرشیؒ کا یہ کہنا کہ حضرت خلیلؑ مجھے بالمشافہ ملے، بالکل برحق ہے، اس کا انکار وہی جاہل کرسکتا ہے جو اولیائے کرام کے ان احوال ومقامات سے بے خبر ہو، کیوں کہ یہ لوگ زمین وآسمان کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور انبیائے کرامؑ کو بالکل زندہ حالت میں دیکھتے ہیں۔ (۳)

.......

۱۔الفتاویٰ الحدیثیۃ، ج۶، ص۲۵۵۔ ۲۔الفتاویٰ الحدیثیہ، ص۲۵۶۔
۳۔عقیدہ توسّل، ص۳۸۶۔

### ۶۔علامہ محمد بن علی شوکانی:

علامہ شوکانی نے ''تحفۃ الذاکرین'' ص ۱۹۵ میں نبی کریمؐ سے توسّل کرنے کا جواز بیان کیا ہے۔(۱)

### ۷۔علامہ سید محمود آلوسی:

آپ اہل اللہ کو وسیلہ بنانے اور ان سے روحانی استمداد کے امکان و جواز کے باب میں سورۂ نازعات کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: "قِيْلَ اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَسْتَعِيْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ اَیْ اَصْحَابِ النُّفُوْسِ الْفَاضِلَةِ الْمُتَوَفِّيْنَ ، وَلَا شَكَّ فِیْ اَنَّهٗ يَحْصُلُ لِزَائِرِهِمْ مَدَدٌ رُوْحَانِیٌّ بِبَرَكَتِهِمْ وَ كَثِيْراً مَّا تَنْحَلُّ عُقَدُ الْاُمُوْرِ بِاَنَامِلِ التَّوَسُّلِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِحُرْمَتِهِمْ" (۲) کہا گیا ہے کہ جب تمہیں کوئی مشکلات پیش آئیں تو اہل مزارات سے مدد طلب کیا کرو، یعنی اللہ کے ان محبوب و مقبول بندوں سے جو نفوس قدسیہ کے مالک ہیں، اور وصال فرما گئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کے مزارات پر حاضری دے، اسے ان کی برکت سے روحانی مدد حاصل ہوتی ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حرمت کا وسیلہ پیش کرنے سے مشکلات کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔(۳)

........................................

۱۔عقیدہ توسّل،ص ۳۸۷۔

۲۔روح المعانی،۳۰، ۸۔۲۷۔

۳۔عقیدہ توسّل،ص ۳۸۹۔

## ۸۔مولانا اشرف علی تھانوی:

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں حضور نبی اکرمؐ کے نور سرمدی کی برکات واعجازات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپؐ کے آباء و اجداد میں سب کے پیشانیوں میں اس کی جلوہ پاشی صاف طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔آپؐ ہی کا نورلم یزل حضرت آدمؑ کی توبہ کہ قبولیت کا سبب بنا، حضرت نوحؑ کوطوفان سے نجات دلانے کا سبب یہی نور تھا اور اسی نور نے حضرت ابراہیمؑ پر نار نمرود کو گل وگلزار میں بدل دیا۔

حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے حضور کی شان اقدس میں جو قصیدہ لکھا، اس کے چند اشعار یوں ہیں ؂

وردتَّ نار الخلیل مکتتماً　　　في صلبه أنت کیف یحترق

(آپؐ نے حضرت خلیل اللہؑ کے ساتھ آگ میں ورود فرمایا۔ان کی پشت میں آپؐ کا نور انہیں کیسے جلاسکتا تھا؟)

وأنت لمّا وُلِدتَّ أشرقت الارض　　　وضاء ت بنورك الأفق

(اورجب آپؐ پیدا ہوئے تو زمین روشن اور آفاق بقعۂ نور ہو گئے)

فنحن في ذالك الضیآء　　　وفي النّور سبل الرّشاد نخترق

(پس ہم اسی روشنی اور نور کے جلوے میں ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں)

حضورؐ نے حضرت عباسؓ کے یہ اشعار انتہائی توجہ سے سماعت فرمائے اوران پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔اگر یہ خلاف واقعہ ہوتے تو آپؐ انہیں ٹوک دیتے۔ ایسا نہ کرنا اس امر کی قوی دلیل ہے کہ آپؐ کو نفس مضمون سے اتفاق تھا اور اسی کو

حدیث تقریری کہتے ہیں۔(۱)

**۹۔ شیخ محمود سعید ممدوح:**

انہوں نے ''توسّل'' کے موضوع پر پائی جانے والی احادیث وآثار کی تخریج وتحقیق پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام ''رفع المنارۃ لتخرج احادیث التوسّل والزیارۃ'' ہے۔اس میں انہوں نے منکرین توسّل کی طرف سے ثقہ وصحیح روایات پر کیے جانے ولے اعتراضات کا مدلل جواب دیتے ہوئے توسّل کی حقانیت ثابت کی ہے۔(۲)

..................................

۱۔عقیدۂ توسّل، ص۳۹۲ ۲۔عقیدۂ توسّل، ص۳۹۴۔

# فصل پنجم

# وسیلہ... شیعہ نقطۂ نگاہ سے

## وسیلہ..............شیعہ نقطۂ نگاہ سے

اس حوالے سے شیعوں کے پاس متواتر احادیث موجود ہیں۔ یہاں پر بطور مثال چند احادیث کو تحریر کر رہے ہیں:

۱) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "سَمِعْتُ مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ یَقُوْلُ: یَا عِبَادِیْ اَوَلَیْسَ مَنْ لَهُ اِلَیْکُمْ حَوَائِجُ کِبَارٌ وَلَا تَجُوْدُوْنَ بِهَا اِلَّا اَنْ یَحْتَمِلَ عَلَیْکُمْ بِاَحَبِّ الْخَلْقِ اِلَیْکُمْ تَقْضُوْنَهَا کَرَامَةً لِشَفِیْعِهِمْ؟ اَلَا فَاعْلَمُوْا اَنَّ اَکْرَمَ الْخَلْقِ عَلَیَّ وَاَفْضَلَهُمْ لَدَیَّ مُحَمَّدٌ وَاَخُوْهُ عَلِیٌّ وَمَنْ بَعْدَهُمُ الْاَئِمَّةُ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ اَلَّذِیْنَ هُمُ الْوَسَائِلُ اِلَیَّ۔ اَلَا فَلْیَدْعُنِیْ مَنْ اَهَمَّتْهُ حَاجَةٌ یُرِیْدُ نَفْعَهَا اَوْ دَهَتْهُ دَاهِیَةٌ یُرِیْدُ کَفَّ ضَرَرِهَا بِمُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَقْضِیْهَا لَهُ اَحْسَنَ مَا یَقْضِیْهَا مَنْ تَسْتَشْفِعُوْنَ اِلَیْهِ بِاَعَزِّ الْخَلْقِ عَلَیْهِ" (۱)

سلمان فارسیؓ سے روایت نقل ہے، انہوں نے حضرت رسول خداؐ سے سنا۔ آپ نے فرمایا، خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ اے میرے بندو۔۔۔! کیا ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی حاجت کو لے کر تمہارے پاس آئے اور تم اس کی طرف توجہ نہ دو، جس پر وہ تمہارے پاس ایسے شخص کو سفارشی قرار دے جو تمہاری نگاہوں میں سب سے محبوب ہو تو کیا اس وقت تم اس محبوب شخصیت کی خاطر اس حاجت مند کو برآوردہ کر دیتے ہو؟

.... .........

۱۔ مجموعۂ ورام، جلد۲، ص۱۰۰۔ بحار الانوار، ج۹۴، ص۲۲، عدۃ الداعی۔

پس آگاہ رہو مخلوقات میں سب سے بہترین مخلوق میرے نزدیک محمدؐ اور ان کے بھائی علیؑ ہیں اور ان کے بعد کے ائمہ معصومین علیہم السلام یہی حضرات لوگوں کے لیے میری جانب وسیلے ہیں۔ پس جس شخص کو کوئی حاجت یا کسی فائدے کی خواہش ہو، یا کسی حادثے کا شکار ہونے کے بعد اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو تو، مجھ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلے سے اپنی حاجتوں کو طلب کرے تا کہ میں بہتر طریقے سے اس کی حاجتوں کو برآوردہ کروں۔

۲) ابن شہر آشوب نے امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا "وَابۡتَغُوۡا اَلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ" (۱) اَنَا وَسِیۡلَتُهُ وہ وسیلۂ خدا میں ہوں۔ حضرت سیّدہؑ نے اپنے خطبے میں فرمایا "وَاحۡمَدُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ لِعَظَمَتِهٖ وَنُوۡرِهٖ یَبۡتَغِیۡ مَنۡ فِیۡ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَنَحۡنُ وَسِیۡلَتُهٗ فِیۡ خَلۡقِهٖ" (۲) اس اللہ کے لیے حمد بجالاؤ جس کی عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اہلِ آسمان و زمین اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کریں اور ہم اس کی مخلوقات میں اسی کا وسیلہ ہیں۔

۳) "فِیۡ عُیُوۡنِ الۡاَخۡبَارِ فِیۡ بَابِ مَا جَاءَ عَنِ الرِّضَا عَلَیۡهِ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ (ص) اَلۡاَئِمَّةُ مِنۡ وُلۡدِ الۡحُسَیۡنِ عَلَیۡهِ السَّلَامُ مَنۡ اَطَاعَهُمۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنۡ عَصَاهُمۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰهَ هُمُ الۡعُرۡوَةُ الۡوُثۡقٰی وَهُمُ الۡوَسِیۡلَةُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی" (۳)

---

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۵۔ ۲۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۲۱۱۔

۳۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۶۲۶۔

کتاب عیون الاخبار میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے رسول خداؐ کا فرمان ہے، امامت کا سلسلہ نسل حسینؑ سے قائم ودائم ہے، جس نے ان کی اطاعت کی تو گویا اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی تو گویا اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ حضرات خدا کی طرف وسیلے ہیں۔

۴) "اَمَالِی ابْنِ الشَّیْخُ: اَلْمُفِیْد۔۔۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْمُثَنّیٰ الْاَزْدِیْ، اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَقُوْلُ: نَحْنُ السَّبَبُ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ" (۱) راوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، ہم تمہارے اور خدا کے درمیان سبب ہیں (یعنی ہلاکت سے نجات کا وسیلہ اور سعادت وکامیابی کی طرف پہنچنے کا وسیلہ)

۵) "اَبَانُ بْنُ تَغْلِبَ عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: نَحْنُ حَبْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (۲) ابان بن تغلب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا۔ خدا کی رسی ہم ہیں، جس کا ذکر خداوند متعال نے کیا ہے۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔

۶) "عَنِ النَّبِیِّ (ص) اَنَّهُ سَاَلَهُ اَعْرَابِیٌّ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالیٰ: "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ" فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَدَهُ فَوَضَعَهَا عَلیٰ كَتِفِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: یَا اَعْرَابِیُّ هٰذَا حَبْلُ اللّٰهِ فَاعْتَصِمْ بِهٖ فَدَارَ الْاَعْرَابِیُّ مِنْ خَلْفِ عَلِیٍّ

۱۔ بحار الانوار، ج۲۳، ص۱۰۱، حدیث ۵۔

۲۔ بحار الانوار، ج۲۴، ص۸۴، حدیث ۳۔

عَلَيْهِ السَّلامُ وَالْتَزِمَهُ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ اِنِّیْ اعْتَصَمْتُ بِحَبْلِكَ؛ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ :مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلیٰ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلیٰ هٰذَا" (۱) ایک دیہاتی شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں آکر آپؐ سے سوال کیا، آیۂ مجیدہ میں حبل اللہ سے مراد کیا ہے، اس کی وضاحت کریں۔رسول خداؐ نے فوراً دیہاتی کے ہاتھ کو علیؑ کے شانے پر رکھا اور فرمایا: اے دیہاتی ! یہی خدا کی رسی ہے اور یہی حبل اللہ ہے۔اس سے اعتصام رکھو۔اس دیہاتی نے امیر المومنین علیہ السلام کے گرد طواف کیا اور امیر کائناتؑ کو سینے سے لگالیا اور کہا۔اے رب ذوالجلال !تو گواہ رہنا میں نے تیری رسی کو پکڑ لیا ہے۔اس وقت رسول خداؐ نے فرمایا جو اہل بہشت میں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کی طرف دیکھیے۔

حبل اللہ سے تمسک رکھنا مسلمات قرآنی میں سے ہے۔آیۂ شریفہ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا" (۲) یہ آیت بطور صراحت دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کو نجات دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رسی مقرر کی اور اس کو سعادت تک پہنچنے نیز تقرب الی اللہ کے لیے وسیلہ بنایا جو بندگان خدا کا آخری ہدف ہے۔ان وسیلوں کو تمام افراد بشر کی دسترس میں رکھا اور سب کو حکم دیا کہ اس رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور یہ توسّل کے لیے دستور العمل اور غیر خدا سے مدد طلب کرنا ہے۔اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے آیۂ مجیدہ میں

۱۔بحار الانوار ج ۳۶،ص ۱۶، نقل از مناقب آل ابی طالبؑ۔

۲۔آل عمران، آیت ۱۰۳۔

وضاحت کے ساتھ حکم ہوا ہے۔

البتہ مصداق کو کرنے اور مراد کو بیان کرنے میں سنت کی طرف محتاج ہیں یعنی رسول خداؐ اور آلِ رسولؐ کی طرف کیونکہ یہ حضرات بہ نصّ قرآن مجید، کتاب الٰہی کے مجملات کو بیان اور وضاحت کرنے والے ہیں۔ سنت کے چند نمونے ذکر ہوئے ہیں اس مقام پر انتہائی اختصار کے ساتھ آل محمدؐ کو حبل اللہ اور وسیلے کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور انسانوں کے درمیان رابطہ ہیں۔

الف) شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آباء واجداد سے بیان فرمایا اور یہ سلسلہ رسول خداؐ تک پہنچتا ہے، آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن اہل جنت، جنت میں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں جانے کے بعد اللہ کے وہ بندے جو مستحق عذاب ہیں، ستر سال تک دوزخ میں بیٹھنے کے بعد خدا کے حضور اس طریقے سے دعا کرتے ہیں "یَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَاَهلِ بیتہ لَمَّا رحمتنی" پروردگار محمد وآل محمدؐ کی عظمت کا واسطہ مجھ پر رحمت نازل فرما۔ اس وقت خداوند متعال جبرئیل امینؑ کو حکم دیتا ہے، میرے بندے پر نازل ہو کر اسے آتش دوزخ سے نکال دے۔ جبرئیلؑ عرض کرتا ہے میں کیسے انہیں آگ سے نکالوں؟ خداوند متعال فرماتا ہے، میں نے آگ کو حکم دیا کہ وہ تمہارے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث بنے۔ جبرئیلؑ عرض کرتے ہیں، میں اس کی جگہ کو نہیں جانتا ہوں کہ وہ دوزخ کی کس جگہ پر ہے۔ رب کائنات فرماتا ہے وہ ایک کنوئیں میں ہے جس کا نام سجین ہے۔ پس جبرئیلؑ آگ میں نازل ہوتا ہے جبکہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا آگ میں پڑا ہوا ہے، اُسے باہر نکال کر رب کائنات کے سامنے پیش کرتا

ہے۔خداوند متعال فرماتا ہے اے میرے بندے! کتنے سال تک دوزخ میں رہا....؟ اور مجھے قسم دے کر پکار رہا تھا عرض کرتا ہے، اے میرے پروردگار! مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے عرصے تک جہنم میں رہا۔خداوند متعال فرماتا ہے۔ "اَمَا وَ عِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَوْلَا مَنْ سَاَلْتَنِیْ بِحَقِّهِمْ عِنْدِیْ لَاَطَلْتُ هُوَانَكَ فِیْ النَّارِ وَلٰكِنَّهُ حَتْمٌ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَا یَسْاَلُنِیْ عَبْدٌ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ(ص) وَاَهْلِ بَیْتِهٖ اِلَّا غَفَرْتُهٗ لَهٗ مَا كَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ وَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ الْیَوْمَ" (۱) آگاہ رہو میری عزت وجلال کی قسم اگر وہ ہستیاں نہ ہوتیں جن کی عظمتوں کا واسطہ تو نے دیا ہے تو یقیناً دوزخ میں تمہاری ذلت وخواری میں مزید اضافہ کرتا، لیکن میں نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ جو بھی بندہ مجھے محمدؐ وآل محمدؐ کا واسطہ دے کر اپنی سعادت کو مجھ سے طلب کرتا ہے، میں اسے بخش دیتا ہوں اور وہ گناہ جو میرے اور اس کے درمیان ہیں ان سے چشم پوشی کرتا ہوں۔ اب میں نے تم کو بخشا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیا۔ پھر اسے خدا کے حکم سے جنت میں لے جایا جائے گا۔

سہیل سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر ۸

### ب) امام شافعی کا بیان اہل بیتؑ سے توسّل

یہاں وہ اشعار جو محمد بن ادریس شافعی (سربراہ شافعی مذہب) کے ہیں انہیں ذکر کرنا مناسب ہے۔ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے، میں نے دیکھا کہ مختلف مذاہب نے لوگوں کو جہالت وگمراہی کے دریا میں غرق کر دیا ہے۔میں نے خدا سے مدد طلب کرتے ہوئے خاتم الانبیاءؑ کے اہل بیتؑ کے دامن کو تھام لیا اور ان کی ولایت کی نجات پانے والی کشتی میں سوار ہوا۔اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام

۱۔ بحارالانوار، ج۲۷، ص۳۱۲، حدیث ۵۔

لیا، جو اسی عظیم خاندان کی ولایت و مودّت ہے۔ چونکہ ہمیں خدا کی طرف سے حکم ہے کہ حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دین میں پراگندگی چھا گئی۔ جیسا کہ رسول خداؐ سے روایت ہے کہ ملت اسلامیہ ستّر سے زیادہ حصوں میں بٹ جائے گی۔ صرف ایک گروہ کے علاوہ باقی سارے ہلاک ہو جائیں گے۔ پس اس حالت میں تم اپنے گمان میں اپنے آپ کو صاحب عقل و خرد سمجھتے ہو۔ بتاؤ خاندانِ رسولؐ کا تعلق کس فرقے سے ہے....؟ تمہارا تعلق گمراہوں اور ہلاکت شدہ لوگوں سے ہے.. ؟ یا نجات یافتہ اور حق کے متلاشی لوگوں میں سے ہے....؟ اگر اہل نجات و حق سے ہے، پس ہماری اور تمہاری گفتگو ایک ہے۔ اور ہماری آپس میں کوئی دشمنی نہیں ہے اور اگر تمہارا تعلق اہل باطل و ضلالت سے ہے پس یقیناً صراط مستقیم سے منحرف ہو کر ٹیڑھے راستے پر گامزن ہو۔ پس تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اُس گروہ سے ہوں جو خاندان اہل بیتؑ سے عقیدت و مودّت رکھتے ہیں۔ ان کی ولایت کو دل و جان سے قبول کیا ہے اور ہمیشہ عزّ و شرف اور سعادت و کامیابی کو ان کے پرچم تلے سمجھتا ہوں۔ میں نے علیؑ اور آل علیؑ کو امام کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ پس ایسے عالم میں یہ تم اور دیگر باطل فرقے ہو۔(۱)

---

۱۔ شبہائے پشاور، ص ۲۲۷، اور علامہ فاضل مجلسی کی کتاب ''ذخیرۃ المال'' سے نقل کیا گیا ہے۔

## ج) ادعیہ ومناجات میں وسیلے کی اہمیت:

دیکھنا ہے کہ وہ اللہ کے مخلص بندے اور موحد کس طرح اپنی گفتگو اور دعا میں خدا، رسول خداؐ اور اہل بیت رسولؐ سے توسّل اور طلب شفاعت کرتے ہیں۔ رب کائنات کے حضور اپنے مقصد تک پہنچنے اور حاجت برآوردہ ہونے کے لیے کس طرح ان کے مقام ومنزلت اور ان کے عظیم حق کا واسطہ دیتے ہیں اور اسی طریقے کو ایک دینی دستورالعمل کی حیثیت سے پروردگار عالم کی مختلف رحمتوں اور برکتوں تک پہنچنے کے لیے کس طرح اپنے پیروکاروں اور امت مسلمہ کو سکھاتے ہیں۔ ان دعاؤں اور مناجات میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

☆ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں یوں دست بہ دعا ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الْاَخْيَارِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ رَبِّكَ وَ رَبِّیْ فِیْ قَضَا حَاجَتِیْ "(۱)

یعنی اے خدا تجھ سے سوالی ہوں اور تیری ہی بارگاہ میں رُخ کیا ہے اور تیرے نبی رحمت حضرت محمدؐ کے وسیلے سے سوالی ہوں، خدا کا درود وسلام اُن پر اور ان کے پاکیزہ خاندان پر ہو۔ اے رسول خداؐ۔۔۔! میں نے آپؐ کے وسیلے سے اپنی حاجت برآوردہ ہونے کے لیے اُس خدا کی طرف رُخ کرلیا ہے، جو آپ کا اور میرا پروردگار ہے۔

..........................................

۱۔ صحیفۂ علویہ مؤلف: شیخ عبداللہ بن صالح۔ ماصبحی، ہر مہینے کی ۲۴ تاریخ کو پڑھنے کی دعا۔

☆ نیز امیر المومنینؑ زوال آفتاب کے بعد اس طریقے سے دعا کرتے تھے۔" اَللّٰهُمَّ.... وَاَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَاَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ بِمَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَائِكَ الْمُرْسَلِيْنَ" (۱) پروردگار میں رسول خداؐ کے وسیلے سے تیری قربت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو تیرے بندے اور رسولؐ ہیں اور تیرے مقرب فرشتوں اور انبیاء و مرسلینؑ کے وسیلے سے تیری قربت چاہتا ہوں۔

☆ اسی طرح آپ کی ایک مناجات یہ بھی ہے" بِذِمَّةِ الْاِسْلَامِ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ وَبِحُرْمَةِ الْقُرْآنِ اَعْتَمِدُ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ اَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ"(۲) میں دین اسلام کے عہد و پیمان کے ہمراہ تیری بارگاہ میں متوسّل ہوں اور قرآن کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے تیری ذات پر اعتماد کرتا ہوں اور محمدؐ و آل محمدؐ کے حق کے وسیلے سے تیری قربت چاہتا ہوں۔

☆ سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں یوں فرماتے ہیں:"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الْعَشِيَّةِ الَّتِيْ شَرَّفْتَهَا وَعَظَّمْتَهَا بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ وَاَمِيْنِكَ عَلٰى وَحْيِكَ"(۳) اے میرے پروردگار اس رات کے وقت میں، جس کے ذریعے تو نے عظمت و شرف بخشی، تیری طرف رخ ہے اور محمدؐ کے وسیلے سے جو تیرے رسولؐ منتخب

---

۱۔ کتاب صحیفۂ علویہ، ص ۳۷۷۔

۲۔ صحیفۂ علویہ، فی الثناو المناجات، ص ۱۴۹۔

۳۔ اقبال الاعمال، سید ابن طاؤسؒ، ص ۳۴۶۔

اور تیری وحی کے امین ہیں۔

☆ اسی طرح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے عرفہ میں یوں دست بہ دعا نظر آتے ہیں "رَبِّ صَلِّ عَلٰی اَطَائِبِ اَهْلِ بَيْتِهِ الَّذِيْنَ.... جَعَلْتَهُمُ الْوَسِيْلَةَ اِلَيْكَ وَالْمَسْلَكَ اِلٰى جَنَّتِكَ" (۱) پروردگار۔۔۔ رسول خداؐ کے پاکیزہ ترین اہل بیتؑ پر رحمت نازل فرما، جن کو تیری قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ قرار دیا اور جنت کا راستہ قرار دیا۔

☆ مولا امام سجاد علیہ السلام سے دخول ماہ مبارک رمضان کی دعا میں یوں منقول ہے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذَا الشَّهْرِ وَبِحَقِّ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فِيْهِ مِنْ اِبْتِدَائِهٖ اِلٰى وَقْتِ فَنَائِهٖ مِنْ مَلَكٍ قَرَّبْتَهُ اَوْ نَبِىٍّ اَرْسَلْتَهُ اَوْعَبْدٍ صَالِحٍ اِخْتَصَصْتَهُ" (۲) پروردگار۔۔۔ میں تیری مقدس ذات سے سوالی ہوں اس مہینے کی عظمت کا واسطہ دے کر ان کے حق کا واسطہ دے کر جنہوں نے اس مہینے کے آغاز سے لے کر اختتام تک تیری بندگی کی ہے اور اس فرشتے کو واسطہ قرار دیتا ہوں، جس نے تیرے بندے کو تجھ سے قریب کر دیا، یا اس نبیؐ کو واسطہ قرار دیتا ہوں، جس کو تیری مقدس ذات نے لوگوں کو وعظ و ہدایت کرنے کے لیے بھیجا، اس عبد صالح کو واسطہ دیتا ہوں، جس کو تیری ذات نے اپنی عبودیت و بندگی کے لیے منتخب کیا۔

☆ امیر المومنینؑ کا فرمان ہے کہ "اِذَا كَانَتْ لَكَ اِلَى اللّٰهِ

---

۱۔ صحیفہ سجادیہ، دُعا ۴۷۔

۲۔ صحیفہ سجادیہ، دُعا ۴۴۔

سُبْحَانَهُ، حَاجَةٌ فَابْدَأْ بِمَسْأَلَةِ الصَّلَاةِ عَلىٰ رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ سَئَلَ حَاجَتَكَ "(۱) اگر تمہیں پروردگار سے کوئی حاجت ہو۔ پس اپنی حاجت کو رسول خداؐ پر درود بھیجنے سے آغاز کرو، پھر اپنی حاجت کو طلب کرو۔ اب یہ امت مسلمہ کے لیے سنتِ حسنہ بن چکی ہے۔ کہ اپنی حاجات پر مشتمل دعاؤں کو رسولؐ وآل رسولؐ پر درود بھیجتے ہوئے خدا کے حضور بیان کریں۔ حقیقت میں یہ اسی توسّل کا دستورالعمل ہے۔ دعاؤں کی قبولیت اور خدا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے رسول خداؐ سے متوسّل ہوجانا اور ان پر درود بھیجنا " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ " اسی لیے ائمہ معصومینؑ سے منسوب دعاؤں میں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ خدا سے کوئی حاجت طلب کی ہو اور اس کا آغاز یا اختتام درود شریف سے نہ ہوا ہو۔ نیز بطور صراحت ان ہستیوں کی عظمت کو قبولیت دعا اور حاجت برآوردہ ہونے کے لیے ذکر نہ کیا ہو۔

### قبولیت اعمال کے لیے توسّل ضروری ہے:

اس باب میں بندوں کے اعمال صحیح ہونے اور ان کی قبولیت کے لیے (ولایت) اہل بیتؑ عصمت و طہارت ضروری ہے۔ اس حوالے سے متعدد احادیث ذکر ہوئی ہیں۔ بنیادی بات یہی ہے کہ تمام دینی فعالیتوں اور بندوں کے تمام اعمال کے لیے اولیائے خدا کی عنایت، اُن کی مودّت، یا ان سے طلب شفاعت اور متوسّل ہوئے بغیر مقصد تک پہنچنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے

۱۔ نہج البلاغہ، باب الحکمت، ۳۵۳۔

میں ایک روایت کی طرف توجہ فرمائیں۔

☆ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْاَنَّ عَبْداً جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِعَمَلِ سَبْعِيْنَ نَبِيّاً مَاقَبِلَ اللّٰهُ ذَالِكَ مِنْهُ حَتّٰى يَلْقَاهُ بِوِلَايَتِىْ وَوِلَايَةِ اَهْلِ بَيْتِىْ" (۱) رسول خداؐ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر کوئی بندہ قیامت کے دن ستر انبیاءؑ کے اعمال کے ہمراہ بھی آجائے تو خداوندمتعال پھر بھی اسے قبول نہیں کرے گا جب تک وہ میری اور میرے اہل بیتؑ کی ولایت کے ہمراہ خداوندمتعال سے ملاقات نہ کرے۔

☆ اسی طرح ایک اور حدیث نبویؐ ہے:" فَوَالَّذِىْ بَعَثَنِىْ بِالْحَقِّ نَبِيّاً لَوْجَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَعْمَالٍ كَاَمْثَالِ الْجِبَالِ وَلَمْ يَجِئْ بِوِلَايَةِ عَلِىِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَاَ كَبَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِى النَّارِ" (۲) اُس ذات کی قسم جس نے مجھے مبعوث بہ رسالت فرمایا اگر تم میں سے کوئی قیامت کے دن اپنے نیک اعمال کو پہاڑوں کی طرح بھی لے کر آئے اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت اس میں نہ ہوتو یقیناً خداوندمتعال اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ یہ بھی رسول خداؐ سے منقول ہے کہ:

☆ معراج کی رات انوارِ خمسۂ طیبہ یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، الحسنؑ والحسینؑ کی شرافت وعظمت اور مخلوقات میں ان کے مقام ومنصب کا تذکرہ ہوا تو خداوندمتعال

---

۱۔ بحارالانوار، جلد ۱۵، ص ۱۷۲۔ ۲۔ بحارالانوار، ج ۲۷، ص ۱۷۱، حدیث ۱۲۔

نے فرمایا: ''يَا مُحَمَّدُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْاَنَّ عَبْداً عَبَدَنِيْ حَتّٰى يَنْقَطِعَ اَوْيَصِيْرَ كَالشَّنِ الْبَالِيْ ثُمَّ اَتَانِيْ جَاحِداً لِوِلَايَتِهِمْ لَمْ اُدْخِلْهُ جَنَّتِيْ وَلَااَظْلَلْتُهُ تَحْتَ عَرْشِيْ'' (۱) اے محمدؐ! اپنی عزت وجلال کی قسم اگر کوئی بندہ اس حد تک میری عبادت کرے کہ کثرت عبادت کی وجہ سے اس کی طاقت ختم ہو جائے مزید عبادت و بندگی کے لیے ہمت و طاقت نہ ہو مشکیزہ کی مانند پرانا اور کمزور ہو جائے اور پھر خاندان نبوتؐ کی ولایت کے بغیر میری طرف رخ کرے تو میں اسے جنت میں داخل نہیں کروں گا اور اپنے عرش کے نیچے جگہ نہیں دوں گا۔

☆ ابوحمزہ ثمالیؒ سے منقول ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: کائنات میں سب سے افضل جگہ کون سی ہے۔۔۔؟ ہم نے جواب دیا خدا اور رسولؐ اور فرزند رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اِنَّ اَفْضَلَ الْبِقَاعِ مَابَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ، وَلَوْاَنَّ رَجُلاً عُمِّرَ مَاعُمِّرَ نُوْحٌ فِيْ قَوْمِهِ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًايَصُوْمُ النَّهَارَوَيَقُوْمُ اللَّيْلَ فِيْ ذَالِكَ الْمَوْضِعِ ثُمَّ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِوِلَا يَتِنَالَمْ يَنْفَعْهُ ذَالِكَ شَيْئاً'' (۲) مسجد الحرام میں سے افضل ترین جگہ رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیمؑ) کے درمیان ہے اگر کوئی حضرت نوحؑ کی عمر کے برابر اپنی قوم و قبیلے میں زندگی گزارے یعنی نوسو پچاس سال تک اس مقام پر دن کو روزہ رکھے اور رات کو شب بیداری کرے اور آخر الامر بغیر ولایت اہلبیتؑ کے خداوند متعال سے ملاقات کرے، یہ ساری عبادتیں اس کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوں گی۔

............ ............

۱۔ بحار الانوار، جلد ۲۶، ص ۳۰۸۔ ۲۔ بحار الانوار، جلد ۲۷، ص ۱۷۲ اور ۱۷۳۔

☆ ایک دوسرا راوی، میّسر کہتا ہے حضرت امام جعفر صادقؑ کی محفل میں پہنچا میں نے عرض کیا آپؑ پر قربان ہو جاؤں، میرا ایک ہمسایہ ہے راتوں کو میں اس کی آواز سن کر بیدار ہوتا ہوں دیکھتا ہوں یا وہ قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوتا ہے یا آیات الٰہی کو ورد کرتے ہوئے گریہ وزاری میں مشغول ہوتا ہے یا دعا و مناجات کی حالت میں ہوتا ہے۔ میں نے دوسروں سے بھی اس کی خلوت وجلوت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا یہ شخص تمام گناہوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے میّسر۔۔۔! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ ولایت اہل بیتؑ پر ثابت قدم ہے۔ میں نے جواب دیا، خدا کو معلوم ہے۔

یہ واقعہ گزر گیا۔ دوسرے سال میں حج کے لیے گیا اور اس شخص کے بارے میں جستجو کی تو معلوم ہوا کہ وہ ولایت اہل بیتؑ سے محروم ہے۔ امامؑ کی محفل میں اس کے بارے میں پھر گفتگو ہوئی آپؑ نے فرمایا "یَعْرِفُ شَیْئاً مِمَّا اَنْتَ عَلَیْہِ" ؟ کیا تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ان کے پاس بھی ہے۔ میں نے جواب دیا ایسا نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا:

"یَا مُیَسَّرَ، اَیُّ الْبِقَاعِ اَعْظَمُ حُرْمَۃً؟" اے میسّر۔۔۔! کائنات میں سب سے افضل جگہ کون سی ہے؟ میں نے جواب دیا، خدا اور رسول خداؐ اور فرزند رسولؑ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا "یَا مُیَسَّرُ، مَابَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمَا بَیْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَلَوْاَنَّ عَبْداً عَمَّرَہُ اللّٰہُ فِیْمَا بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ وَفِیْمَا بَیْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ یَعْبُدُہُ اَلْفَ عَامٍ ثُمَّ ذُبِحَ عَلٰی فِرَاشِہٖ مَظْلُوْماً کَمَا یُذْبَحُ الْکَبْشُ الْاَمْلَحُ ثُمَّ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ بِغَیْرِ

وِلَايَتِنَا لَكَانَ حَقِيْقاً عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يُكِبَّهُ عَلٰى مِنْخَرَيْهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ" (۱) اے میسّر۔۔۔!مسجد الحرام میں رکن اور مقام کے درمیان کا فاصلہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور مسجد النبیؐ میں قبر اور منبر کے درمیان کا فاصلہ بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اگر خدا کسی کو زندگی دے اور وہ ایک ہزار سال تک رکن اور مقام کے درمیان اور قبر و منبر کے درمیان عبادت کرے اور آخرالامر مظلومانہ طریقے سے اپنے بستر پر ایک خوبصورت دنبے کی مانند ذبح ہو جائے اور سر تن سے جدا ہو جائے، جب کہ وہ ہماری ولایت سے محروم ہو تو یقیناً خداوند متعال اسے آتش دوزخ میں ڈال دے گا۔

## ایک اصول:

اس نکتے کو بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ بندوں کے اعمال صحیح ہونے اور قبولیت کے لیے ولایت ائمہ ہدیٰ علیھم السلام تواتر کی حد تک ہے۔ بنابرایں سند کو خدشہ دار کرنے کے لیے کوئی موقع روایات سے باقی نہیں رہتا ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں اپنے کلام کے ذیل میں فرمایا ہے:

" وَاعْلَمْ اَنَّ الْإِمَامِيَّةَ اَجْمَعُوْا عَلٰى إِشْتِرَاطِ صِحَّةِ الْاَعْمَالِ وَقُبُوْلِهَا بِالْإِيْمَانِ الَّذِيْ مِنْ جُمْلَتِهِ الْإِقْرَارُ بِوِلَايَةِ جَمِيْعِ الْاَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَإِمَامَتِهِمْ ،وَالْاَخْبَارُ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ مُتَوَاتِرَةٌ بَيْنَ الْخَاصَّةِ وَالْعَامَّةِ " (۲)

---

۱۔ بحارالانوار، جلد ۲۷، ص ۱۷۹ اور ۱۸۰، حدیث ۲۷۔

۲۔ بحارالانوار، جلد ۲۷، ص ۱۶۶۔

جان لو امامیہ مذہب کے لوگ بالاتفاق اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ اعمال کی قبولیت اور صحیح ہونے کے لیے ایمان شرط ہے اور ایمان کے ارکان میں سے ایک ائمہ معصومینؑ کی ولایت وامامت کا اقرار کرنا ہے اس مطلب پر دلالت کرنے کے لیے تواتر کی حد تک شیعہ اور اہل سنت کے درمیان روایات موجود ہیں۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ بندوں کے اعمال صحیح ہونے اور قبول ہونے کے لیے ولایت اہل بیتؑ کی شرط ہونا توسّل اور طلب شفاعت کے مصادیق میں سے ایک ہے۔ ہر انسانِ مکلّف کے لیے مقام عبودیت اور تقرب الی اللہ کے درجے کو حاصل کرنے کے لیے ان مقدس ہستیوں کے دامن تھامے ہوئے اللہ کے حضور ان مقربان الٰہی کو واسطہ اور شفیع قرار دیتے ہوئے "اَللّٰـهُ نُوۡرُالسَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" سے طلب فیض کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ اللہ ہر اس شخص کو اپنے گھر کے دروازے سے دور کرے گا جو اہل بیتؑ سے دور ہے "عَنۡ اَبِىۡ عَبۡدِاللّٰـهِ عَلَيۡهِ السَّلَامُ،قَالَ:عَبَدَاللّٰهِ حِبۡرٌ مِنۡ اَحۡبَارِبَنِىۡ اِسۡرَائِيۡلَ حَتّٰى صَارَمِثۡلَ الۡخِلَالِ، فَاَوۡحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى نَبِىِّ زَمَانِهٖ:قُلۡ لَهٗ وَعِزَّتِىۡ وَجَلَالِىۡ وَجَبَرُوۡتِىۡ لَوۡاَنَّكَ عَبَدۡتَنِىۡ حَتّٰى تَذُوۡبَ كَمَا تَذُوۡبُ الۡاَلۡيَةُ فِى الۡقِدۡرِمَا قَبِلۡتُ مِنۡكَ حَتّٰى تَأۡتِيَنِىۡ مِنَ الۡبَابِ الَّذِىۡ اَمَرۡتُكَ "(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک عالم دین نے اس حد تک اللہ کی بندگی کی کہ اس کا جسم کثرت عبادت کی وجہ سے خشک

ا۔ بحارالانوار، جلد۲۷، ص۱۷۶، حدیث ۲۳۔

لکڑی کی طرح ہوا۔ پس پروردگار عالم نے اُس دور کے نبیؑ پر وحی نازل کی کہ میرے بندے سے کہو میری عزت وجلال اور کبریائی کی قسم اگر میری عبادت کی راہ میں اس حد تک سختیوں کو برداشت کرے کہ جس طرح دنبے کا گوشت دیگچی میں گل جاتا ہے پھر بھی میں تمہارے اعمال قبول نہیں کروں گا، جب تک کہ تم اس دروازے سے داخل نہ ہو جاؤ، جس کا میں نے حکم دیا ہے۔ پس یہاں تک معلوم ہوا کہ توسّل اور طلب رحمت وشفاعت کرنا ہر اُس موجود سے جس کی وہ صلاحیت رکھتے ہیں، چاہے وہ حاجت فردی ہو یا اجتماعی، دنیوی ہو یا اُخروی، یہ ایک مسلمہ فطری قانون ہے جو ہمیشہ سے اس طبعی کائنات میں جاری وساری ہے۔ قرآن مجید نے بھی احکام اور قوانین فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے امّت مسلمہ کو کمالات کے عظیم مدارج پر فائز ہونے کے لیے حبل اللہ سے اعتصام اور وسیلے کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسی طرح ائمہ دینؑ اور برحق ہدایت کے چراغوں نے اپنی گفتار و کردار سے اُس فطری اور قرآنی قانون کو موردِ تائید قرار دے کر اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ تقرب الٰہی اور فیاض کے سرچشمے سے کسب فیض کرنے کے لیے اولیائے حق اور عبادِ مخلصین سے متوسّل ہو جائیں۔ نیز ان کی رہنمائی اور ہدایات کی روشنی میں قرب الٰہی اور اپنی مطلوبہ سعادت تک پہنچ جائیں۔

# فصل ششم

# عقیدۂ توسّل پر شبہات

اعتراضات وجواب

## عقیدہ توسّل پر شبہات

یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ کائنات کے موجودات اپنے وجود میں مختلف درجات اور مختلف توانائیاں رکھتے ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر عاقل انسان کو دوسرے موجودات سے ان کی توانائی کے مطابق اثر کا انتظار کرنا چاہیے اس سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ بنابراین ایک مرد دانا کسی جاہل انسان سے تعلیم کی گزارش کرے گا اور نہ کسی نابینا انسان سے رہنمائی کا مطالبہ کرے گا جبکہ اسی جاہل انسان سے کسی سنگین بوجھ کو اٹھانے کے لیے مدد کا خواستگار ہو گا اور اسی نابینا انسان سے روحانی وعظ وہدایت کا تقاضا کرے گا۔ بنابر این توسّل اور طلب شفاعت کا مسئلہ قدرت کے شناخت شدہ قوانین میں سے ہے۔

اسی بنیاد پر مذہب حقہ شیعہ امامیہ کے پیروکار بہت زیادہ (عقلی اور قرآنی) دلائل کے ہمراہ اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول خداؐ اور ان کے برحق جانشین ائمہ ہدیٰؑ خداوند متعال کی جانب سے منبع دینی کے مقام پر فائز ہیں۔ نیز احکام اور آفاقی شریعت کو تمام افراد بشر کو بیان کرنے کے لیے وسیلہ ہیں۔ روح انسانی کو سیر وسلوک دینے، اللہ کا قرب حاصل کرنے، نفوسِ بنی آدمؑ کو کمال کی طرف لے جانے، کائنات کے تمام حصوں میں حق تصرف رکھنے، مشکلات کو حل کرنے، نیز حاجات کو برآوردہ کرنے اور بلاؤں کو دفع کرنے میں خدا کے فضل وکرم سے بے پناہ طاقت رکھتے ہیں۔

ہاں! ایسے عقیدے کو قرآن، عقل اور احادیث سے حاصل کرنے کے بعد بغیر کسی وہم وتردید کے خدا کی طرف سے اجازت پانے والی ان ہستیوں کی طرف

متوسّل اور طلب شفاعت کرنے والے ہاتھوں کو پھیلاتے ہیں۔ خداداد صلاحیتوں سے مشکلات کی دوری اور سختیوں میں مدد طلب کرتے ہیں، نیز ان مقدس ہستیوں کے وسیلے سے ذات واجب الوجود سے کسب فیض کرتے ہیں۔ البتہ خدا کی طرف سے خارق العادت (غیر معمولی) طاقت رکھنے والے محمدؐ وآل محمدؐ ہیں۔

وسرے الفاظ میں عقلی اور نقلی دلائل کی رو سے ان کے لیے ولایت تکوینی ثابت ہے۔ محققین کی جانب سے اس حوالے سے کتابیں اور مقالے چھپ چکے ہیں۔ البتہ ہمارا موضوع توسّل کو ثابت کرنا ہے ہمارا انہی ہستیوں سے مدد مانگنا ایک فطری قانون ہے، جس کے لیے عقل اور شریعت میں کوئی منع نہیں ہے بلکہ بطور صراحت ترغیب دلائی گئی ہے۔

## اعتراضات وجوابات

**الف) اہم شبہ ''شرک'':**

انتہائی اہم شبہات میں سے ایک شرک ہے، جس کا وہابیت نے انتہائی فعالانہ طریقے سے ذکر کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس فرقے کے لوگوں نے کلمہ شرک کے اتنے معانی اپنے طور پر تراشے ہیں، شیعوں کے زیادہ تر عقائد پر اسی بہانے سے شرک کا لیبل لگاتے ہیں اور ان راسخ العقیدہ خدا پرست لوگوں کو مشرک کہہ کر پکارتے ہیں گویا کہ الفاظ ومعانی اور لغات کا انتخاب ان کے ہاتھوں میں ہے اور وہ مفاہیم کے تصرف اور تطبیق میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ شرک کا کلمہ شریعت کی رو سے ایک خاص معنی اور مشخص مفہوم کا نام ہے، جو کسی بھی حوالے سے مذہب حقہ کے عقائد کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ اب ہم مختصر طور پر اس حقیقت

کو روشن کرنے کے لیے توحید کے معنی اور مراتب پر عقلی اور قرآنی دلائل کی رو سے روشنی ڈالتے ہیں پھر ہم شرک کے معنی اور اس کی اقسام کو بیان کریں گے، پھر اس کے بعد شیعوں کے عقائد کو اولیائے الٰہی اور مقربین درگاہ الٰہی سے توسّل اور طلب شفاعت کو بیان کریں گے۔ (تا سیہ روی شود ہر کہ دراو غش باشد) تا کہ جس کے سینے میں منافقت ہے اس کا منہ کالا ہو۔

## توحید اور اس کی اقسام:

خدا پر عقیدہ رکھنے والے دین داروں کی اصطلاح میں توحید سے مراد رب ذوالجلال کی یکتائی کو تسلیم کرنا ہے اور اس کے چار ستون ہیں۔

### توحید ذاتی:

اس بات پر عقیدہ رکھنا کہ وجود اللہ جل جلالہ اپنی ذاتی حقیقت میں لامحدود اور ہر قسم کی علت سے بے نیاز ہے جسے واجب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مختلف دلائل بطور تفصیل ذکر ہوئے ہیں۔ وہ ایسا واحد ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ بنابرایں نہ اس کی کوئی شبیہ ہے اور نہ کوئی شریک ہے۔ کیوں دیگر موجودات عموماً اپنے وجود میں محدود اور کسی علت کی طرف محتاج ہیں اور ممکن الوجود سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

### توحید صفاتی:

یعنی اس کی صفات عین ذات اور ذات عین صفات ہے۔ جیسا کہ اس کے کمالاتی صفات مثلاً زندگی، علم، طاقت، مدرک وغیرہ اس کی ذات سے متحد ہیں نہ صفات ذات کے ساتھ مغائرت رکھتے ہیں۔ اور نہ ان صفتوں کے درمیان میں کوئی

فرق ہے، بلکہ ذات واحد ایسا یکتا ہے کہ اس کے کمال لامحدود اور اس کی زندگی، علم اور طاقت وغیرہ بھی لامحدود ہیں۔ بنابرایں اس حوالے سے بھی پروردگار عالم کی نہ کوئی شبیہ ہے اور نہ کوئی مثل ہے۔ کیوں کہ دیگر موجودات میں، ان کی صفات ذات سے الگ ہیں اور ہر صفت دوسری صفات سے ممتاز ہے۔ یعنی یہ تمام صفات، ممکنات میں سے ہیں، یعنی سرچشمۂ کمال سے عطا شدہ ہیں۔ نیز کوئی بھی موجود اُسی کے علاوہ اپنی ذات میں کمالات کی صفات سے آراستہ نہیں ہے۔

حبل سکینہ
حیدرآباد، سندھ، پاکستان

توحید افعالی:

یعنی اس بات پر عقیدہ رکھنا کہ ہر مخلوق کو ایجاد کرنے میں صرف خدا کی مقدس ذات ہی مستقل ہے، کوئی بھی موجود خدا کے علاوہ اپنے وجود میں مستقل نہیں۔ پس وہ ایجاد کرنے میں بھی مستقل نہیں ہیں بلکہ اثر گزاری، فعل و انفعال یا کسی بھی قسم کی کوئی خاصیت کسی بھی مخلوق سے ظاہر ہو جائے۔ درحقیقت خدا کی طاقت وقدرت سے یہ معلول وجود میں آیا ہے اور جس وقت بھی وہ چاہے اس طاقت کو چھین بھی سکتا ہے، چاہے اس کام کو بجالانے والا غیر ارادی فاعل ہو۔ مثلاً پانی، آگ، سورج وغیرہ یا اس کام کو بجالانے ولا ارادی فاعل ہو مثلاً انسان۔ کیوں کہ انسان اپنے ارادے اور فعل دونوں میں مشیت الٰہی پر موقوف ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی انسان اپنے وجود اور ایجاد میں مستقل نہیں'' اور یہی عقیدہ یعنی خدا کے علاوہ فاعل کے مستقل ہونے یا نہ ہونے کی گفتگو شرک و توحید کا اصلی معیار ہے۔''

یعنی شرک سے مراد یہ ہے کہ فاعل اور اثر گزاری کے حوالے سے غیر خدا کو مستقل سمجھنا اور توحید افعالی سے مراد ہے کہ مستقل فاعل ذات پروردگار کو سمجھنا۔

دوسری عبارت میں توحید افعالی سے مراد تمام مخلوقات کو بالاذن فاعل سمجھنا اور کسی بھی مخلوق کو مستقل فاعل کے طور پر خدا کا شریک قرار نہ دینا۔ اور اس بات پر عقیدہ ویقین رکھنا کہ کوئی بھی اثر اور خاصیت خدا کی مشیت کے بغیر مخلوق سے ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ بنابرایں توحید افعالی اس معنی میں نہیں ہے کہ تمام موجودات سے اثر کو سلب کرنا اور فاعلیت کی نفی کرنا، کیوں کہ یہ حقیقت و وجدان کے خلاف ہے جبکہ ہم بطور آشکار دیکھتے ہیں کہ مخلوقات میں سے ہر مخلوق اپنی خدا داد طاقت و قدرت میں مخصوص قسم کی خاصیت اور اثر رکھتی ہے۔ چاہے وہ مضطر فاعل ہو یا مختار فاعل ہو۔ اس مخلوق سے کوئی فعل سرزد ہوتا ہے اور اس اثر کا وہ موثر بھی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مثلاً زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے پودے اور سبزے ہیں، جن میں رنگ وشادابی اور خوشبو پائی جاتی ہے اسی طرح جانور اور انسان کے لیے غذا بننا، بیماروں کے لیے شفایابی کا باعث بننا پودوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ جیسا کہ کھانا پینا، پہننا، اٹھنا بیٹھنا، سوچنا، گفتگو کرنا، خط لکھنا، عمارت کی تعمیر کرنا، یہ سب مختلف قسم کے آثار ہیں، جن کا انسان سے واسطہ ہے اور یہ سارے آثار انسان کے افعال کا نتیجہ ہیں۔ اس قسم کے افعال ارادی اور اختیاری ہیں جو صاحب ارادہ اور مختار (فاعل) سے سرزد ہوتے ہیں جب کہ پودوں کے گونا گوں آثار اضطراری افعال ہیں، جو بے اختیار اور لاچار فاعل سے ظہور پزیر ہوتے ہیں۔

پس تمام موجودات فاعلیت اور اثر اندازی کی خاصیت رکھتے ہیں۔ پس یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ توحید افعالی کا مطلب غیر خدا سے فاعلیت کی نفی اور اثر کو سلب کرنا ہے، بلکہ توحید افعالی کے صحیح معنی اثر اندازی میں مستقل ہونے کی حیثیت کو

سوائے خدا کے تمام موجودات سے سلب کرنا ہے، جو کہ تاثیر بالا ذن اور فاعلیت بالتخیر کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا ہے۔ جب ہم شرک کے لفظ کو ادا کرتے ہیں تو اس سے مراد غیر کو خدا کے کاموں میں شریک قرار دینا ہے، لیکن توجہ رکھنا ضروری ہے خدا کے کاموں سے مراد اثر اندازی میں مستقل ہونا ہے اور یہ صفت صرف خدا کے ساتھ مختص ہے اور کوئی بھی مخلوق اس حوالے سے خدا کی شریک نہیں ہے۔ ورنہ تو ہر مخلوق اپنی طاقت کے حساب سے (جسے خدا نے اسے بخشا ہے) کام کرنے اور ایجاد کی طاقت رکھتی ہے۔ جب وہ مخلوق اپنے خالق کی اجازت سے کسی کام کی بجا آوری کے لیے آمادہ ہو جائے تو خداوند متعال اثر اندازی کی طاقت کو بھی اسے بخشا ہے۔ پس اس حالت میں یہ فطری بات ہے کہ وہ ایجاد اثر اور فعالیت کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی اور موت پر بھی قدرت رکھتا ہے بیمار کو شفا اور نابینا کو بینائی عطا کرتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے۔ ”إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي“(۱) اس آیہ مجیدہ میں وضاحت کے ساتھ پرندوں کا پھونک مارنے سے زندہ ہونا، شخص مبروص کو شفا دینا، نابینا کو

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۰۔

بینائی عطا کرنا اور مُردوں کو زندہ کرنا یہ سب خدا کی اجازت سے عیسیٰؑ کا کارنامہ ہے۔ اور یہ بات سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس کو خدا کے کاموں میں مداخلت نہیں کہتے، بلکہ کہتے ہیں کہ خدا کی اجازت سے کام کرنا کیوں کہ خدائی کام صرف اُسی ذات کے ساتھ مختص ہیں یعنی وہ ذات تاثیر پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں مستقل ہے نہ یہ کہ ایک ایک فرد کو ایجاد کرتا ہے۔ چنانچہ کائنات کے موجودات اس کے وجود میں شریک نہیں ہوئے ہیں، بلکہ خدا کی اجازت سے وہ اپنے وجود رکھتے ہیں، جبکہ خدا کی ذات تو واجب الوجود ہے اور اپنی ذات میں مستقل ہے۔ بنابرایں کائنات کے موجودات اپنے وجود میں خدا کے شریک نہیں ہیں اور نہ ایجاد کرنے میں خدا کے شریک ہیں، بلکہ ان کے وجود اور ایجاد دونوں خدا کی اجازت سے ہیں۔ جیسا کہ آیہ مجیدہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کلمۂ "باذنی" چندبار تکراراً ذکر ہوا ہے۔ خلقتِ پرندہ، مردے کو زندہ کرنا، بیمار کو شفا دینا، نابینا کو بینائی عطا کرنا، یہ سب حضرت عیسیٰؑ کے لیے ثابت کرتے ہوئے تأثیر میں استقلال اور اصل عمل کو حضرت عیسیٰؑ کے لیے نفی کیا ہے۔ صرف خدا کو مستقل فاعل اور اصل مؤثر کے طور پر دکھایا ہے۔

یہ مطلب دوسری آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی یوں ذکر ہوا ہے۔

"أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللّهِ وَأُبْرِئُ الأكْمَهَ والأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللّهِ"(۱) میں تمہارے لیے مٹی

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۴۹۔

کے پیڑے سے پرندہ بنا کر اس میں روح پھونک دوں گا پس وہ اللہ کے اذن سے اڑے گا، مادر زاد اندھوں کو بینائی، برص کے بیماروں کو شفا دوں گا اور تمہارے مُردوں کو بحکم خدا زندہ کروں گا۔

## عبادت میں توحید:

یعنی اس بات پر عقیدہ رکھنا کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی موجود لائق پرستش نہیں ہے۔ عبادت سے مراد یہ ہے کہ اس کی تقدیس کے ہمراہ اپنی ذلت کا اظہار کرے اور خود کو اس کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ پیش کرے۔ یہ عقیدہ سابقہ تین اعتقادات کی وجہ سے انسان کے دل میں نمودار ہوتا ہے۔ جب انسان اُس بات پر عقیدہ رکھے کہ اصل وجود، مطلق کمال، ایجاد و تدبیر میں مستقل، ہر نعمت کا عطا کرنے والا، ہر بلا کو دفع کرنے والا یہ تمام صفات صرف ذات واحد میں منحصر ہیں۔ پس فطری طور پر اس بات پر بھی عقیدہ رکھے گا کہ صرف اس کی رضایت کو جلب کرنے، اس کے غیظ و غضب سے ڈرنے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اس کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے انسان کوشش کرے، اور خود کو اس کے مقابل ناقابل ذکر چیز سمجھتے ہوئے اسی کو اپنا سب کچھ سمجھے۔ اور وہ ذات لاثانی ذات ہے اسی طرح دوسروں کے سامنے تعظیم و خضوع بھی اسی کی رضایت اور اجازت سے ہونا چاہیے۔ کلمہ " لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" کی اصل حقیقت بھی یہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ پچھلے تینوں مراتب یعنی توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی، یہ تینوں توحید نظری کی اقسام ہیں۔ یعنی شناخت، غور و فکر اور آگاہی کا نام ہے۔ جبکہ چوتھا رتبہ، عبادت میں توحید ہے اور اس کو توحید عملی بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کا تعلق

انسان کے عمل سے ہے۔ یہ سیر وسلوک اور مطلق کمال تک جانے کا سبب ہے۔

یہ توحید کے بارے میں مختصر تحریر تھی۔ چنانچہ اس پر توجہ دینے کی وجہ سے شرک کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے، جو توحید کے مد مقابل ہے۔ یعنی ذات میں شرک، صفات میں شرک، افعال میں شرک اور عبادت میں شرک لیکن مخالفین نے اس موضوع کے حوالے سے شبہات ڈالے ہیں۔ بنابرایں ہم ان شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے خداوند متعال سے مدد چاہتے ہیں کیوں کہ وہ بہترین یاور اور مدد گار ہے۔

# شرک کی اقسام

یعنی غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دینا اور اس کی چار اقسام ہیں:

**الف: ذات میں شرک:**

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کا کائنات کو خلق کرنے میں ایک سے زیادہ پروردگار کا قائل ہونا جیسا کہ (مجوسیہ) دو خداؤں کے قائل ہیں (یزدان) اور (اہریمن)، نیز نصاریٰ تین اصول کے قائل ہیں (باپ، بیٹا اور روح القدس) وحدت جوہر کے ساتھ اس عقیدے کے معتقد ہیں اور یہ عقیدہ پروردگار عالم کے وجوب ذاتی (جو اپنی جگہ پر عقلی دلائل سے ثابت ہے) کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

**ب: صفات میں شرک:**

صفات خداوندی کو اس کی ذات سے الگ تصور کرنا (جیسا کہ ممکنات میں ہے) اس عقیدے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باالله وہ اپنی ذات میں ہر قسم کے کمال سے خالی ہو، مثلاً: زندگی، علم اور طاقت وغیرہ۔ اگر صفات کو حادث تصور کریں اور اگر صفات کو قدیم تصور کریں تو قدیم ہونے میں شریک کا قائل ہو۔ جب کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں اور کبھی بھی ذات واجب الوجود سے اس کی کمالی صفات جدا نہیں ہوسکتی ہیں۔ اُس صورت میں واجب الوجود اور لامحدود ہستی کا تصور نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر چینی سے حلاوت اور مکھن سے چربی کو جدا کرنا اور یہ اس بات کے مترادف ہے کہ مکھن اور چینی کا وجود ہی نہ ہو۔ کیوں کہ مکھن چربی کے بغیر، چینی مٹھاس کے بغیر اور نور روشنی کے بغیر ایک نامعقول تصور ہے۔ آیۂ مجیدہ ہے۔ "وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ"(۱)

## ج: افعال میں شرک:

اس سے مراد ہے کہ انسان خدا کے علاوہ کسی اور موجود کو بھی ایجاد، تخلیق اور تدبیر کے حوالے سے مستقل تصور کرے اور اسے مستقل فاعل کے طور پر خدا کا شریک قرار دے اور وہ موجود اپنے اثر، تدبیر اور ہر حوالے سے خدا کا محتاج نہ ہو، اپنے ارادے اور عمل میں مستقل اور خود کفیل ہو۔ چاہے وہ موجود اپنی تاثیر و تدبیر میں مستقل ہوتے ہوئے خدا کے شریک ہو یا کائنات میں تخلیق کے امور کو اس کے حوالے کیا ہو۔ عمل اور فعل میں شریک ہونے کی مثال یہ ہے کہ جیسے دو یا دو سے زیادہ طاقتور اشخاص ایک دوسرے کے تعاون سے کسی بڑے پتھر کو زمین سے اٹھاتے ہیں، اس صورت میں ان میں سے ہر شخص پتھر کو اٹھانے میں ایک دوسرے کی طرف محتاج ہے۔ جب کہ اپنی مخصوص طاقت میں ان میں سے ہر ایک مستقل ہے اور دوسروں سے بے نیاز ہے۔ یہاں پر بھی اگر غیر خدا کو خدا کے ساتھ شریک قرار دیں تو العیاذ باللہ خداوند متعال اپنی محدود طاقت کی وجہ سے کائنات کے نظام کو چلانے میں دوسرے موجود کی طرف محتاج ہوگا اور دوسرا موجود اپنی مخصوص طاقت کی بنا پر خدا سے بے نیاز ہوگا۔ اور تفویض کی صورت یہ ہے کہ پروردگار عالم نے کائنات کو خلق کرنے کے بعد امور کو چلانے، زندگی اور موت دینے، عزت و ذلت اور رزق دینے سے لاتعلق ہو کر اسے مخلوقات کے لیے یا ان میں سے چند مشخص افراد کے لیے

ا۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۴۳۔

تفویض کر دیا ہے، جیسا کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ نظام کائنات کو چلانے کے حوالے سے خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ آیۂ مجیدہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ''وَقَالَتِ الْیَهُودُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ''(۱) یہود نے کہا کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ بعض غالیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جنہیں مُفَوّضہ بھی کہا جاتا ہے۔ ''اَلْعَیَاذُ بِاللّٰهِ'' خلق کرنا، رزق دینا، زندگی اور موت دینا، شفا دینا، مشکلات کو حل کرنا ان سب کو خدا نے ائمہ معصومینؑ کے حوالے دیا اور خود لاتعلق ہوگیا ہے۔ ''تَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلَ الْجَاهِلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا'' ان دونوں عقیدے کے لوگ (اشتراک و تفویض) حقیقی موحدین کی نگاہ میں مشرک اور اہل باطل ہیں۔ نہی شرعی کے علاوہ عقلاً بھی محال ہے یعنی فعل میں خالق اور مخلوق کا اشتراک اسی طرح عمل کو مخلوق کے لیے چھوڑنا اور خود گوشہ گیری اختیار کرنا یہ عقل سلیم کی رو سے محال اور واقع ہونا منع ہے، کیوں کہ وہ مخلوق جو ممکن الوجود ہے اور ذاتی طور اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی ہے اور وہ ہر سانس اور ہر قدم پر پروردگار عالم کے فیض کی طرف محتاج ہے وہ کہاں وجود حاصل کرنے کے بعد ایجاد اثر کرسکتا ہے۔ پس اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی پروردگار عالم کے فیض سے محروم ہو جائے اس وقت اس کا وجود خود خطرے میں پڑ جائے گا۔ چہ جائے کہ وہ ایجاد کرنے کی طاقت حاصل کرے۔ ہاں ممکن کا وجود واجب الوجود سے مربوط کیے بغیر اور خالق پر انحصار کیے بغیر کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں رکھتا ہے۔ ممکن الوجود کے لیے مستقل ہونے کا تصور نا معقول ہوگا۔ مستقل مخلوق کہہ کر پکارنا ایک ایسا کلام ہے کہ جس سے تناقض لازم آتا ہے

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۶۴۔

کہ وجود اور عدم دونوں ساتھ ہوں اور یہ بھی محال ہے۔

## عمل میں عدم استقلال یا جبر:

اس نکتے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ انسان کا عمل میں عدم استقلال عمل میں جبر کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے کیوں کہ مقام فعل میں انسان کا صاحب اختیار اور آزاد ہونا بدیہیات میں سے ہے، جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے ہی نہیں۔

### خلاصہ کلام:

یہی ہے کہ انسان نے اس اختیار اور آزادی کو اپنی چاہت اور عمل میں مشیت الٰہی سے حاصل کیا ہے۔ اسی طرح وہ ہمیشہ خدا کی جانب زندگی، طاقت، ارادہ اور حریت حاصل کرنے میں مشیت خدا کی طرف محتاج ہے۔ خدا کی مشیت سے ہی وہ اپنے افعال میں صاحب مشیت، صاحب اختیار اور آزاد ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ انسان مقام فعل میں نہ مستقل ہے اور نہ مجبور، بلکہ وہ خود مختار فاعل ہے جو عمل میں آزادی اور اختیار رکھنے کے باوجود اپنی ذات کے علاوہ بھی بھروسا کیے ہوئے ہے یعنی وہ ایسا مختار ہے جو کسی اور پر تکیہ کیے ہوئے نہ مجبور ہے اور نہ مستقل۔ چنانچہ ہم نماز میں انہی جملوں کو ادا کرتے ہیں "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"(۱) ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت انسان کا عمل ہے اور اس کے اختیار سے ادا ہوتی ہے۔

۱۔ سورۂ الحمد، آیت ۵۔

ورنہ "نعبد" کہنا بے معنی ہو جائے گا۔ ہاں عبادت کی بجا آوری انسان کا فعل ہے لیکن خدا سے مدد چاہتے ہوئے انجام دی جا رہی ہے۔ اسی لیے "ایاك نعبد" کے فوراً بعد" وایاك نستعین "کا ذکر ہوا ہے تاکہ اختیاری فاعلیت کو ثابت کرتے ہوئے استقلالی فاعلیت کی نفی کرے ۔نماز میں مستحب اذکار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ( بِحَوْلِ اللّٰہِ وَ قُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ ) خدا کی طاقت اور حرکت سے اٹھتا اور بیٹھتا ہوں۔ اس عبارت میں بھی قیام وقعود کو انسان کے ساتھ نسبت دی گئی ہے، انسان کا تعارف ان دونوں افعال کے فاعل کے طور پر ہوا ہے لیکن طاقت اور حرکت کے حوالے سے یہ دونوں عطائے پروردگار ہے۔

## انسان کی فاعلیت کے حوالے سے امیر المومنینؑ کا عمیق بیان:

حضرت امام علی نقیؑ سے ایک تفصیلی روایت ذکر ہوئی ہے کہ کسی شخص نے امیر المومنینؑ سے کاموں میں انسان کی طاقت اور استطاعت کے بارے میں سوال کیا کہ انسان افعال واعمال کو اپنی قدرت واستطاعت سے بجالاتا ہے یا استطاعت سے خالی ہے؟ اگر خود طاقت وتوانائی رکھتے ہوئے بجالاتا ہے، پس انسان کے اختیاری عمل میں تقدیر خدا کی مداخلت کیوں؟ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا "سَأَلْتَ عَنِ الْاِسْتِطَاعَةِ، تَمْلِکُھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْمَعَ اللّٰہِ؟ "یعنی تم نے استطاعت کے بارے میں سوال کیا ہے تو بتاؤ کیا خدا کی دخالت کے بغیر اور اپنے طور پر اس استطاعت کے مالک ہو یا خدا کی وجہ سے۔۔۔؟ سوال کرنے والا حیران رہ گیا کہ میں کیا جواب دوں۔۔۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم کہو کہ خدا اور تم دونوں اس استطاعت کے مالک ہو تو میں تم کو قتل کروں گا۔ پس تم نے خدا کے

کاموں میں خود کو بھی شریک قرار دیا اور یہ شرک ہے۔ اگر تم کہو کہ خدا کے بغیر اس استطاعت کا مالک ہوں تو پھر بھی تمہیں قتل کروں گا، کیوں کہ اس صورت میں تم نے خود کو مستقل اور خدا سے بے نیاز قرار دیا اور یہ بھی کفر ہے۔۔۔اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تم وجوب ذاتی میں خدا کے شریک ہو۔ سائل نے عرض کیا۔ پس میں کیا کہوں؟ فرمایا" تَقُوْلُ اِنَّكَ تَمْلِكُهَا بِاللّٰهِ الَّذِیْ یَمْلِكُهَا مِنْ دُوْنِكَ،فَاِنْ یُمَلِّكْهَا اِیَّاكَ كَانَ ذَالِكَ مِنْ عَطَائِهٖ،وَاِنْ یَسْلُبْكَهَا كَانَ ذَالِكَ مِنْ بَلَائِهٖ ،هُوَالْمَالِكُ لِمَا مَلَّكَكَ وَالْقَادِرُ عَلٰی مَاعَلَیْهِ اَقْدَرَكَ "(۱)

اس طرح کہنا چاہیے کہ تم خدا کی چاہت اور مشیت سے استطاعت کے مالک ہو، جب کہ وہ اسی حالت میں بھی تمہارا مستقل مالک ہے۔ اگر اُس مقدس ذات نے استطاعت کو تیری ملکیت میں دے دیا تو یہ اُس کی عطا ہے اور اگر اس کو روک دیا تو یہ تمھارے لیے آزمائش اور امتحان ہے۔ وہ اس چیز کا بھی مالک ہے ،جس کے لیے تمہیں مالک بنایا ہے۔ اور اس چیز پر بھی طاقت رکھتا ہے، جس کے لیے تمہیں طاقت دی ہے۔

یعنی تم کام کرنے پر استطاعت رکھتے ہو اور صاحب اختیار بھی ہو لیکن صاحب اختیار اور استطاعت کا مالک ہونے کے باوجود غیر کی طرف محتاج ہو اور قائم بذات بھی نہیں، جبکہ خدا تمہاری استطاعت اور طاقت دونوں کا مالک ہے جبکہ وہ اپنی ملکیت میں مستقل اور قائم بذات ہے۔ اگر خدا کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دے تو اس کا

۱۔ تحف العقول، ص ۳۴۵، واحتجاج طبرسی، جلد۲، ص ۲۵۵۔

مطلب یہ نہیں ہے کہ اب یہ چیز اس کی ملکیت سے باہر ہے بلکہ اس کی حقیقت اپنی ملکیت کو پھیلاتے ہوئے اپنی مکمل طاقت وقدرت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اسی طرح ارادۂ خداوندی کے مدمقابل انسان کا عدم استقلال افعال میں مجبور ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی چاہت اور مشیت سے صاحب ارادہ ہوگا اور اپنی مشیت سے جو خدا کی ملکیت ہے میدان عمل میں وارد ہوتا ہے۔ ہاں اللہ رب العزت نے ایسا ہی چاہا ہے کہ انسان کے وجود میں چاہت کا جذبہ کارفرما ہو اور اپنی چاہت سے ہی کام کرے۔ پس حقیقت میں انسان کا چاہنا بطور مستقیم خدا کی چاہت کا معلول ہے نہ (توجہ دیں) دوسرے الفاظ میں انسان کا کام بطور مطلق خدا کی چاہت اور ارادہ نہیں بلکہ انسان کا کام چاہنے کے قالب میں اس کی مشیت اور اختیار سے صادر ہوتا ہے، جو خدا کی چاہت اور ارادے سے وابستہ ہے۔ خدا نے چاہا ہے کہ انسان اپنی چاہت اور اختیار سے کام کرے نہ کہ جبر واضطرار کے ساتھ۔ اور یہ اسی اختیار کے معنی میں ہے جو عدم استقلال کی طرف اشارہ ہے جس کا تقاضا یہی ہے کہ انسان درحقیقت انسان ہونے کے ناتے اپنے مخلوق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

### کائنات کے نظام میں نظم وضبط:

اگر یہاں پر ایک عمیق فلسفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھیں تو مناسب ہوگا اور وہ یہ ہے کہ علم فلسفہ اور حکمت الٰہی میں ایک انتہائی قیمتی بحث یہ ہے کہ خلقت کا آغاز کیسے ہوا اور کس طرح پروردگار عالم سے موجودات کا ظہور ہوا؟ اس بحث میں یقینی عقلی دلائل کے ساتھ ثابت ہے کہ خدا کا فعل اور اشیا کا خدا کی ذات

سے صدور ہونا ایک خاص نظام اور ترتیب کے ذریعے ہے۔ دوسرے الفاظ میں اشیا کی نسبت میں خدا کی فاعلیت ایک معینہ نظام اور مشخص ترتیب کی بنا پر رواں دواں ہے۔ یعنی ذات کبریا کی بلندی وعظمت کا تقاضا یہی ہے کہ موجودات کا سلسلہ ایجاد و خلقت کے حوالے سے اپنے وجود میں شدت وضعف کے ہمراہ ایک دوسرے کے پیچھے ہو اور ایک کے بعد دوسرا الاشرف فالاشرف کے مصداق کے تحت ظہور پزیر ہو جائے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے خاص مقام میں اپنے سے پہلے مقام کا معلول ہو اور اپنے بعد کے لیے سبب اور علت ہو۔ ان اوصاف کی روشنی میں تمام موجودات ایک مخصوص علت ومعلول کے مطابق عالم وجود میں آئے ہیں اور یہ حقیقت میں اسی واحد کے ایجاد کردہ ہیں جو تمام معلول کی علت اور تمام مخلوق کا خالق ہے۔

ارشاد رب العزت ہے ''وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ''(۱) ہمارا کام تو بس آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک کام ہوتا ہے۔ عین وحدت کے ساتھ ایجاد میں درجات ومراتب رکھتا ہے اور اپنے سے نیچے تمام مراتب کا منشا واقع ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر سورج کی روشنی آئینے پر پڑتی ہے اور آئینے سے دیوار پر پڑتی ہے اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے کہ دیوار کی روشنی آئینے سے ہے لیکن یہ بھی بدیہیات میں سے ہے کہ آئینے کی روشنی سورج سے ہے۔ پس حقیقت میں ایک ہی کرن ہے، جو سورج سے پھوٹتی ہے۔ پہلے آئینے کے صفحے پر پھر دیوار کے سینے پر

۱۔ سورۂ قمر، آیت ۵۰۔

ظاہر ہوتی ہے۔ آئینے میں خود سے روشنی نہیں ہے اور نہ سورج بغیر کسی وسیلے کے اپنی روشنی کو دیوار تک پہنچا سکتا ہے۔

یہ بات چہاردہ معصومینؑ اور زبان وحی سے بھی واضح لفظوں میں بیان ہو چکی ہے۔ اور اس کو مختلف عناوین کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے

**ملائکہ رب کا لشکر ہیں:**

''وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هوُ''(۱)

**ملائکہ اللہ کے کاموں کے منتظم ہیں:**

''فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً'' (۲)

**ملائکہ امر الٰہی کے مقسّم ہیں:**

''فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْراً ''(۳)

**ملائکہ انسانوں کے محافظ ہیں:**

'' لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْه'' (۴)

**ملائکہ بندوں کے اعمال کے محافظ ہیں:**

''وَإِنَّ عَلَيْكُم لَحَافِظِيْنَ ، كِرَاماً كَاتِبِيْنَ ''(۵)

**ملائکہ وحی کو لانے والے ہیں:**

''نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ'' (۶)

---

۱۔سورۂ مدثر، آیت ۳۱۔ ۲۔سورۂ نازعات، آیت ۵۔ ۳۔سورۂ ذاریات، آیت ۴۔

۴۔سورۂ رعد، آیت ۱۱۔ ۵۔سورۂ انفطار، آیات ۱۰، ۱۱۔ ۶۔سورۂ نحل، آیت ۱۰۲۔

**ملائکہ ارواح کو قبض کرنے والے ہیں:**

''إِذَا جَاء أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا'' (۱)

اوران میں سے ہر ایک فرشتے کے لیے مشخص اور معین مقام ومنزلت بھی ہے۔

**ملائکہ معین مقام ومنزلت رکھنے والے ہیں:**

''وَمَامِنَّا اِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُوْمٌ'' (۲) ہم میں سے کوئی بھی فرشتہ نہیں مگر یہ کہ اس کے لیے مقام معلوم ہے۔

اسی طرح فرشتوں کے درمیان بھی مرتبے کے حساب سے افضل اور ادنیٰ فرشتے ہیں۔ ہر فرشتۂ مقرب اللہ کے حکم سے ایک خاص گروہ پر نازل ہوتا ہے جو اپنے انصار اور مددگاروں کے وسیلے سے خدا کی جانب سے امورات کو جاری وساری رکھتا ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیلؑ وحی کو لے کر آتے ہیں میکائیلؑ رزق کو لے کر آتے ہیں، عزائیلؑ قبض روح کے لیے مقرر ہوئے ہیں اور اسرافیلؑ اہل قبور کو زندہ کرنے کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ اسی طرح کچھ فرشتے بادل، ہوا اور بارش پر مقرر ہیں، اور کچھ فرشتے بندوں کے اعمال دنیا میں ضبط تحریر میں لانے اور آخرت میں محاسبہ کرنے کے لیے مقرر ہیں۔ ایک فرشتہ دوزخ کا داروغہ اور دوسرا جنت کا اور ان کے ماتحت بھی کچھ فرشتے ہیں اور یہ سب کے سب پروردگار عالم کے حکم کی بجا آوری میں مشغول ہیں۔ اسی طرح آیات وروایات کی روشنی میں بطور صراحت بعض خاص مقامات کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ بعنوان مثال عرش وکرسی، لوح وقلم وغیرہ حکم الٰہی کی نزولی اور عالم

۱۔ سورۂ انعام، آیت ۶۱۔ ۲۔ سورۂ صافات، آیت ۱۶۴۔

خلقت میں اس کے ظہور کی طرف اشارہ ہیں، نیز بعض فرشتوں کی جو نظام کائنات کو چلانے والے ہیں، ان اوصاف کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔

**ملائکہ حاملان عرش ہیں:**

"مِنْ حَوْلِ الْعَرْش "(۱)"يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ" (۲) اس سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے دینی بیانات جو بطور صراحت ایک منظم تشکیلات اور عالم خلقت میں ایک مرتب نظام کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے موجودات کے سلسلے کو خدا سے صادر ہونے اور فاعلیت حق تعالیٰ کو واضح کرتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو واضح انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ایسا نہیں کہ ہر وجود کی خلقت میں کسی دوسرے وجود کے واسطے کے بغیر، خدا کا ارادہ بطور مستقیم تحقق پایا ہو اور تمام کائنات کے موجودات ان میں سے ہر ایک بطور مستقل اور علیحدہ خلق ہوا ہو۔ کیوں کہ یہ تصور، عقلی دلائل کے ساتھ منافات رکھنے کے علاوہ کائنات کے نظام درہم و برہم ہونے کا باعث بھی بنتا ہے۔ کیوں کہ اس حقیقت پر مکمل توجہ رکھنا چاہیے، مختلف حوالوں سے نظام کائنات کو چلانے کے لیے فرشتوں کا واسطہ قرار پانا اور انہیں خدا کی طرف سے اجازت ملنا اور ان میں سے ہر ایک کا خاص عہدے پر فائز ہونا جو بطور صراحت بیان ہوا ہے۔ اس قسم کے واسطے تکوینی ہیں اعتباری نہیں ہیں۔ جیسا کہ معاشرتی معاملات میں جو ملتا ہے۔ اعتباری قرارداد کے سوا کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔ ایک وزیر اور پرنسپل کے دستخط سے کسی کو دیا جاتا ہے اور دوسرے دستخط کے ذریعے

۱۔ سورۂ زمر آخری آیت۔ ۲۔ سورۂ غافر، آیت ۷۔

چھین لیا جاتا ہے۔خدا کے نظام اور تشکیلات میں مثلا جب کہا جائے گا کہ ملک الموت خدا کی جانب سے ارواح کو قبض کرنے پر مامور ہیں اور انہیں قابض الارواح کا منصب عطا ہوا ہے، یہاں پر اس حوالے سے نہ کوئی دستخط اور نہ کوئی گفتگو ہے اور نہ اس فرشتے کا منصب فرضی ہے جیسا کہ افراد بشر کے درمیان قرارداد ہوتی ہے۔ بلکہ خدا کی اجازت، اجازت تکوینی اور فرشتے کا منصب، منصب وجودی ہے۔یعنی رب ذوالجلال نے عزرائیل کے وجودی ڈھانچے کو اس طریقے سے بنایا ہے اور اس کے وجود میں ایک ایسی طاقت کو رکھا ہے جس کے ذریعے وہ زندہ انسان کو موت کی آغوش میں دھکیل سکتا ہے اور اس کے جسم اور روح کے درمیان جدائی ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح اسرافیل کو بھی ایسی طاقت سے نوازا گیا ہے کہ جو مردے کو زندہ کر سکتا ہے اور بے جان جسم کو جاندار بنا سکتا ہے۔ان اوصاف کے ہمراہ یہ موت وحیات ایک ایسا فعل ہے جو خدا سے صادر ہوتا ہے۔اس فعل کا اصل اور حقیقی فاعل خدا ہے لیکن اس کی فاعلیت اس کے مقرب فرشتوں کے ذریعے مقام ظہور تک پہنچتی ہے۔ عزرائیلؑ، خدا کے ارادے سے موت کا ارادہ کرتا ہے پس یہ دونوں ارادے ایک دوسرے کے پیچھے ہیں، یعنی خدا کا ارادہ ذاتی اور اولی ہے اور عزرائیل کا ارادہ عطائی اور ثانوی ہے۔نہ عزرائیلؑ اپنی ذات میں خدا کے ارادے کے بغیر کسی کو موت دے سکتا ہے اور نہ ایسا ہے کہ خدا اپنے فعل کے نظام اور جاری طریقے میں بغیر ارادۂ عزرائیل کسی کو موت دے سکتا ہے۔ بلکہ خدا کی طرف سے موت حقیقت میں عزرائیل کی طرف سے موت ہے نیز عزرائیلؑ کی طرف سے موت حقیقت میں خدا کی طرف سے موت ہے۔

## ہر چیز کی خلقت ایک مقدار کے ساتھ:

"إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ" (۱) ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار کے ساتھ خلق کیا ہے ہمارا حکم تو بس آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے ہاں ایک ہی حکم اور ایک ایجاد ہے لیکن یہی ایجا د اسباب اور مسببات سے تشکیل پاتی ہے۔

## خدا کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں:

"فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا" (۲) خدا کے قانون میں کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ خدا کی سنت میں کوئی تغیر پاؤ گے۔ کائنات کے اندر یہ تمام واسطے سب کے سب ہر لحہ اور سانس خالق کائنات کے ہاتھوں میں ہیں۔

## پوری کائنات اس کی محتاج ہے:

"يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" (۳) کائنات کی تخلیق میں چاہے وہ سبب کا نظام ہو یا مسبّب کا، اللہ کے ارادۂ فعلی کے عین مطابق ہے اور پروردگار کا ارادۂ فعلی اور دائمی کام نیز نظام سبب و مسبب کے عین مطابق ہے۔ (اس حوالے سے قرآن مجید کی تعبیرات میں غور وفکر کریں) قرآن مجید نے کبھی کسی فعل کی نسبت خدا کی طرف اور کبھی فرشتوں کی طرف دی ہے۔ اور بعض دفعہ کسی کام کو انسان کی طرف نسبت دینے کے ساتھ ساتھ خدا کی

۱۔ سورۂ قمر، آیات ۴۹، ۵۰۔ ۲۔ سورۂ فاطر، آیت ۴۳۔ ۳۔ سورۂ الرحمٰن، آیت ۲۹۔

طرف بھی نسبت دی ہے اور انسان سے اس نسبت کی نفی بھی کرتا ہے۔

## بعض دفعہ کام کو انسان کی طرف نسبت دی ہے:

ارشاد رب العزت ہے "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (۱) جب تم نے تیراندازی کی تو تم نے نہیں کی بلکہ خدا نے تیراندازی کی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ (إِذْ رَمَيْتَ) کا جملہ رسول اللہؐ کے لیے تیراندازی کو ثابت کر رہا ہے، جبکہ وَمَا رَمَيْتَ کا جملہ رسول خداؐ سے تیراندازی کی نفی کر رہی ہے۔ اور اللہ (اللّٰهَ رَمٰى) کا جملہ اسی رمی کو خدا کے لیے اثبات کر رہا ہے یعنی فاعلیت کو انسان کے لیے ثابت کرنے کے بعد اس کے مستقل ہونے سے نفی کر رہا ہے اور اسی فعل میں خدا کی مقدس ذات کو مستقل فاعل اور فاعل بالذات کے طور پر بیان کرتا ہے۔

## روح قبض کرنے کی نسبت اپنی طرف دی ہے:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا" (۲) خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں (اپنی طرف) کھینچ لاتا ہے۔

## کبھی اس کام کے لیے ملک الموت کی طرف نسبت دی ہے:

"قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ" (۳) کہو ملک الموت جو تم لوگوں پر موکل ہے تمہاری روح کو نکالتا ہے۔

۱۔ سورۂ انفال، آیت ۱۷۔

۲۔ سورۂ زمر، آیت ۴۲۔

۳۔ سورۂ السجدہ، آیت ۱۱۔

**فرشتہ اللہ کے حکم سے جان نکالتا ہے:**

" إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ "(۱)

جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے لوگ اس کی (روح) کو نکال دیتے ہیں۔

**ہر کام کا مدبر اللہ ہے:**

"يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ "(۲) کام کی تدبیر خدا آسمان سے زمین کی طرف نازل کرتا ہے۔

سبیل سکینہ حیدرآباد سندھ، پاکستان

**کبھی فرشتوں کی طرف نسبت دی ہے:**

"فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا" (۳) ان فرشتوں کی قسم جو کام کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

**کبھی نسبت جبرئیلؑ کی طرف دی ہے:**

"نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ" (۴) روح الامینؑ نے قرآن کو نازل کیا۔

**کبھی اپنی طرف نسبت دی ہے:**

ارشاد فرمایا: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا "(۵) بتحقیق ہم نے تم پر قرآن نازل کیا۔ اصل مطلب وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا۔ یعنی

---

۱۔ سورۂ انعام، آیت ۶۱۔

۲۔ سورۂ السجدہ، آیت ۵۔

۳۔ سورۂ نازعات، آیت ۵۔

۴۔ سورۂ شعراء، آیت ۱۹۳۔ ۵۔ سورۂ دھر، آیت ۲۳۔

افعال کا خدا سے صادر ہونا ایک خاص نظام کے تحت جاری ہے اور جو بھی فاعل اس نظام کے اندر داخل ہے، وہ عین فاعلیت خدا ہے، یہاں قرآن باذن اللہ کی تعبیر کو استعمال کرتا ہے۔

## کوئی شفاعت نہیں کرسکتا مگر اس کی اجازت سے:

"مَن ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ"(۱) کون ہے جو اس کے پاس (نظام خلقت میں) شفاعت کرے (خود سے کسی اثر کو وجود میں لائے) مگر یہ کہ اس کی (طاقت) اور اجازت سے۔

## اللہ کے سوا کوئی اور خالق نہیں:

"هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَيۡرُ اللّٰهِ" (۲) کیا خدا کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے؟

## اللہ ہر شے کا خالق ہے:

"قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيۡءٍ وَهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّار "(۳) کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا وقہار ہے (جس کی قدرت کا سایہ اور حکمرانی پوری کائنات پر ہے، جس نے تمام موجودات کو اپنے ماتحت اور کنٹرول میں رکھا ہے لیکن یہ خلقت اور تدبیر وارادے ایک خاص نظام کے تحت ظہور پزیر ہوتے ہیں، نیز ہر معلول اپنی خاص علت کے ساتھ معرض وجود میں آتا ہے۔ ہاں خدا کی مقدس ذات ہی ہے جو قبض روح کرتا ہے، مگر عزرائیلؑ اور اس کے مددگاروں کے وسیلے سے۔ یہ

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۵۔ ۲۔ سورۂ فاطر، آیت ۳۔

۳۔ سورۂ رعد، آیت ۱۶۔

خدا کی مقدس ذات ہی ہے جو تمام رزق کھانے والوں کو رزق کا بندوبست کرتا ہے۔

### اللہ ہی رازق ہے:

"وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِیۡ الۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا"(۱) کوئی بھی زمین پر رینگنے والا نہیں مگر یہ کہ اس کے رزق کی ذمے داری خدا پر ہے، لیکن میکائیلؑ اور اس کے مددگاروں کے وسیلے سے ہی خدا کی مقدس ذات ہے، وہ اللہ انبیاءؑ کے دلوں پر وحی بھیجتا ہے مگر جبرائیلؑ اور ان کے پیروکاروں کے وسیلے سے۔ وہی خدا کی مقدس ذات ہے جو بارش کو نازل کرتا ہے، ہواؤں کو چلاتا ہے، زمین کو زندہ کرتا ہے اور پودوں کو اگاتا ہے، سورج کی روشنی اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ بنابریں یہ بات واضح ہے کہ کائنات کے موجودات اور خدا کے درمیان واسطے اور اسباب وعلل کا ہونا خدا کی مستقل خالقیت اور فاعلیّت ہونے کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، کیونکہ یہ قاعدہ وقانون بطور مسلم کمال یقین اور حقیقت کے ساتھ ثابت ہے اور وہ یہ ہے

### اللہ ہی خالق، رازق، مدبر اور موت وحیات دینے والا ہے:

"لَا خَالِقَ إِلَّا اللّٰهُ" "وَلَا رَازِقَ إِلَّا اللّٰهُ" "وَلَا مُدَبِّرَ فِي الۡخَلۡقِ وَالۡأَمۡرِ إِلَّا اللّٰهُ" "وَلَا مُحۡيِي وَلَا مُمِيۡتَ إِلَّا اللّٰهُ" اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ "لَا مُؤَثِّرَ فِي الۡوُجُوۡدِ إِلَّا اللّٰهُ" کیونکہ کائنات میں ذاتی اور مستقل فاعل صرف خدا کی ذات ہے باقی تمام مخلوقات اس کی اجازت سے فاعل ہیں اور ان میں سے ہر ایک خدا کی مدد کے مطابق اور پروردگار کی طرف سے اس کے لیے عطا کے اندازے سے کسی کام

۱۔ سورۂ ھود، آیت ۶۔

کی بجا آوری میں اس کی اجازت سے مصروف ہے۔مخلوق ہونے کے ناتے ان میں سے کوئی بھی آنکھ جھپکنے کے برابر نہ مستقل وجود رکھتا ہے، نہ مستقل ایجاد رکھتا ہے اور نہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے کیونکہ ممکن الوجود عقل سلیم کی رو سے اپنی ذات میں عدم ہے۔ بنابریں محال ہے ایسا کوئی وجود ہو جوزندگی دے۔اور ایجاد کرنا، فنا کرنا، موت اور زندگی دینا اس سے صادر ہوجائے ، بلکہ تمام ممکن الوجود حادث ہونے ، باقی رہنے، وجود و ایجاد ہونے ،اور اپنے ذات وفعل میں خدا کی طرف سہارا لیے ہوئے ہیں اور قیوم ازلی کی طرف محتاج ہیں۔

## اللہ ہر شے کا خالق اور نگہبان ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:"اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ"(۱) کہو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز پر نگہبان ہے۔

## خدا بے پناہ رزق دینے والا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ"(۲) بتحقیق خدا خود بڑا رزق دینے والا، زور آور اور زبردست ہے۔

تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے، نہ اس کی حکومت میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے لیے کوئی کمزوری ہے نہ اس کا کوئی سرپرست۔ "وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا"(۳) اور کہو کہ ہر طرح کی

۱۔سورۂ زمر، آیت ۶۲۔ ۲۔سورۂ ذاریات، آیت ۵۸۔ ۳۔سورۂ اسراء، آیت ۱۱۱۔

تعریف اسی خدا کو سزاوار ہے جو نہ تو کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی حصہ دار ہے اور نہ اسے کسی طرح کی کمزوری ہے کہ کوئی اس کا سرپرست ہو اور اسی کی بڑائی اچھی طرح بیان کرتے رہا کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسماعیل ابن عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر فرمایا جو آپ کے بارے میں غلو آمیز عقیدہ رکھتا تھا۔ ''یَا اِسْمَاعِیْلُ لَا تَرْفَعِ الْبِنَاءَ فَوْقَ طَاقَتِهِ فَیَنْهَدِمُ، اِجْعَلُوْنَا مَخْلُوْقِیْنَ '' (۱) اے اسماعیل عمارت کو اس کی بنیاد کی طاقت سے زیادہ بلند مت کرو کہ منہدم ہو جائے گی۔ ہمیں مخلوق مانو یعنی ہمارے امکانی وجود میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کہ خلاقیت، رزاقیت، استقلال کے حوالے سے، جو واجب الوجود میں ہے ہمارے شایان شان یہ ہے کہ ہمیں مخلوق اور خدا کا رزق کھانے والوں میں سے قرار دیں اور جو افعال ہم سے سرزد ہوئے ہیں وہ ہماری فاعلیت بالاذن ہیں، جو فعالیت ذاتی خداوند متعال پر اعتماد کی بنا پر ہے۔

ہاں جو بھی فعل، وسیلے اور اسباب و عمل کے ذریعے صادر ہوتا ہے وہ پہلے ذاتی طور پر خدا کی طرف سے ہے، پھر عارضی طور پر وسیلے اور اسباب و علل کی طرف نسبت دی جاتی ہے جو کہ ایک لحہ کے لیے بھی اگر خدا کے فیض سے محروم ہو جائے تو یہ ذاتی طور پر اشیا کی نابودی اور ان کی تمام فعالیتوں کی بربادی کے برابر ہے۔ البتہ جو فاعل، جن کا وجود حق تعالیٰ کے سائے میں ہے فطری طور پر ان کی فاعلیت بھی حق تعالیٰ کی فاعلیت کے سائے میں ہوگی۔

۱۔ بحار الانوار، جلد ۲۵، ص ۲۷۹، حدیث ۲۲۔

جو بھی فعل انسان کے ظاہری اور باطنی اعضاء کے ذریعے مثلاً آنکھ، کان، ہاتھ، پیراورزبان وغیرہ سے سرزد ہوتے ہیں، اس فعل کی نسبت کبھی انسان کی طرف اور کبھی اعضا کی طرف دی جاتی ہے۔اسی لیے تو ہم کہتے ہیں میں نے دیکھا، میں نے سنا، میں نے لکھا، ان دونوں نسبتوں کے صحیح ہونے کا راز یہ ہے کہ انسان کے اعضاء وجوارح نفس انسانی کے ماتحت ہیں، حکم دینے والا نفس ہے یہ افعال ذاتی طور پر نفس سے صادر ہوتے ہیں اور پھر عارضی طور پر اعضائے وجوارح کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ یہ نفس ناطقہ اور خود انسان ہے جو آنکھوں کے وسیلے سے دیکھتا ہے کانوں کے وسیلے سے سنتا ہے اور ہاتھ کے وسیلے سے لکھتا ہے۔

☆ اللہ نے تم اور تمہارے بنائے ہوئے کو پیدا کیا ہے:

''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ''(۱) اور اللہ نے تم کو اور جس کو تم لوگ بناتے ہو (سب کو) پیدا کیا ہے۔ گویا بت پرستوں کے ہاتھوں بنائے گئے بت بھی اللہ نے بنائے ہیں۔یعنی اس فعل کو ان کے ساتھ نسبت دی گئی ہے اور فرماتا ہے ''وما تعملون'' جبکہ ان کی خلقت اور ایجاد کو خدا کے ساتھ نسبت دی گئی ہے، جیسا کہ فرمایا ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ '' یعنی وہ افعال جو تم سے سرزد ہوتے ہیں ان کو تمہاری طرح خدا نے پیدا کیا ہے۔

ہاں ایک جہت سے ذات کبریا کی بلندی عظمت، اور حق تعالیٰ کی قدوسیت اور دوسری جانب سے اشیا کے وجود میں مراتب کے حساب سے شدت وضعف کا

ا۔ سورۂ صافات، آیت ۹۶۔

پایا جانا اس بات کا مقتضی ہے کہ وجود کے فیض و برکت کے لیے ایک ایسا نظام تشکیل پائے جو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف جاری ہو اور واسطے اور علل و اسباب کے ذریعے کائنات کی تمام اشیاء اور موجودات تک پہنچے۔ خلقت کے پست ترین مرتبے میں نہ ایسی طاقت و توانائی ہے کہ بغیر کسی وسیلے کے عالی ترین مرتبہ ربوبی سے کسب فیض کر سکے اور نہ مقام اقدس ربوبی یہ چاہتا ہے کہ بغیر کسی وسیلے کے خلقت کے نچلے ترین مرتبے پر فیض پہنچائے۔

### اللہ اپنی نعمتوں کو ایک مرتبہ میں نازل نہیں کرتا:

"وَإِن مِّن شَيۡءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُومٍ "(۱) کوئی بھی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس کو نازل نہیں کرتے ہیں مگر مشخص اور معین مقدار میں۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے اس نورانی جملے پر غور کریں۔ "وَاحۡمَدُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ لِعَظَمَتِهٖ وَنُوۡرِهٖ یَبۡتَغِیۡ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَنَحۡنُ وَسِیۡلَتُهٗ فِیۡ خَلۡقِهٖ ۔۔" (۲) اس خدا کی حمد و تعریف کریں جس کی عظمت و مقام کا تقاضا ہے کہ زمین اور آسمان میں رہنے والے اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلے تلاش کریں اور ہم مخلوقات خداوندی میں اس کے وسیلے ہیں۔

۱۔ سورۂ حجر، آیت ۲۱۔ ۲۔ نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۱۶، ص ۲۱۱۔

توحید کا اصل راستہ صرف وسیلہ ہے:

جو کچھ پہلے ذکر ہوا، اُس کی بنا پر نظام خلقت کے تمام واسطوں میں وسیلہ ایک بنیادی اور تکوینی طریقہ ہے، جو وجود مقدس سے فیض حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے اور یہ سنت نہ صرف خالقیت کلیہ، اور قدرت مطلقہ و عامہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ پروردگار عالم کی مقدس ذات کی عظمت و کبریائی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی رحمت و برکت کو کائنات کے تمام موجودات تک پہنچانے کے لیے اسباب و وسیلے کا بندوبست فرما کر ایک خاص نظام کے ذریعے خلق کرنا، رزق دینا، زندگی اور موت دینا نیز اپنی دیگر فعالیتوں کو جاری رکھے گا اور یہ بھی فطری بات ہے کہ اس حوالے سے تمام وسائل اور اسباب ہر ایک اپنے طور پر خدا کے فعل اور فاعلیت کے مظہر ہیں۔ اور خدا کی ذات بھی ہر موجود کو ایجاد کرنے اور ہر مخلوق کو خلق کرنے کے لیے ایک مخصوص وسیلے کو مدنظر رکھتا ہے جو اس مخلوق کے ساتھ تناسب رکھتا ہو۔

الٰہی نظام توحید میں عین توسّل اور توسّل نیز عین توحید ہے۔ خدائی نظام کا ہر عارف اور موحد یقیناً متوسّل ہے اور متوسّل جو روشن دل اور حقیقت جو ہے، وہ یقیناً موحد ہے۔ جب ایسی صورتحال ہو مثلاً خداوند متعال جو ہمارا خالق اور رازق ہے۔ اگر ہم سے مخاطب ہو جائے اور فرمائے کہ یہ میں ہوں تمہاری پیاس کو بجھاتا ہوں لیکن پانی کے وسیلے سے۔ میں ہوں جو تم سے بھوک کو مٹاتا ہوں لیکن روٹی کے وسیلے سے۔ میں ہوں جو تم سے بیماری کو دور کرتا ہوں لیکن دوائی کے وسیلے سے۔ اور تمہاری ذمے داری یہ ہے کہ میری ان رحمتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پانی

کے گلاس، روٹی کے دسترخوان اور دواخانے کی طرف متوسّل ہوجاؤ۔ یعنی میری مخلوق اسی طریقے سے خود کو رزق اور شفا حاصل کرنے کے لیے ان کو خدا کی طرف سے وسائل واسباب سمجھیں اور ان کے آثار کو خدا کے آثار سمجھیں اور اس حقیقت کا اعتراف کریں۔ "لَا رَازِقَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا شَافِیَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "رازق اور شفا دینے والا اور اللہ سے زیادہ کوئی طاقتور نہیں۔ یہ موسیٰ کلیم اللہ ہیں، جنہوں نے خدا کے سوال کے جواب میں یوں کہا: "وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوسٰى "اے موسیٰؑ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا:

**وسائل خدا کی طرف سے وسیلہ ہیں:**

" قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِيْهَا مَآرِبُ اُخْرٰی " (۱) عرض کی یہ تو میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر سہارا کرتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر (درختوں کی) پتیاں جھاڑتا ہوں، اس کے اور کام بھی ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ خدا کے عظیم الشان نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حضور انتہائی صراحت کے ساتھ ایک جامد اور بے روح لکڑی کو اپنے سہارے کے طور پر متعارف کراتے ہیں اور اُسے کاموں کو انجام دینے اور اپنی چاہتوں کو برطرف کرنے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اپنے اہداف اور مقاصد تک پہنچنے کے لیے موجودات کو وسیلہ قرار دینا ربّ العالمین کی وحدانیت پر عقیدہ رکھنے کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا ہے۔

۱۔ سورۂ طٰہٰ، آیات ۱۷، ۱۸۔

## عبادت میں شرک:

چوتھی قسم شرک کی اقسام میں سے عبادت میں شرک ہے: اوراس سے مراد یہ ہے خدا کے علاوہ کسی مخلوق کی عبادت و پرستش کرنا اور پرستش سے مراد جیسا کہ عبادت میں توحید کے باب میں ذکر ہوا، تقدیس کے ساتھ ذلت کا اظہار کرنا، یعنی انسان کا کسی مخلوق کے مدمقابل انتہائی ذلت اور خضوع کا اظہار کرنا درحقیقت اس مخلوق کو تمام نقائص سے پاک وپاکیزہ سمجھتے ہوئے اسے ذاتی طور پر کمالات کا حامل سمجھنا۔اور یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ خدا کے علاوہ جو بھی ہے وہ اپنی ذات میں محتاجی کا نقص رکھتا ہے۔اپنی ذات کے علاوہ کسی کی طرف محتاجی تمام ممکن الوجود مخلوق میں موجود ہے۔پس عقل کی رو سے کوئی بھی ممکن الوجود تنزیہ وتقدیس کے لائق نہیں ہے نیز خدا کے علاوہ کائنات میں کوئی بھی عبادت و پرستش کے لائق نہیں ہے اور یہی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے عمیق اور صحیح معنی ہیں جو عبادت میں توحید کو بیان کرنے والے ہیں۔

## توسّل کے بارے میں شیعوں کا واضح نقطۂ نظر:

توحید اور شرک کے باب میں شیعوں کے عقلی دلائل تفصیلی طور پر بیان ہوئے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات ائمہ اولیائے الٰہی اور مقربین درگاہ الٰہی ہیں۔شفاعت اور توسّل سے مراد جز ہے(ابتغائیو سیله) "یَا اَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ" اور "اعتصام بحبل الله" "وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعاً وَلَا تَفَرَّقُوۡا" کے علاوہ کچھ نہیں تاکہ اس طریقے سے خدا کی قربت حاصل ہوسکے جو قرآن مجید کا حکم ہے، نیز عقل سلیم رکھنے کا تقاضا بھی یہی ہے۔خدا کے علاوہ

نہ کسی کی پرستش کی جاتی ہے اور نہ کسی چیز کو خدا کی اجازت کے بغیر موثر اور مقتدر سمجھتے ہیں بلکہ ہر چیز اور شخص کو مخلوق خدا سمجھتے ہیں نیز ممکن الوجود اور ذاتی طور پر محتاج سمجھتے ہیں جب تک خدا کی طرف سے انہیں وجود اور ایجاد و موثر ہونے کے لیے توانائی عطا نہ ہو جائے نہ خود سے وجود رکھتے ہیں اور نہ کسی چیز کو ایجاد کرنے پر طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی چیز میں اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

بنابریں ادعیہ اور زیارات جو شیعوں کے درمیان متداول ہیں، ان پر غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت دعاؤں اور زیارات کے درمیان سے نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ مذہب حقہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے حضور انتہائی تواضع اور آداب و احترام کا اظہار کرتے ہیں۔ نیز فطرت اور عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ان سر چشمۂ علوم، کرم کے مخازن، حکمت کے منابع ہستیوں سے لطف وعنایت اور رحمت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور ان ہستیوں کو ایک وسیلے کے طور پر پہچانتے ہیں کہ خداوند متعال نے اپنی حکمت عالیہ اور رحمت بالغہ کی بنا پر بندوں کو کمال کی طرف لے جانے اور انہیں ہدایت کرنے کے لیے انسانوں کی دسترس میں قرار دیا ہے۔ اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ طلب شفاعت اور توسّل کے حوالے سے ان صاحبان عزم وکرم کی طرف رخ کریں اور ان کی خداداد طاقتوں سے نصرت طلب کرتے ہوئے تقرب الی اللہ کے عظیم مدارج پر فائز ہو جائیں۔ اور ان مقربین درگاہ الٰہی کے نور کے سائے میں دونوں جہانوں میں نعمتوں اور برکات الٰہی سے بہرہ مند ہوں۔ شیعوں کے عقیدے اور ان کی منطق کو سمجھنے کے لیے چند زیارات اور دعائیں تلاوت کریں۔

## الف) دعائے توسّل

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ۔ يَآ اَبَا الْقَاسِمِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَآ اِمَامَ الرَّحْمَةِ۔ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا۔ اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ۔ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَیْ حَاجَاتِنَا۔ يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ۔ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ" اس دعا کے فقروں میں آپ دیکھتے ہیں، پہلے خدا کی طرف متوجہ ہونے کے بعد رحمت عالمؐ کی مقدس ذات کو واسطہ قرار دیا ہے۔ بارخدایا میں نے تیرے نبی برحق حضرت محمدؐ کے وسیلے سے جو تیرے رسولؐ رحمت ہیں تیری طرف رخ کرلیا ہے اور تجھ سے ہی تقاضا اور سوال کرتا ہوں۔ پھر رسول خداؐ کی جانب مخاطب ہوکر اپنے عرائض کو آنحضرتؐ کے حضور بیان کرتا ہے اے رسول خداؐ، اے پیشوائے رحمت، اے ہمارے آقا و مولا ہم تیرے وسیلے سے خدا کی طرف رخ کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے آگے آگے تیری ذات کو قرار دیتے ہیں، تاوقتیکہ خداوند متعال ہماری حاجتوں کو برآوردہ کرے، تیرے پیچھے اور تیرے سائے میں ہم خدا کی جانب رخ کرتے ہیں۔ اے خدا کے حضور آبرومند، خدا کے حضور ہماری شفاعت فرما۔

پھر خضوع و خشوع اور آداب و احترام کے ساتھ امیر المومنینؑ، حضرت سیدہؑ اور پھر ہر معصوم سے متوسّل ہوتے ہیں۔ دعا کی ہر فصل میں ان ہستیوں کو خدا کی مخلوقات پر حجت خدا سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر اسی طریقے سے جو دعا کے فراز میں ذکر ہوا دعا کرنے والا خدا کے حضور اپنی حاجتوں کو بیان کرتے ہوئے آئمہ معصومینؑ کو وسیلہ، شفیع اور وجیہ (آبرومند) کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اور ان حججِ الٰہیؑ کو خدا کے

حضور طلب شفاعت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔ دعا کے آخر میں دوبارہ خاندان رسالت مآبؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ "یَا سَادَتِیْ وَمَوَالِیَّ ۔ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِکُمْ اَئِمَّتِیْ وَعُدَّتِیْ لِیَوْمِ فَقْرِیْ وَ حَاجَتِیْ اِلَی اللّٰهِ ۔ وَتَوَسَّلْتُ بِکُمْ اِلَی اللّٰهِ ۔ وَاسْتَشْفَعْتُ بِکُمْ اِلَی اللّٰهِ ۔ فَاشْفَعُوْا لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَاسْتَنْقِذُوْنِیْ مِنْ ذُنُوْبِیْ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ فَاِنَّکُمْ وَسِیْلَتِیْ اِلَی اللّٰهِ وَبِحُبِّکُمْ وَبِقُرْبِکُمْ اَرْجُوْ نَجَاةً مِّنَ اللّٰهِ فَکُوْنُوْا عِنْدَ اللّٰهِ رَجَائِیْ ۔ یَا سَادَتِیْ یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ ۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ وَلَعَنَ اللّٰهُ اَعْدَاءَ اللّٰهِ ظَالِمِیْهِمْ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۔ اٰمِیْنَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ط۔"(۱) یعنی اے ۔۔۔! ہمارے آقا و سردار ہستیوں، میں نے آپؑ لوگوں کے وسیلے سے کہ آپ میرے امام اور رہنما ہیں میرا سرمایہ اور ذخیرہ ہیں، محتاجی اور حاجت کے دن ۔ خدا کی طرف رخ کیا ہے اور آپؑ حضرات کو خدا کے حضور وسیلہ اور شفیع قرار دیتا ہوں ۔ پس میرے لیے خدا کے حضور شفاعت کریں اور خدا کے سامنے مجھے میرے گناہوں کی قید سے نجات دیں ۔ کیونکہ آپؑ حضرات خدا کے حضور میرا وسیلہ ہیں ۔ اور مجھے امید ہے کہ آپؑ حضرات کی محبت اور قربت کے واسطے سے مجھے نجات ملے گی ۔ پس اے میرے سردار، خدا کے حضور میرے لیے سرمایہ امید بن جائیں ۔

شیعہ آپ سے انصاف چاہتے ہیں کہ اس دعا کے کن جملوں میں شرک ہے ۔

......

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۱۰۸۔

اس دعا کے کن جملوں میں اولیائے خدا کو بطور مستقل اور ذاتی طور پر امورات میں موثر یا شریک خدا قرار دیا ہے؟ کیا دعا میں شروع سے لے کر آخر تک تقرب الی اللہ کو ہدف اور مقصد کے طور پر ذکر نہیں ہوا ہے؟ کیا اس دعائے شریف میں اصل محور خدا کی طرف توجہ، خدا کی طرف رخ کرنا، اور خدا کی طرف حرکت کرنے کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے؟ کیا اولیاء اللہ اور خلفائے الٰہی کو اس دعا میں وسیلہ، رہنما، خدا کے حضور آبرومند، درگاہِ الٰہی میں شفاعت، کرنے والے کے علاوہ کسی چیز سے متعارف کرایا گیا ہے؟ کیا اس دعا کا آغاز اللہ کے بابرکت نام سے نہیں ہوا ہے؟ کیا اس دعا میں نام مبارک اللہ، کا کلمہ عنداللہ، رب العالمین وغیرہ ذکر نہیں ہوا ہے۔ اب ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کیا یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا کی ذات معبود اصلی ہے اور اولیائے الٰہی اس کے حکم وارادے سے اطاعت وعبادت الٰہی بجالانے کے لیے لوگوں کے لیے وسیلہ اور رہنما ہیں۔ ان متقربین درگاہ الٰہی سے ہماری طلب شفاعت اور توسّل بھی حکم خدا کے مطابق ہے۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنا خالص توحید اور یکتا پرستی نہیں؟ پھر بھی یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہے کہ یہ عقیدہ شرک آمیز ہے۔۔۔؟؟؟!!

ب) دعائے توجہ:

اقامہ نماز کے وقت اس دعا کو پڑھنے کی بہت اہمیت ہے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُقَدِّمُ اِلَیۡكَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَآلِهٖ بَیۡنَ یَدَیۡ حَاجَتِیۡ وَاَتَوَجَّهُ بِهٖ اِلَیۡكَ فَاجۡعَلۡنِیۡ بِهٖ وَجِیۡهًا عِنۡدَكَ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ وَاجۡعَلۡ صَلَوَاتِیۡ بِهٖ مَقۡبُوۡلَةً وَذَنۡبِیۡ بِهٖ مَغۡفُوۡرًا وَدُعَائِیۡ بِهٖ مُسۡتَجَابًا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ" (۱) یعنی پروردگار میں اپنی حاجت سے قبل تیری بارگاہ میں حضرت محمدؐ

کووسیلہ قرار دیتا ہوں اوران کے وسیلے سے تیری جانب رخ کرتا ہوں۔ پس مجھے ان کے وسیلے سے دونوں جہانوں میں اپنے حضور آبرومند قرار دے، اور تیری ذات سے نزدیکی حاصل کرنے والوں میں محسوب فرما، میری نماز کو ان کے صدقے میں قبول کر، ان کے صدقے میں میرے گناہوں کو معاف کردے۔ میری دعا کو مستجاب فرما۔ بتحقیق تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس دعا میں بھی نماز گزار کے لیے رسول خداؐ کی ذات کا اللہ کی عنایات حاصل کرنے کے لیے وسیلے کے طور پر ذکر ہوا ہے۔ اور یہ دعا آنحضرتؐ کی شفاعت بیان کرتی ہے۔

## ج) حضرت امام مہدی علیہ السلام سے استغاثہ:

شیعہ معتبر کتابوں میں آیا ہے کہ خدا کے سامنے اپنی حاجت کو بیان کرتے وقت دو رکعت نماز پڑھے جس میں جو بھی سورہ پڑھنا چاہے پڑھے پھر زیر آسمان قبلہ رخ ہو کر آداب وسلام کی نیت سے امام زمانہؑ کے حضور ان کلمات کو پڑھے

"سَلَامُ اللّٰهِ الْكَامِلُ التَّامُّ الشَّامِلُ الْعَامُّ" پھر اپنی حاجت کو بیان کرنے کے بعد پڑھے "فَاشْفَعْ لِيْ فِيْ نَجَاحِهَا فَقَدْ تَوَجَّهْتُ اِلَيْكَ بِحَاجَتِيْ لِعِلْمِيْ اَنَّ لَكَ عِنْدَ اللّٰهِ شَفَاعَةً مَقْبُوْلَةً وَمَقَاماً مَحْمُوْداً، فَبِحَقِّ مَنِ اخْتَصَّكُمْ بِاَمْرِهِ وَارْتَضَاكُمْ لِسِرِّهِ وَبِالشَّاْنِ الَّذِيْ لَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سَلِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْ نُجْحِ طَلِبَتِيْ وَاِجَابَةِ دَعْوَتِيْ وَكَشْفِ كُرْبَتِيْ" (۲) یعنی اے میرے آقا و سردار میری حاجت برآوردہ ہونے کے لیے درگاہ الٰہی میں میری

۱۔ مفاتیح والجنان، ص ۲۵ حاشیہ۔ ۲۔ مفاتیح الجنان، ص ۱۱۷۔

شفاعت کریں، میں اپنی حاجتوں کو آپؑ کی بارگاہ میں لے کر آیا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ خدا کے حضور قبول شدہ شفاعت، پسندیدہ مقام اور قابل تعریف منصب رکھتے ہیں۔ بنابریں میں آپؑ کو اس ہستی کا واسطہ قرار دیتا ہوں جس نے آپ کے خاندان (خاندان اہل بیتؑ) کو اپنے حکم کے لیے مختص کر دیا اور اپنے اسرار کی حفاظت کرنے کے لیے آپ لوگوں کا انتخاب کیا اور آپ حضرات کی اس شان وشوکت کو واسطہ قرار دیتا ہوں جو آپ کے اور خدا کے درمیان ہے۔ میری حاجت بر آوردہ ہونے، دعا مستجاب ہونے اور مشکل حل ہونے کے لیے درگاہ الٰہی میں میرے لیے دعا کریں۔ اس استغاثہ اور توسّل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام زمانہ علیہ السلام کو خدا کے حضور واسطہ اور شفیع قرار دیا ہے تا کہ امامؑ بارگاہ الٰہی میں اس بندۂ محتاج کی حاجت بر آوردہ ہونے کے لیے دعا کریں۔

اسی طرح ایک زیارت نامے میں حضرت امام مہدی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر شیعہ کہتے ہیں "اَسۡأَلُكَ يَا مَوۡلَایَ اَنۡ تَسۡأَلَ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ فِیۡ صَلَاحِ شَأۡنِیۡ وَقَضَاءِ حَوَائِجِیۡ وَغُفۡرَانَ ذُنُوۡبِیۡ وَالۡاَخۡذِ بِیَدِیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَدُنۡیَایَ وَآخِرَتِیۡ لِیۡ وَلِاِخۡوَانِیۡ وَاَخَوَاتِیَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ كَافَّةً اِنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ"(۱)

یعنی اے میرے آقا و سردار میں آپؑ سے سوالی ہوں میرے امور میں نیکی، حاجت بر آوری میں، گناہوں کی مغفرت میں، میرے دنیا و آخرت کے

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۵۳۰۔

امور میں دستگیری فرمائیں اور تمام بھائیوں اور بہنوں، سب کے لیے بارگاہ الٰہی میں عنایت ورحمت کا تقاضا کریں۔ کیونکہ وہ پروردگار نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ ہم امام مہدی علیہ السلام سے یہی چاہتے ہیں کہ ہماری حاجات برآوردہ ہونے کے لیے درگاہ الٰہی میں دعا کریں۔

## حرم آئمہ معصومین علیہم السلام میں نماز وزیارت:

### الف) پہلا اعتراض:

چہاردہ معصومینؑ کے آدابِ زیارت میں سے ایک ان ہستیوں کی ضریح کے سامنے نمازِ زیارت پڑھنا ہے اسی کو شیعوں کے لیے شریک کی بنیاد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اماموں کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ اوران کی پرستش کرتے ہیں جبکہ نماز کو صرف خدا کی خاطر بجالانے کے لیے کعبے کی طرف رخ کرنا چاہیے۔

### اعتراض کا جواب:

اگر آپ ایک مرتبہ ان مقامات پر تشریف لے جا کر دیکھ لیتے اور زائرین کے آداب زیارت کو دیکھ لیتے تو کبھی ایسے بے مقصد، بے بنیاد اور جھوٹ کو مذہب حقہ کی طرف نسبت نہ دیتے۔ اور ایک مخلص، موحد اور خدا پرست گروہ پر شریک کی تہمت نہ لگاتے، کیونکہ یہ شیعوں کی بالکل واضح منطق ہے کہ اس مذہب کے اصول وفروع، آداب وسنت ہر چیز میں توحید کی تجلی نظر آتی ہے۔ یہ تمام امور اور ہر جگہ پر نماز، دعا اور زیارات میں خدا کے سوا اور تقرب الی اللہ کے علاوہ کوئی اور ہدف اور مقصد نہیں رکھتے۔ زیارت نامے پر غور وفکر کریں۔ جہاں کس طرح پہلے مرحلے پر ہی خدا کی طرف متوجہ ہو کر اللہ اکبر کے جملے سے آغاز ہوتا ہے اور زیارت نامے کا

اختتام ان مقدس اور نورانی کلمات پر ہوتا ہے۔"اِنَّكَ اَنۡتَ اللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ "

## امیر المومنین علیہ السلام کے آداب زیارت سے ایک حصّہ:

امیر المومنین علیہ السلام کے آداب زیارت میں شیخ مفید مرحوم اور شہید سید ابن طاؤس رضوان اللہ علیہم نے جو طریقے بتائے ہیں، وہ کچھ اس طرح ہیں، جب کوفے کے نزدیک پہنچو تو رک کر کہو۔ "اَللّٰهُ اَكۡبَرُ،اَللّٰهُ اَكۡبَرُاَهۡلَ الۡكِبۡرِيَاءِ وَالۡمَجۡدِ وَالۡعَظَمَةِ،اللّٰهُ اَكۡبَرُاَهۡلَ التَّكۡبِيۡرِوَالتَّقۡدِيۡسِ وَالتَّسۡبِيۡحِ وَالۡآلَاءِ، اَللّٰهُ اَكۡبَرُمِمَّا اَخَافُ وَاَحۡذَرُ..." جب ضریح کا قبہ نمودار ہو جائے تو کہو۔ "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اخۡتَصَّنِیۡ بِهِ مِنۡ طِيۡبِ الۡمَوۡلِدِ وَاسۡتَخۡلَصَنِیۡ اِكۡرَامًابِهِ مِنۡ مُوَالَاةِ الۡاَبۡرَارِ السَّفَرَةِ الۡاَطۡهَارِ وَ الۡخِيَرَةِ الۡاَعۡلَامِ ،اَللّٰهُمَّ فَتَقَبَّلۡ سَعۡيِیۡ اِلَيۡكَ وَتَضَرُّعِیۡ بَيۡنَ يَدَيۡكَ وَاغۡفِرۡلِیَ الذُّنُوۡبَ الَّتِیۡ لَا تَخۡفٰى عَلَيۡكَ اِنَّكَ اَنۡتَ اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡغَفَّارُ" شکر ہے اس ذات کا جس نے میرے حسب ونسب کو پاکیزہ قرار دیا اور مجھے اپنے اولیاء کی دوستی کے ذریعے سربلندی عطا کی۔ پس اب اے خدائے بزرگ و برتر اپنی بارگاہ میں میری سعی وتلاش اور آہ ونالہ کو قبول کر نیز میرے گناہ جو تیری ذات سے پوشیدہ نہیں ان سب سے درگزر فرما۔ جب نجف اشرف کے دروازے پر پہنچو تو کہو۔"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَا اَنۡ هَدَانَا اللّٰهُ ..." خدا کا شکر جس نے اس شرفیابی کے ذریعے ہمیں ہدایت کی۔ اگر خدا کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم اس شرفیابی کے لائق نہ ہوتے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت کہو۔"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ اَدۡخَلَنِیۡ هٰذِهِ الۡبُقۡعَةَ الۡمُبَارَكَةَ الَّتِیۡ بَارَكَ اللّٰهُ فِيۡهَا وَ اخۡتَارَهَا لِوَصِیِّ نَبِيِّهِ..." اس ذات پروردگار کے لیے شکر جس نے مجھے

اس حرم میں داخل کیا جس میں اپنی خیر و برکت کو قرار دیا ہے اور اس مقام کو اپنے حبیبؐ کے جانشین کے لیے انتخاب کیا ہے۔ جب صحن کے دروازے پر پہنچو تو کہو۔ "اَللّٰهُمَّ كَمَا مَنَنْتَ عَلَيَّ بِمَعْرِفَتِهٖ فَاجْعَلْنِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ وَاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" اے میرے پروردگار تیری ذات نے اپنی معرفت کے ذریعے مجھ پر احسان کیا۔ پس مجھے ان کے پیروکاروں میں سے قرار دے کر جنت میں داخل کر، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَكْرَمَنِيْ بِمَعْرِفَتِهٖ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهٖ وَمَنْ فَرَضَ عَلَيَّ طَاعَتَهٗ ـ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا عَبْدُاللّٰهِ وَاَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هِدَايَتِهٖ وَتَوْفِيْقِهٖ لِمَادَعَا اِلَيْهِ مِنْ سَبِيْلِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَفْضَلُ مَقْصُوْدٍ وَاَكْرَمُ مَأْتِيٍّ وَقَدْ اَتَيْتُكَ مُتَقَرِّبًا اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبِاَخِيْهِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ" اس ذات کا شکر بجالاتا ہوں جس نے مجھے اپنی ذات کی معرفت اس کے حبیبؐ کی معرفت اور اس کی معرفت عطا کی جس کی اطاعت مجھ پر واجب ہے۔ گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا اور لاشریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں، اس کی جانب سے حق لے کر حق پر مبعوث ہوئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ علی علیہ السلام خدا کے بندے اور رسول خداؐ کے بھائی ہیں۔ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" خدا کا شکر بجالاتا ہوں جس نے ہدایت اور توفیق کی نعمت سے نوازا، جس کی

طرف اس نے دعوت دی ہے اس کے حصول کی توفیق بھی دی ہے ۔اے میرے پروردگار تیری ذات سب سے بہتر مقصود ہے اور سب سے قیمتی ہدف ہے، پس میں تیری جانب آیا ہوں اور تیرے رسولؐ رحمت اور ان کے بھائی علی ابن طالب علیہا السلام کے وسیلے سے تیری قربت چاہتا ہوں ۔پس داخل ہوتے وقت دائیں پیر کو پہلے رکھ کر حرم کے دروازے پر رک کر کہو۔ "اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡكَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ جَاءَ بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِهٖ وَ صَدَقَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ----"

پھر زائر کو چاہیے کہ وہ چھ رکعات نماز پڑھ کر ہدیہ کرے حضرت علی علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر جو مولائے کائناتؑ کے جوار میں مدفون ہیں ۔جیسا کہ انسانوں کی معاشرتی زندگی میں بھی عمومی طور پر کسی دوست یا عزیز سے اس کے لیے مناسب ہدیہ ساتھ لے کر جاتے ہیں ۔ اور اس رسم اور طریقے کی شریعت مقدسہ میں بہت تعریف کی گئی ہے، اور روایات رسول خداؐ اور چہاردہ معصومین میں اس کی بہت تشویق اور تاکید کی گئی ہے۔ یہاں بھی زائر اور دوست دار امام علیہ السلام خود کو اپنے مولا اور محبوب کی زیارت کی سعادت حاصل ہونے پر خدا کے حضور شکر بجالاتا ہے اور اس آقا کے لیے بھی تحفے اور ہدیے کو پیش کرتا ہے ۔اور یہ بات واضح ہے کہ شکر الٰہی بجالانے اور آقا کے حضور ہدیہ پیش کرنے کے لیے نماز سے بہتر اور کوئی ہدیہ نہیں ہے ۔ بنابریں زائر کے لیے یہی دستور العمل ہے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مطہر میں بالائے سر پر (ممکن ہونے کی صورت میں وگرنہ کسی بھی جگہ پر ) دو رکعت نماز پڑھ کر اس امام معصوم علیہ

السلام کے نام پر ہدیہ کرے، پھر اس کے بعد روبقبلہ ہوکر اس دعا کو پڑھے ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ صَلَّیْتُ ھَاتَیْنِ الرَّکْعَتَیْنِ ھَدِیَّۃً مِنِّیْ اِلٰی سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ وَلِیِّکَ وَاَخِیْ رَسُوْلِکَ اَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ وَسَیِّدِالْوَصِیِّیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ۔ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَتَقَبَّلْھَامِنِّیْ وَاجْزِنِیْ عَلٰی ذَالِکَ جَزَاءَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَّیْتُ وَلَکَ رَکَعْتُ وَلَکَ سَجَدْتُ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لِاَنَّہٗ لَا تَکُوْنُ الصَّلٰوۃُ وَرُکُوْعُ وَالسُّجُوْدُ اِلَّا لَکَ لِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَتَقَبَّلْ مِنِّیْ زِیَارَتِیْ وَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ بِمُحَمَّدٍ وَآلِہِ الطَّاھِرِیْنَ“ اے پروردگار ان دو رکعتوں کو میں امیرالمومنینؑ جو تیرے ولی اور تیرے رسولؐ کے بھائی، سیدالوصین کے حضور ہدیہ کرتا ہوں۔ اے پروردگار اپنی رحمت کو نازل کر محمدؐ وآل محمدؐ پر اور اس دو رکعت نماز کو مجھ سے قبول کر اور اس عمل کے بدلے نیکوکاروں کی اجر و پاداش کو میرے لیے عنایت فرما۔ پروردگار تیرے لیے نماز پڑھی۔ تیرے لیے رکوع و سجود بجالایا ہوں۔ تو معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ نماز، رکوع اور سجدہ تیرے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ کیونکہ تو وہ اللہ (معبود برحق) ہے جس کے علاوہ کوئی معبود اور خدا نہیں۔ پروردگار رحمت نازل فرما محمدؐ وآل محمدؐ پر اور زیارت کو مجھ سے قبول کر نیز محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں میری حاجت کو برآوردہ فرما۔(۱)

.................................

ا۔ مفاتیح الجنان، ص ۳۳۹ تا ۳۴۷۔

## اہل انصاف سے انصاف چاہتے ہیں:

ہم ایک مرتبہ پھر محترم پڑھنے والوں سے انصاف کے متقاضی ہیں، کیا زائر جب پہلا قدم نجف کی سرزمین پر رکھ دیتا ہے، اس وقت سے لے کر نماز و زیارت سے فارغ ہونے تک ہر حالت میں خدا کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا ہے اور ہر لمحے تسبیح و تقدیس اور تکبیر خدا بجالاتے ہوئے خدا کو اس کی عظمت و وحدانیت اور سبوحیت سے یاد نہیں کرتا ہے؟ اور اللہ کی قربت کو زیارت، دعا اور نماز کا مقصود سمجھتا ہے اور انتہائی صراحت کے ساتھ کہتا ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَفْضَلُ مَقْصُوْدٍ وَاَکْرَمُ مَأْتِیٍّ" خدایا تو سب سے برتر مقصود اور سب سے عزیز ہدف ہے اور امام علیہ السلام کو بھی اسی حوالے سے چاہتا ہے کیوں کہ وہ خدا کے صالح بندے، خدا کی جانب سے ولی اور اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ہیں۔ ان کے حرم کی زیارت کے لیے آگے بڑھ کر کہتا ہے۔ "وَقَدْ اَتَیْتُکَ مُتَقَرِّبًا اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَبِاَخِیْهِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ" اے پروردگار تیری طرف رخ کرلیا ہے اور تیرے رسولؐ اور ان کے بھائی امیر المومنینؑ کے وسیلے سے تیری قربت چاہتا ہوں۔ پھر حرم میں زیارت کی سعادت حاصل ہونے پر نماز پڑھتا ہے اور خدا کے لیے رکوع و سجود بجالاتا ہے اور کہتا ہے۔ "اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَّیْتُ وَلَکَ رَکَعْتُ وَلَکَ سَجَدْتُ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ " اے میرے پروردگار تیرے لیے نماز پڑھی، تیرے لیے رکوع و سجود بجالایا، تو تنہا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ " لِاَنَّهٗ لَا تَکُوْنُ الصَّلٰوةُ وَرُکُوْعُ وَالسُّجُوْدُ اِلَّا لَکَ " "پروردگارا، میں نے تیرے لیے نماز پڑھی اور تیرے ہی حکم سے رکوع و سجود بجالایا

کیوں کہ میں تیرے علاوہ کسی کو سزاوار نہیں پاتا، کہ اس کے لیے نماز و رکوع و سجود بجالایا جائے۔'' کیا خدا پرستی اور اس کی یکتا پرستی میں یقین کامل اور صراحت واخلاص کے ساتھ عمل بجالانے والا کوئی انصاف پسند موجود ہے؟

" فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ " (۱) تمہیں کیا ہوگیا ہے اور کیسے حکم دے رہے ہو؟" فَمَا لِهٰـؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا" (سورۂ نساء، آیت ۷۸) میں اس قوم کے ساتھ کیا برتاؤ کروں کہ یہ کوئی بات سمجھتی ہی نہیں! "قُلْ كُلٌّ مُتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى"(۲) کہہ دیجیے ہم سب انتظار میں ہیں اور یہ لوگ بھی انتظار کریں، بہت جلد سمجھ لیا جائے گا کہ گمراہی پر کون تھے اور راہ راست پر کون؟

### ب) دوسرا اعتراض:

### مُردہ اور غائب شخص سے مدد مانگنے پر اعتراض:

توسّل اور شفاعت چاہنے کے سلسلے میں ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے۔
اس ضمن میں معترضین زندہ و مُردہ انسان اور حاضر و غائب شخص کے توسّل کے بارے میں فرق کے قائل ہیں:

معترضین کہتے ہیں: ''اگر ہم اس مفروضے کو قبول کریں کہ زندہ و حاضر سے توسّل اور شفاعت و سفارش طلب کرنا توحید الٰہی سے منافات نہیں رکھتا اور یہ فعل شرک محسوب نہیں ہوتا ہے لیکن مُردہ اور غائب سے مخاطب ہو کر سفارش اور شفاعت مانگنا

---

۱۔سورۂ یونس، آیت ۳۵۔ ۲۔سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۳۵۔

اوران سے توسّل کرنا بہت بڑا شرک ہے اور توحید الٰہی کے سراسر منافی ہے اور یہ عموم مسلمین کی سیرت کے خلاف عمل بھی ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ اپنی کتاب ''التوسّل والوسیلۃ'' میں لکھتے ہیں: ''وَقَدْ يُخَاطَبُوْنَ الْمَيِّتَ عِنْدَ قَبْرِهِ أَوْ يُخَاطَبُوْنَ الْحَيَّ وَهُوَ غَائِبٌ كَمَا يُخَاطَبُوْنَهُ لَوْ كَانَ حَاضِراً حَيّاً وَيَنْشُدُوْنَ قَصَائِدَ، يَقُوْلُ اَحَدُهُمْ فِيْهَا: يَا سَيِّدِيْ فَلَاناً ۔۔۔ اِشْفَعْ لِيْ اِلَى اللّٰهِ، سَلِ اللّٰهَ لَنَا اَنْ يَّنْصُرَنَا وَعَلٰى عَدُوِّنَا، سَلِ اللّٰهَ اَنْ يَّكْشِفَ عَنَّا هٰذِهِ الشِّدَّةِ، اَشْكُوْ اِلَيْكَ كَذَا وَكَذَا۔۔۔ فَهٰذِهِ الْاَنْوَاعِ مِنْ خِطَابِ الْمَلَائِكَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ بَعْدَ مَوْتِهِمْ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ وَفِيْ مُغِيْبِهِمْ ۔۔۔ هُوَ اَعْظَمُ اَنْوَاعِ الشِّرْكِ الْمَوْجُوْدَ فِي الْمُشْرِكِيْنَ ۔۔۔'' (۱)

جس طرح مشرک مرے ہوئے انسان کی قبر پر آتا ہے اور اس سے مخاطب ہو کر گفتگو اور بات چیت کرتا ہے اور اس کے لیے قصیدہ خوانی کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ (صاحب قبر سے مخاطب ہو کر) کہتا ہے کہ ''اے میرے آقا و مولا خدا کے ہاں میری شفاعت فرما، ہمارے دشمنوں پر ہماری فتح و کامیابی کے لیے دعا فرما، ہماری مشکلات، سختیوں اور مصیبتوں کو برطرف فرما، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔

جب کہ اس قسم کی تمام باتیں اللہ کے فرشتوں یا انبیائے کرامؑ یا اللہ کے صالح بندوں سے کی جاتی ہیں۔ مگر ان کے مرنے کے بعد ان کے قبروں پر یا ان کے مخفی ہونے کے جگہ پر جا کر مدد کے لیے پکارنا شرک کی اقسام میں سے بہت بڑا

۱۔ التوسّل والوسیلۃ، ص ۱۸، ۱۹۔

شرک ہے اور یہ صرف مشرکین کے درمیان رائج ہے۔

## معترضین کے اعتراض کا جواب:

مگر ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ: کوئی بھی مطلب صرف ادّعا سے نہ ثابت ہوتا ہے، نہ اس کی نفی ہوتی ہے، بلکہ اس کے لیے دلیل و برہان کی ضرورت ہے تا کہ کسی مسئلہ کی نفی یا اثبات ہو سکے۔ جب کہ ہمارے پاس دلیل و برہان موجود ہے۔ اسی طرح ہر موجود اور ہر کسی کے بارے میں دلیل و برہان وہی ہے، جسے ہم نے توحید و شرک کے معنی کی تشریح و تحقیق کے ضمن میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ: خدا کے علاوہ کسی موجود پر، ذات وصفات اور افعال کے لحاظ سے مستقل اعتقاد رکھنا شرک ہے چاہے وہ موجود زندہ ہو یا مردہ، حاضر ہو یا غائب۔ لیکن کسی موجود کے بارے میں اس طرح عقیدہ رکھنا کہ اس موجود کو خدائے سبحان نے خلق کیا ہے اور بعض خصوصیات خدا نے اس موجود کو عطا کی ہیں اور اگر خدا نے مسائل کے حل اور شفاعت وسفارش کی ذمہ داری بھی اسے دی ہو تو ایسی صورت میں اس موجود پر اعتقاد رکھنا سو فیصد توحیدی مسئلہ ہے۔ اس لحاظ سے نہ عقلی طور پر کوئی چیز مانع ہے اور نہ شرعی نگاہ سے کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ اور زندہ و مردہ اور حاضر و غائب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

کیوں کہ اگر کوئی مخلوق زندہ و حاضر ہونے کی صورت میں اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو اور دوسروں کی نسبت ان کی دعائیں، سفارشات اور شفاعت مقبول ہو تو ان سے مرنے کے بعد یا غائب ہونے کے بعد بھی توسّل و شفاعت پر اعتقاد رکھنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور اسی طرح اللہ کے نزدیک ان کا مقام و

مرتبہ باقی ہو اور ان کے ہاتھ اور زبان سے نکلے ہوئے کلمات میں اللہ نے اثر بخشا ہو اور موت کے بعد بھی یہ اثر باقی ہو اور خلائق ان سے فیضیاب ہو رہے ہوں تو مردے یا غائب سے توسّل کرنے میں شرعاً کیا قباحت ہے؟ ہم لوگ جو کلام الٰہی پر عمل کرنے والے ہیں، ہمارا موت پر اعتقاد ایسا نہیں ہے کہ موت یعنی نابودی اور اس میں حیات ختم ہوگئی ہو، بلکہ ہمارے نزدیک موت موجودات کا ایک حالت سے دوسری حالت میں یا پستی سے بہتری کی طرف منتقل ہونے کا وسیلہ ہے اور اس دنیا سے بہتر اور وسیع تر ایک اور عالم میں زندگی شروع کرنے کے لیے جگہ بدلنے کا نام ہے۔ اور غائب رہ کر بھی کسی موجود سے فائدہ پہنچتا ہے تو اس انسان کے مقرب ہونے اور بلند مقام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بنابرایں، حاضر و غائب انسان اور زندہ و مردہ انسان جن سے توسّل اور طلب استدعا کی جاتی ہے، یہ شرک نہیں؟ اور اس فعل کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ معیار خدا کے علاوہ کسی موجود پر مستقل اعتقاد رکھنا یا اعتقاد نہ رکھنا ہے۔ اور فرض کریں مردہ یا غائب انسان کو خداوند متعال کی جانب سے کوئی کرامات عطا نہیں ہوئی ہیں اور ان کی دعائیں اور دیگر کلمات میں ان کی زندگی میں کوئی اثر نہیں تھا اور نہ مرنے کے بعد ان کے وسیلے سے کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا کوئی مقام و منزلت اور قرب ہے، تو اس صورت میں بھی مردہ اور غائب انسان سے توسّل اور شفاعت طلب کرنا بھی شرک نہیں ہے، بلکہ یہ کام ایک بے فائدہ، جہالت و نادانی پر مبنی فعل قرار پائے گا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جیسے کسی نے اندھے آدمی سے راستہ پوچھا ہو یا ان پڑھ سے پڑھنے اور لکھنے کے لیے کہا ہو۔

ایسا عمل اور تقاضا نامعقول اور توقعات کے خلاف ہے۔ جبکہ بحمد اللہ ہم اسلام کی پر برکت تعلیمات کی روشنی میں استدلال کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ''اللہ کے مقرب بندے اور عظیم اولیاء'' جس طرح دنیاوی زندگی میں خلائق کو نفع پہنچاتے رہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی فائدہ اور شفاعت اور نفع پہنچانے اور لوگوں کی مدد کرنے کی بھرپور قدرت رکھتے ہیں اور صمیم قلب سے مانگی ہوئی ہماری دعائیں اور فریاد و فغاں کو یہ حضرات سنتے ہیں، ہماری مدد کرتے ہیں، ہمارے حالات سے آگاہ ہیں اور خداوند متعال کے اذن سے لوگوں کی مشکلات اور حاجات کو حل کرنے اور پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دو مختصر تمہیدوں کے بعد جواب واضح ہوگا۔

ا۔ مقدمہ اوّل:

کیا علم اور قدرت دونوں حیات انسانی کا لازمہ ہیں؟

توضیح:

علم و قدرت اور فعالیت ہر زندہ انسان کی زندگی کا لازمہ ہے۔ البتہ انسانوں کی فعالیت اور درک کرنے کی قوت و طاقت کے درجات میں شدت وضعف فطری ہے، مثال کے طور پر قرآن کریم میں افرادِ انسانی میں سے ایک ہستی حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کے بارے میں واضح بیان موجود ہے جب کہ آپؑ ابھی پیدا ہوئے تھے اور ماں کی گود میں تشریف فرما تھے کہ خدا کی قدرت و طاقت سے گفتگو فرمانے لگے اور آسمان کے بلند حقائق کے بارے میں اطلاع دینے لگے اور گہوارے میں ہی اپنے عالم ہونے کے اظہار کے ساتھ ساتھ خود کو خدا کا پیغمبر اور مبعوث بہ رسالت ہونے کا اعلان فرمانے لگے۔

ادّعائے نبوت:

"قَالَ إِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیّاً "(۱) میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے۔

دلیل برادّعائے نبوت:

حضرت عیسیٰؑ نے خداوند متعال کے اذن سے اپنی قدرت وطاقت کے نفاذ کی راہ میں مضبوط بنیادیں قائم فرمائیں اور اپنے ادّعائے نبوت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے روشن اور واضح دلیل قائم کی۔ آپ کی روح مطہر پروردگار کی لازوال قدرت سے متصل تھی۔ اس چیز کو قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: "أَنِّی قَدْ جِئْتُکُم بِآیَةٍ مِّن رَّبِّکُمْ أَنِّیْ أَخْلُقُ لَکُم مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ فَأَنفُخُ فِیْہِ فَیَکُونُ طَیْراً بِإِذْنِ اللّٰہِ وَأُبْرِءُ الأَکْمَہَ وَالأَبْرَصَ وَأُحْیِیْ الْمَوْتَی بِإِذْنِ اللّٰہِ وَأُنَبِّئُکُم بِمَا تَأْکُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِیْ بُیُوتِکُمْ "(۲) میں تمھارے پروردگار کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تمھارے لیے لایا ہوں، اللہ کی حکمت وقدرت سے میں تمہارے لیے مٹی کے گوندے ہوئے خمیر سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں روح پھونکتا ہوں پس وہ خداوند متعال کے حکم سے اصلی پرندے کی شکل میں اڑے گا۔ اور میں تمہارے پیدائشی اندھوں کو بینائی اور برص (سفید داغ) کی بیماری میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے حکم سے بغیر کسی طبعی وسائل اور دوا کے شفا دیتا ہوں

۱۔ سورۂ مریم، آیت ۳۰۔ ۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۴۹۔

اورٹھیک کرتا ہوں ۔ اور میں خداوند متعال کے اذن سے مُردہ لوگوں کو زندہ کردیتا ہوں ،اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو پروردگار کے حکم سے بتادیتا ہوں۔

اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصاء سے پہاڑ کا سینہ چیر کر چشمے جاری کیے، دریائے نیل کو شگافتہ کر کے حضرت موسیٰؑ نے اپنی امت کے لیے راستہ بنایا اور آپ کی پوری قوم نے اس دریائی کچے راستے کو جو عصائے موسیٰؑ کے ذریعے بنایا گیا تھا، پار کرلیا۔اسی طرح حضرت رسول اکرمؐ نے اپنی انگشت مبارک کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے کیے اور آپؐ کو خداوند متعال نے آسمانوں کی سیر کرائی حکم الٰہی سے آپؐ نے درخت کو حرکت دی، سنگریزوں سے کلمہ پڑھوایا، ڈوبے ہوئے سورج کو واپس پلٹایا۔اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے سامنے ان کے دربار میں سے ایک ہستی جن کو خدا نے اپنی کتاب کا جزوی علم عطا کیا تھا۔ جناب آصف بن برخیا نے اسی تھوڑے علم سے پلک جھپکنے سے پہلے (مختصر ترین وقت میں ) تخت بلقیس ،ملکہٗ ملکِ سباء، کو حضرت سلیمانؑ کے سامنے حاضر کیا۔ طاقت وہمت وکمالات اور مراتب ودرجات کے سبب وہ ان مذکورہ امور کے لیے اپنی زندگی میں اللہ کے لیے قیام کرتے ہیں اور ان ہستیوں نے اپنی زندگی کو خدا کی خوشنودی کے لیے اور ان امور کی تکمیل کے لیے وقف کردیا ہے۔

اسی بنا پر یہ ہستیاں زندہ ہیں مرنے کے بعد بھی یہ ہمیں دیکھتے ہیں اور ہماری آواز سنتے ہیں ،درک کرتے اور سمجھتے ہیں ۔اور اپنے پروردگار کی جانب سے جتنی قدرت و طاقت ان کو دی گئی ہے اس کے ذریعے جس طرح وہ دنیاوی

زندگی میں دوسروں کی مدد کرتے تھے اسی طرح مرنے کے بعد بھی دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کو بلاد مصیبتوں سے بچاتے ہیں، ان کی حاجات کو پورا کرتے ہیں اوران کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔

### ۲۔ مقدمۂ دوم:

### انسان مرنے کے بعد نابود نہیں ہوتا:

انسان مرنے کے بعد نابود نہیں ہوتا اوراس کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی دوسرے عالم میں اسی طرح زندہ ہے جسے عالمِ برزخ کہتے ہیں۔اس عالم میں ارواح انسانی مخصوص شرائط کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔

یہ مطلب عقلی اعتبار سے فلسفی استدلال میں فلسفۂ علیا کی رو سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ فلاسفہ کے نزدیک اسلام سے پہلے بھی مسلمات میں سے ہے، تحقیق کرنے والوں کے لیے کتاب ''نفس'' اسفار صدرالمتألھین اور ''ملل ونحل'' شہرستانی کا مطالعہ ضروری ہے اور نقلی دلائل کے لحاظ سے بھی نمونے کے طور پر چند آیات و احادیث پیغمبرؐ پر اکتفا کرتے ہیں۔

### ازنظر قرآن، انسان کی برزخی زندگی:

''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی---''

''لوگوں کے مرتے وقت ان کی روحوں کو خداوند متعال ہی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو لوگ نہیں مرتے ان کی روحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے، پس جن کے بارے

میں خداوندمتعال موت کا حکم صادر فرما چکا ہے ان کی ارواح کو روک لیتا ہے اور جن کے لیے موت کا حکم نہیں آیا ہے ان کی ارواح کو واپس ان کے جسموں میں ایک مقررہ وقت کے لیے واپس بھیج دیا جاتا ہے، جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے ان آیات میں بہت ساری نشانیاں موجود ہیں۔"(۱)

یہ آیہ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ایسی روح جو اپنی دنیوی زندگی گزار چکی ہے اور اب اس دنیا سے کوچ کرنے کا وقت قریب ہے، اس کے لیے قبض روح خدا کرے گا۔ اور اس کے بعد وہ خدا کی حفاظت میں آجاتی ہے۔

"فَیُمۡسِكُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡهَا الۡمَوۡت" ہم اس چیز سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ایک ایسی روح جو، مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت میں آجاتی ہے، یہ وہی زندہ جوہر ہے جو مرنے سے پہلے بدن کو اپنی خدمت پر مجبور کرتا تھا اور اس بدن کے اعضاء و جوارح سے کام لیتا تھا۔ اب اس روح کا رشتہ بدن سے کاٹ دیا گیا ہے اور اس کی وہی خصوصیات جو روح کی (حیات ،ادراکیت اور فعالیت) ہیں دوسرے اعضاء وجوارح کے ساتھ ہیں جو عالم برزخ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور روایات کی زبان میں اسے (قالبِ مثالی یا جسمِ مثالی) سے تعبیر کیا گیا ہے جو اپنے کام کو جاری رکھتا ہے۔

معتبر روایات میں یہ مطلب ہے کہ: انسانی روح مادّی وجود سے مفارقت کرنے کے بعد ایک جسم لطیف میں منتقل ہوجاتی ہے، یہ جسم ہر جہت سے بدن دنیوی

---

۱۔ سورۂ زمر، آیت ۴۲۔

سے مماثلت رکھتا ہے یعنی شکل وصورت کے اعتبار سے اسی بدن کے مانند ہے، مگر جسم لطیف کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیوی بدن میں جو غلاظتیں، کثافتیں اور نجاستیں جریان رکھتی ہیں، جسم لطیف ان چیزوں سے پاک ہوگا۔ شکل وصورت کے اعتبار سے جو بھی اسے دیکھے گا وہ کہے گا، یہ وہی انسان ہے جسے دنیا میں دیکھا تھا، مگر اس وقت وہ جسمی غلاظتوں سے آزاد ہوگا، جب تک روح عالم برزخ میں ہے لامحالہ اسی جسم لطیف میں زندگی گزارے گا اور تمام برزخی چیزوں سے اسی جسم مثالی کے ذریعے سے لذت لے گا اور چاہت کے ساتھ درک کرے گا۔ یہ زندگی قیامت برپا ہونے تک اسی طرح جاری وساری رہے گی جب قیامت کبریٰ برپا ہوگی تو اس روح کو جسم مثالی سے نکال کر جسم مادّی اسی جسم جس میں وہ پہلے تھی، منتقل کر دیا جائے گا اور یہ روح اپنے پرانے بدن کے ساتھ حساب وکتاب کے لیے میدان حشر میں اپنی اپنی باری کا انتظار کرے گا۔

☆ مؤمنِ آلِ یاسین کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے کافر قوموں کے ساتھ مقابلہ کیا اور ان سے دشمنی رکھی۔ اور خدا کے انبیاءؑ اور رسولوں کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے میدان جنگ میں آئے اور اللہ کی راہ میں قتل ہوگئے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ، بِمَا غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَجَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ" (۱) اسے حکم ہوا کہ تو بہشت میں چلا جا، تو اس نے کہا کہ اے کاش میری قوم اس بات کو جانتی کہ میرے پروردگار نے مجھے

۱۔ سورۂ یٰسٓ، آیات ۲۶، ۲۷۔

بخش دیا ہے اور عزت و احترام والوں میں قرار دیا ہے۔ اس کے بعد والی آیت میں ارشاد فرمایا: "وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِنْ جُندٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ، إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ" (۱) ہمارے اس بندے کے مرنے کے بعد ہم نے اس کی قوم کو نابود کرنے کے لیے آسمان سے کوئی فوج یا لشکر نہیں بھیجا، بلکہ ان کو ایک سخت قسم کی چیخ کے ذریعے صفحۂ ہستی سے ملیامیٹ کر دیا۔

ان آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ مرد مؤمن ان کی کافر قوم کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور روح کا بدن سے جدا ہوتے ہی درگاہ الٰہی سے خطاب ہوا کہ تو بہشت (برزخی) میں داخل ہو جا۔ پس اس مرد مؤمن کو حضرت حق کی بارگاہ میں رحمت و مغفرت کے سائے میں آرام و راحت کے ساتھ اطمینان نصیب ہوا۔ مرنے کے بعد بھی یہ مؤمن دنیا میں اپنی سرکش اور جاہل قوم کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں جس طرح مرنے سے پہلے ان کو نصیحت اور ہدایت کیا کرتے تھے اور ان کی نجات کے لیے کوشاں رہتے تھے اسی طرح مرنے کے بعد بھی ان کے بارے میں یہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش یہ لوگ نیک اور اچھے ہو جاتے اور اپنے مقدر، نصیب اور قسمت کے بارے میں شناخت رکھتے اور اپنی قوم کے بارے میں یوں گویا ہوئے کہ: "اے کاش میری نادان اور جاہل قوم کو یہ خبر ہو جاتی کہ میں ایمانی قوت سے خدا کی راہ میں قیام کرنے کی وجہ سے سعادت عظمیٰ کی منزل

۱۔ سورۂ یٰسٓ، آیات ۲۸، ۲۹۔

پر فائز ہوا ہوں اور خداوند متعال کی جانب سے اکرام وانعام کا مستحق قرار پایا ہوں۔"

اسی شناخت وآگاہی کے نتیجے میں انسان سرکشی اور گناہوں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے انبیاءؑ واولیاءؑ کی خدمت کے لیے حاضر رکھتا ہے۔ اس کے عوض آخرت کی زندگی میں بخششوں اور انعام واکرام کا مستحق قرار پاتا ہے۔ قرآن مجید میں بیان شدہ اس سبق آموز درس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ایمان دار مؤمن جو اس دنیا سے گزر جاتے ہیں وہ دنیا میں رہ جانے والے اپنے لوگوں کے حال احوال کے بارے میں ضرور اطلاع رکھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی قدرت وتوانی کے مطابق اس دنیا میں رہ جانے والوں کے حق میں اور ان کی نجات کے لیے خداوند متعال سے ان کے بارے میں دعا وتمنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ لوگ اچھے ہو جائیں مگر اس تمام کوشش و سعی کے باوجود دنیا میں رہ جانے والوں کی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے یہ دعا بے اثر جاتی ہے۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں قابل اصلاح نہیں ہیں، ان کو اگر ہدایت و ارشاد کیا جائے تو یہ لوگ ان ہدایتوں (قرآن واحادیث) سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نجات حاصل نہیں کرتے، مرنے والوں کی دعا وتمنا کے باوجود اگر افراد نااہل ہوں تو وہ بھی نجات نہیں پا سکتے۔

☆ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے "حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ، لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَّرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ" جب ان میں سے کسی ایک کو

موت آتی ہے تو گریہ وزاری کرتے ہوئے فریاد کرتا ہے، بار الہا! مجھے پھر دنیا میں پلٹا دے، تا کہ جو کچھ مال دنیا میں سے چھوڑ کر آیا ہوں اس کو تیری راہ میں خرچ کروں اور نیک اعمال بجالاؤں، گزشتہ گناہوں کو معاف کراسکوں۔ اللہ فرماتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوگا، یہ سب بے فائدہ باتیں ہیں۔ ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی کیوں کہ آج تک مر کر کوئی واپس نہیں گیا ہے۔ اب اس کے سامنے عالم برزخ ہے۔ اور اسی میں رہیں گے اس دن تک جس دن تمام مخلوقات کو ایک ساتھ اٹھایا جائے گا۔" (۱)

اگرچہ بعض علمائے کرام اس آیۂ مجیدہ میں برزخ کو دنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم کے طور پر تسلیم نہیں کرتے اسے دنیا میں پھر دوبارہ واپس آنے میں رکاوٹ اور حاجب کے طور پر لیا ہے، لیکن مفسرین کے ایک گروہ نے اس آیۂ مجیدہ سے عالم برزخ کے وجود کا اظہار سمجھا ہے۔ اس موضوع پر آیات و روایات بہت زیادہ ہیں روایات کے لیے چند حوالے یہ ہیں۔ (۲)

☆ راہ خدا میں شہید ہونے والوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ" (۳) "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم لوگ درحقیقت حواس ظاہری سے اسے درک نہیں کر سکتے۔"

۱۔ سورۂ مؤمنون، آیات ۹۹، ۱۰۰۔ ۲۔ بحار الانوار، جلد ۶، ص ۱۲۴ تا ۲۷۰۔ تفسیر البرھان ونور الثقلین میں سورۂ مومنون، آیت ۱۰۰ کی ذیل میں رجوع فرمائیں۔

۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۴۔

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ،فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ،يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ "(۱) ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے لوگوں کے بارے میں یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ سے طرح طرح کی روزی پاتے ہیں اور جو جو فضل خدا نے ان پر کیا ہے،اس سے وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور شہید ہو کر ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے ہیں ان کی نسبت وہ آرزو کرتے ہیں کہ وہ بھی شہید ہو کر ان سے آملیں۔وہ کہتے ہیں ایسا ہوا تو ان کے لیے کوئی خوف ہے نہ وہ آزردہ ہوں گے۔خدا کی نعمت اور اس کے فضل وکرم کو دیکھ کر اور اس بات کی خوشخبری پاکر کہ مؤمنین کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا اس سے خوش ہو رہے ہیں۔''

یہ دو تین آیتیں شہداء اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کی مرنے کے بعد اور روح کے بدن سے الگ ہو جانے کے بعد ان کے زندہ ہونے پر اور اس عالم میں اللہ کی خصوصی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں پر دلالت کرتی ہیں۔دوسری طرف ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عالم برزخ میں ارواح کا زندہ رہنا ایک مسلم حقیقت ہے اور یہ بات صرف راہ خدا میں شہید ہونے والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے کیوں کہ تجرد و مادّیت کے احکام کے مطابق ارواح مساوی ہیں یعنی اگر روح مادّہ سے پیدا ہونے

۱۔سورۂ آل عمران،آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱۔

والی کوئی چیز ہے تو بدن کے مرتے ہی تمام ارواح کو مرجانا چاہیے اور اگر روح مادّہ سے نہیں بلکہ جوہر سے پیدا ہوئی ہے تو وہ مجرد مستقل اور باقی ہے۔ تو پھر ارواح کو مجرد ومستقل اور باقی رہنا چاہیے۔

یہ دو آیتیں تنہا شہدائے راہ حق کے بارے میں اگر ہمیں گفتگو کرتی ہوئی نظر آتی ہیں تو وہ اس لیے ہیں کہ جنگ بدر جو مسلمانوں اور کافروں اور مشرکین کے درمیان لڑی گئی، اس کے بعد شہدائے بدر کے بارے میں لوگوں کے درمیان بہت زیادہ بحث ومباحثہ اور گفتگو ہوئی کہ اس جنگ میں قتل ہونے والوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوگا۔ آیا یہ شہید راہ حق ہیں یا یہ لوگ مردہ اور فنا ہوگئے ہیں۔ چوں کہ یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی اس وجہ سے لوگوں پر وسوسہ غالب آرہا تھا۔ اس صورت حال کو جاننے کے لیے لوگ بے تاب تھے اور ایک دوسرے سے پوچھتے پھر رہے تھے کہ جنگ بدر میں مرنے والوں کا کیا ہوگا، کیا مرنے کے بعد یہ لوگ نابود اور فنا ہوگئے یا نہیں؟ رسول اللہؐ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ یہ لوگ رحمت پروردگار میں زندہ ہیں یا نہیں؟ جی ہاں! شہدائے جنگ بدر موضوع کے اعتبار سے ایسی شرائط واحوال میں تھے کہ پروردگار عالم نے یہ دو آیتیں شہدائے بدر کی شان میں نازل فرمائیں اور لوگوں کو شہدائے راہ حق کے بارے میں اچھی خبر سننے کو ملی۔

## ازنظر روایات، انسان کی برزخی زندگی:

اگر شیعہ وسنی معتبر کتب احادیث کا مطالعہ کریں تو بہت ساری احادیث، عالم برزخ میں زندگی گزارنے والی ارواح کے بارے میں ملیں گی جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں من جملہ:

**باب:** "اِنَّ الْمَيِّتَ خَفْقَ النِّعَالَ" یعنی میت اپنی تشیع جنازہ میں آنے والوں کے پاؤں کی آوازیں سنتی ہے۔(۱)

**باب:** "اِنَّ الْمَيِّتَ يَتَكَلَّمُ فِيْ الْقَبْرِ" میت قبر میں باتیں اور گفتگو کرتی ہے۔(۲)

**باب:** "اِنَّ الْمَيِّتَ يَرىٰ مَكَانَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ" میت جنت وجہنم میں اپنی منزل دیکھتی ہے(۳)

**باب:** "اِنَّ الْمَيِّتَ يَزُوْرُ اَهْلَهٗ" میت اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آتی ہے۔(۴)

**باب:** "كَيْفِيَّةِ السَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلىٰ سَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا اَتَى الرَّجُل الْمَقَابِر" پیغمبر اکرمؐ اور دیگر مؤمنین ومؤمنات کی قبور کی زیارت کے وقت ان ہستیوں پر سلام کس طرح کریں؟(۵)

کتاب صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ شب معراج پیغمبر اکرمؐ کی انبیائے عظامؑ حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی اور اسی طرح نماز واجب ہونے کے باب میں کہ کس طرح نماز واجب ہوئی اور کتنی نمازیں واجب ہوئیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا: خداوند متعال نے میری امت پر پچاس نمازیں واجب کی ہیں۔ اور جب میں زمین کی طرف واپس آرہا تھا تو حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، آپؑ

---

۱۔ صحیح مسلم، جلد۴، کتاب الجنائز، اور صحیح بخاری، جلد۲، ص۱۱۳۔

۲۔ البرهان الجلیة، ص۲۶، نقل از صحاح وسنہ۔

۳۔ البرهان الجلیة، ص۲۶، نقل از صحاح وسنہ۔

۴۔ اصول کافی، جلد۳، ص۲۳۰۔ ۵۔ صحیح بخاری، جلد۸، ص۹۵، وصحیح مسلم، جلد۲، ص۶۶۹۔

نے مجھ سے کہا کہ خداوند عالم نے آپ کی امت پر کیا کیا واجب کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خداوند متعال نے میری امت پر پچاس نمازیں واجب کی ہیں۔ موسیٰ نے کہا، آپ واپس جائیں اور خدا سے درخواست کریں کہ وہ نمازوں کی تعداد میں تخفیف فرمائے۔ کیوں کہ آپ کی امت میں پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: میں واپس گیا اور خدا کی بارگاہ میں نمازوں میں کمی سے متعلق دعا کی اور رب العزت نے میری دعا قبول فرمائی۔ وہاں سے زمین کی طرف واپس ہوا تو اس دفعہ بھی حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی، حالات جاننے کے بعد آپ نے پھر مشورہ دیا کہ آپ پھر واپس جائیں اور نمازوں میں مزید کمی کے لیے دعا کریں۔ میں نے پھر اسی طرح کیا، بارگاہ ایزدی میں جا کر پھر سے راز و نیاز اور امت کے لیے نمازوں میں تخفیف کی درخواست کی۔ اس دفعہ حق تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہوا "هُنَّ خَمْسٌ هُنَّ خَمْسُوْنَ لَايُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ" واجب نمازیں کل پانچ ہیں اور وہی پچاس نمازوں کے برابر ہیں اور اس مرتبہ میری بات میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

تیسری مرتبہ واپسی پر پھر حضرت موسیٰ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے پھر نمازوں میں کمی کے لیے درخواست کا مشورہ دیا۔ میں نے کہا کہ اب واپس جاتے ہوئے مجھے خدا سے شرم آتی ہے۔(۱) (حدیث جاری ہے مگر باقی حصہ ہماری بحث میں شامل نہیں ہے۔) اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ

۱۔ صحیح بخاری، جلد۵، ص۶۸۔

استفادہ ہوتا ہے کہ انبیائے ماسلف بھی اس دنیا سے رحلت کے بعد عالم برزخ میں زندہ ہیں اور جس طرح دنیا میں زندگی کرتے تھے اور حالات سے آگاہ تھے، وہاں بھی بنی نوع انسان کی زندگی سے آگاہ ہیں اور بنی آدم کے امور زندگی کی آسانی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ احکام نماز میں امت اسلامی کی زحمتوں میں تخفیف کے لیے کوشش فرمارہے ہیں۔

کتاب ''سنن نسائی'' اور امام غزالی کی کتاب ''احیاء العلوم'' میں یہ روایت نقل ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''اَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ صَلٰوتِکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ۔ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتَنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اُرِمْتَ ؟! قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اِنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یَرْزُقُ'' آپؐ نے فرمایا: مجھ پر درود وسلام زیادہ بھیجا کرو اتمہاری طرف سے بھیجا گیا درود وسلام ضرور مجھ تک پہنچتا ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ کس طرح ہمارا پڑھا ہوا درود وسلام آپؐ تک پہنچتا ہے؟ جب کہ آپؐ زمین کی خوراک بن گئے ہیں اور آپؐ کے جسد اطہر سے کچھ باقی نہیں بچا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: خداوند متعال نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیائے کرامؑ کے اجساد کو اپنی خوراک بنائے اور خدا کے انبیائے کرامؑ زندہ ہیں اور انہیں روزی دی جاتی ہے۔ (۱)

اس جملے کے مطالب کی طرف توجہ ضروری ہے۔ فرماتے ہیں: ''فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یَرْزُقُ'' خدا کے پیامبرؐ زندہ ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے۔ قاعدۂ اضافہ کی رو سے یہاں نبی، اللہ کی جانب اضافہ ہے اس صورت میں یہ جملہ عمومی فائدہ پہنچاتا

۱۔ البراهین جلیلة ،فی رفع تشکیکات الوهابیّة، ص ۲۷۔

ہے۔ یعنی اب یوں معنی ہوں گے کہ خدا کے تمام انبیائے کرامؑ اور پیامبران الٰہی اس دنیا سے گزر جانے کے بعد عالم برزخ میں زندگی اور پروردگار کی جانب سے عطا شدہ رزق سے اپنی بھوک مٹاتے ہیں اور لوگوں کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام کے تحائف وصول کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: "اِنَّ فِی الْاَرْضِ مَلَائِکَةً سَیَّا حِیْنَ یُبَلِّغُوْنِیْ عَنْ اُمَّتِی السَّلَامَ" (۱) آپ نے فرمایا: روئے زمین پر فرشتگان الٰہی گشت میں مشغول ہوتے ہیں تا کہ میری امت کی جانب سے بھیجے گئے درود وسلام اور ہدیے کو مجھ تک پہنچا سکیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں آپؐ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ وَکَّلَ مَلَکاً یُسْمِعُنِیْ اَقْوَالَ الْخَلَائِقِ (۲) خدا نے ایک فرشتے کو مامور کیا ہے، جو خلائق کی گفتگو اور باتیں مجھے سناتا ہے۔

پس جب یہ مطلب ثابت ہو گیا کہ پیامبران الٰہی وشہیدان راہ حق عالم برزخ میں زندہ ہیں اور روزی کھاتے ہیں۔ دور ونزدیک سے ان مقربان الٰہی کی خدمت میں بصد ادب درود و سلام عرض کرتے ہیں، تحائف کا ان کی خدمت میں پہنچتے ہیں یہ حضرات مشاہدہ کرتے ہیں، دریں صورت اگر ان بزرگوں سے استغاثہ کریں، فریادرسی کے لیے پکاریں، ان کی بارگاہ میں بخشش کے لیے مناجات کریں اور وہ ہستیاں فریاد وفغاں اور آہ ونالہ کرنے والوں کی حالت زار اور وضعیت سے مطلع ہو کر ان کی مدد کریں تو اس میں کیا اشکال اور تردد ہے؟

۱۔ المحجة البیضاء، جلد۲، ص۳۱۲، نقل از سنن دارمی، جلد۲، ص۳۱۷۔

۲۔ البراهین الجلیہ، ص۲۷، نقل از احیاء العلوم غزالی۔

رسول گرامی اسلامؐ سے منقول ہے "عِلْمِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ "(۱) جس طرح دنیاوی زندگی میں علم و آگاہی رکھتا ہوں ،مرنے کے بعد بھی میرا علم وآگاہی اسی طرح ہے۔

**گفتگو کا خلاصہ:**

پس ذکر شدہ دونوں مقدموں کا یہ نتیجہ ہے کہ: اولیاء اللہ اور خدا کے مقرب بندے دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد بھی زندہ ہیں اور خدا کی جانب سے عطا شدہ زندگی وعلم اور ارادہ وقدرت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی زندگی میں وہ لوگوں کی خدمات انجام دیتے تھے ،اسی طرح مرنے کے بعد بھی یہ مقدس لوگ ،خدا عالم برزخ سے باہر کے کاموں میں بھی تصرف اور اختیار رکھتے ہیں کہ جہاں اور جس کی چاہیں مدد کرنے کے لیے جاسکتے ہیں اور مدد کر سکتے ہیں۔قرآن مجید کے اس حکم کے مطابق "وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی "(۲) مظلوم وستم رسیدہ اور غم واندوہ کی شدت سے لوگوں کی فریاد وفغاں کی آوازوں کو یہ بزرگان سنتے ہیں اور ستمگروں کے شر سے ان مظلوموں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔لہٰذا ان بزرگوں سے توسّل کرنا اور ان کی طاقتور ارواح سے مدد طلب کرنا نہ عقل سلیم کی رو سے کوئی قباحت رکھتا ہے اور نہ شریعت میں ان کے بارے میں کوئی نہی اور ردّ آیا ہے، بلکہ قرآن کریم ہمیں توسّل کا حکم دیتا ہے اور ہر اس سے توسّل کرنا چاہیے جو قرب خداوندی کا سبب ہو اور ہماری حاجات ،مسائل کے لیے مؤثر ہو۔فرمایا:" وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"

۱۔البراھین الجلیۃ فی رفع تشکیکات الوھابیۃ، ص۷۴۔ ۲۔سورۂ مائدہ، آیت۲۔

اپنے لیے وسیلہ تلاش کرو۔(۱) اس اعتبار سے زندہ و مردہ اور حاضر و غائب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ "قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ" (۲) اگر تم سچے ہو تو اپنے مدعا کے لیے دلیل پیش کرو۔

## ج) تیسرا اعتراض (بدعت):

توسّل کے بارے میں شکوک و شبہات میں سے ایک شبہ بدعت ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ: انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی قبور کی زیارت کرنا اور ان بزرگوں کے مقبروں، مزارات میں نمازیں پڑھنا، دعائیں مانگنا، چومنا اور ہاتھ پھیرنا ان قبور پر گنبد، بارگاہ بنانا یہ تمام چیزیں بدعت و حرام اور غیر شرعی ہے اس سلسلے میں مزارات کو بنانے سے روکنے اور بنے ہوئے روضوں کو منہدم کرنا چاہیے۔ (۳)

## اعتراض کا جواب:

سب سے پہلے بدعت کے معنی کو سمجھنا ضروری ہے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ آیا جو چیزیں بیان کی گئی ہیں، وہ بدعت کے مصادیق میں سے ہیں بھی یا نہیں؟ اس بارے میں جو چیز مسلم ہے اور شیعہ سنی کے یہاں معروف و مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ: "اَلْبِدْعَةُ اِدْخَالُ مَا لَيْسَ مِنَ الدِّيْنِ فِي الدِّيْنِ بِقَصْدِ الدِّيْن" یعنی بدعت اسے کہتے ہیں کہ کوئی ایسا کام یا ایسا عقیدہ جو احکام دین کے لحاظ سے دین کا

---

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۵۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۱۔

۳۔ التوسّل والوسیلۃ، تالیف ابن تیمیہ، ص ۲۱۔ کتاب (الصراع بین الاسلام و الوثنیّۃ تالیف قصیمی، جلد ۱، ص ۶۴، ۶۵۔ بنقل کتاب (الدعوۃ الاسلامیہ) جلد ۲، ص ۲۹)

جزنہیں ہے اسے دین کا جز سمجھا جائے اوردین میں داخل کردیا جائے۔ چنانچہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ "وَمَنْ تَعَبَّدَ بِعِبَادَةٍ لَيْسَتْ وَاجِبَةً وَلَا مُسْتَحِبَّةً وَهُوَ يَعْتَقِدُ هَا وَاجِبَةً اَوْمُسْتَحِبَّةً، فَهُوَضَالٌّ مُبْتَدِعٌ ۔۔۔بِاتِّفَاقِ اَئِمَّةُ الدِّيْنِ " (۱) یعنی ایک ایسا عمل کہ جو نہ واجب ہے اور نہ مستحب ،اسے واجب یا مستحب شرعی قرار دینا گمراہی اور بدعت ہے۔ البتہ یہ کام نامشروع اور حرام ہونا اس قدر روشن وواضح ہے کہ اس کی حرمت کی اثبات میں دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حکم عقل کی رو سے کسی کو بھی حکم خدا میں کمی وبیشی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کے بارے میں رسول خداؐ نے فرمایا: "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ " (۲) ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے اور ہر قسم کی گمراہی والے جہنمی ہیں۔

یہاں ہماری بحث "بدعت کے مصادیق کی تشخیص ہے۔" بہت سارے لوگ مفاہیم سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے غلطی اور گمراہی کے شکار ہوجاتے ہیں یعنی کبھی سنت کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس سنت کو بدعت کہنے لگتے ہیں۔ اور کبھی خود بدعت سنت کی شکل میں آجاتی ہے اور مسلمانوں کی مذہبی رسومات میں آہستہ آہستہ رائج ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ہم دلائل کے ذریعے بدعت کی شناخت اوراسے پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تاکہ دھوکے اور گمراہی سے بچ سکیں: "کوئی بھی ایسا کام جو کسی طرح بھی دینی کام نہ ہو اسے عبادت سمجھ کر دین میں داخل کرنا اوراس پر عمل کو ضرورت سمجھ کر انجام دینا بدعت ہے۔"

۱۔ التوسّل والوسیلۃ، ص۱۹۔

۲۔ اصول کافی، جلد۱، ص۵۷۔

بنابریں کوئی بھی کام جو احکام شرعیہ کے عناوین سے مطابقت نہیں رکھتا ہو اور اس سلسلے میں شرع مقدس کی جانب سے کوئی امر و نہی نہ آیا ہو۔ اگر ہم اس کام کو کوئی شرعی عنوان دیے بغیر عادتاً انجام دے دیں تو یہ کام کسی بھی صورت بدعت میں شامل نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کام کے کرتے وقت اسے شریعت کی نیت سے انجام نہیں دیا ہے نہ اسے واجب یا مستحب شرعی سمجھ کر انجام دیا ہے کہ اس پر یہ اطلاق آئے کہ اپنی جانب سے دین میں کوئی کام داخل کر دیا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ اگر ایسا کام عقلا کے نزدیک اچھا نتیجہ دینے والا ہو تو یہ کام فائدہ مند شمار کیا جائے گا ورنہ بے کار اور لغو محسوب ہوگا۔ اگر ہم روزانہ صبح کے فریضے کی انجام دہی کے بعد میدان میں جا کر ایک پتھر کو دس مرتبہ زمین سے اٹھا کر سر کے اوپر لے جائیں اور پھر نیچے لائیں اور یہ روز کا معمول بنالیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہیں کہ اس بارے میں کوئی حکم شرعی بھی موجود نہیں ہے اور یہ کہیں کہ نماز کی طرح یہ کام بھی نہایت ضروری ہے۔ اگر اس نیت سے کہ یہ عمل مستحب ہے اور تعقیبات نماز میں سے ہے تو یقیناً یہ فعل حرام اور بدعت ہے۔

لیکن اگر شرعی عنوان دیے بغیر تفریحی اور ورزش کے طور پر انجام دیں تو یہ کام کسی بھی صورت حرام یا گناہ شمار نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی بدعت ایجاد کی ہے۔ اگر اس عمل کو حفظان صحت کے اصولوں میں سے بدن کی صحت اور مہلک بیماریوں کے علاج کے طور پر تجویز کریں یعنی احکام الٰہی اور شرعی فرائض کی انجام دہی کے لیے بدن میں ہمت و طاقت اور جان لیوا مہلک بیماریوں سے محفوظ ہونا ضروری ہے تو یہ عمل خود بخود مستحب یا وجوب شرعی کا حکم رکھتا ہے۔ یا کم از کم "قاعدۂ اصالۃ

الاباحۃ" کی رو سے باقی رہے گا یعنی جس میں شارع مقدس کی جانب سے کوئی حکم یا نہی، نہ آیا ہو۔

☆ یہ ممکن ہے کہ ایک عمل میں نیت کے بدلنے سے اس کا حکم بھی بدل جائے۔ چنانچہ کسی یتیم بچے یا کسی بھی بچے کو تھپڑ مارنا اگر اذیت نیت کے ساتھ ہو تو حرام ہے ،لیکن ادب سکھانے اور اخلاقی بے راہ روی سے روکنے کے لیے ہو تو وجوب یا استحباب کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح ''غیبت'' ہے، یعنی ایک مسلمان کے پیٹھ پیچھے عیب جوئی اور برائی کرنا، اگر اس غائب شخص کے عیبوں کو فاش کرنا مقصود ہو تو یہ کام حرام ہے اور اگر نہی از منکر یا مشورہ دیتے وقت ہو تو ان عیوب کو بیان کرنا واجب یا مستحب ہوگا اور اس عمل میں کوئی اشکال نہیں۔

انبیاءؑ و ائمہؑ کی قبور پر سجدہ کرنا اگر عبادت و شکر خدا کے لیے ہے کہ خداوند متعال نے ان بزرگواروں کی قبور کی زیارت نصیب فرمائی اور اس کی توفیق عنایت کی تو یہ سجدہ مستحب ہے اور قرب پروردگار کا سبب ہے۔ اور اگر صاحب قبر کی تعظیم و توقیر کے قصد سے ہو تو یہ کام بدعت اور حرام ہے کیوں کہ سجدہ خدا کے علاوہ کسی اور کے لیے تعظیم کے قصد سے ہی کیوں نہ ہو، اسلامی شریعت میں ممنوع اور گناہ ہے۔

چنانچہ اگر ہم قبر پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی قبور پر شیعہ حضرات کے انجام دینے والے کاموں کی ایک ایک کر کے دقت نظر سے چھان بین کر لیں اور اعمال کی نیتوں سے آگاہ ہو جائیں تو ہمیں ان اعمال میں سے کوئی بھی عمل بدعت اور حرام نہیں نظر آتا کیوں کہ کام کے انواع و اقسام میں سے ایک بطور مثال عرض خدمت ہے۔

## پہلی بات:

پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کا کسی مرے ہوئے بزرگ کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے وقت سامان سفر کا باندھنا، سفر پر نکلنا وہاں پہنچ کر اس بزرگ کی قبر پر بیٹھ جانا اور اس کے قبر پر ہاتھ پھیرنا اور بوسہ دینا اس پر سلام کرنا یا اس صاحب قبر کے احترام کی خاطر ان کی نشانی اور اثر کو بچانے کے لیے اس قبر پر چھت بنانا اور اس کی قبر کے کنارے شمع روشن کرنا، یہ تمام امور انسان کی بشری عادت کے مطابق ہیں، جو صاحب قبر کی محبت اور عزت و احترام میں انجام دے رہا ہے، وہ عبادت سمجھ کر نہیں کر رہا کہ اس کے بارے میں شریعت کی جانب سے کوئی حکم آیا ہو۔ لہٰذا یہ فعل بدعت اور حرام کے مصادیق میں سے نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ اپنے عزیز ترین دوست سے ملنے کے لیے سفری بیگ اٹھا کر یا سامان باندھ کر اپنے شہر سے کسی دوسرے شہر میں چلے جاتے ہیں کہ جہاں آپ کا دوست رہتا ہے، وہاں پہنچ کر انہیں سلام کریں اور انہیں گلے سے لگالیں اور اپنے اس عزیز دوست کی پیشانی کا محبت سے بوسہ لیں، ان کی ملاقات سے بہت خوش ہو جائیں، اس شوق محبت میں چند آنسو بہائیں چوں کہ آپ کو ان سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی۔ لہٰذا وہاں ان کے لیے آپ نے ایک شاندار اور خوبصورت گھر بھی بنا کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ کام انسانوں کے معاشرتی تعلقات کا حصہ ہیں اور کیا شریعت کی جانب سے اس کام کو انجام دینے کے لیے کسی خاص حکم کی ضرورت ہے؟ کہ شریعت کی طرف سے اجازت نہ ملنے پر یہ کام بدعت کہلائے اور وہابی فرقے کے فتویٰ کے مطابق قبروں پر چھت اور گنبد بنانے والوں اور غریب لوگوں کو مکان بنا کر دینے والوں کو مجرم قرار

دے کران پرلعن وطعن کریں؟ یاان کے کاموں کی تعریف کی جائے؟

یہ تمام امور انسانوں کی عادت وفطرت میں شامل ہیں اورانسانوں کی اجتماعی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ مہربانی وعنایات وبخشش کے ذریعے ان کے درمیان تعلقات کا سلسلہ جاری وساری رہے۔ کافر ہوں یا مسلم اس عمل کی انجام دہی کے بارے میں بغیر کسی تردیداورتوقف کے اقدام کیا جاتا ہے۔ اورزندوں اورمردوں کو برزخی زندگی پراعتقادرکھتے ہوئے ان موارد میں مساوی جانتے ہیں۔ یعنی عقلا کی نظر میں ایک زندہ انسان کا احترام کرنا ہرممکن انداز میں شریعت کی روسے ایک قابل تعریف اورشائستہ عمل ہے۔ اسی طرح اس دنیا سے جانے والے انسان کا جو عالم برزخ میں زندہ ہے اورحالات دنیاسے آگاہ ہے، اس کا بھی احترام کرنا ہرلحاظ حتیٰ کہ شرعی اعتبار سے قابل تعریف اورنیک عمل ہے۔ مگر وہ امورجن کے بارے میں اللہ کی جانب سے خصوصی نہی یا منع کا کوئی حکم آیاہواس صورت میں صرف وہی خاص اوروہی اس حکم کا مصداق ہیں اوروہی ممنوع وحرام ہوں گے۔

## دوسری بات:

☆ کیوں کہ زیارت وسلام اوراحترام ضریح اورقبرکو بوسہ دینا اس پر گنبد اوربارگاہ بنانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نہی نہیں آئی ہے لہٰذا(اصالۃ الاباحہ) ان کے مطابق امورکاحرام قراردینافرقۂ وہابیت کی جانب سے بغیر کسی دلیل وبرہان کے ہے اورانھوں نے خوداپنی طرف سے بدعت اورحرام قراردیاہے، کیوں کہ ایک ایسا کام جس کے بارے میں دین الٰہی میں کوئی منع نہ آیا ہواس چیز سے روکنا اورحرام قرار دینا خود ایک بدعت اور کتاب وسنت کے خلاف

ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" (۱) ''اے ایماندارو! شرائع و احکام دین بیان کرنے میں اللہ و رسول ؐ سے آگے نہ بڑھو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

☆ اپنی طرف سے کسی چیز کے بارے میں بغیر دلیل حکم لگانے والوں کے لیے) اللہ کی جانب سے یہ سخت تنبیہ کافی ہے کہ اپنے پیغمبرؐ کو (ڈراتے ہوئے) فرماتا ہے: "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ" (۲) ''اگر وہ رسولؐ (جو ہمارے نزدیک بہت زیادہ عزیز ہے) ہماری نسبت کوئی ایسی بات بنالائے جسے ہم نے نہیں کہا ہے تو ان کے ہاتھ (مجرموں کی طرح) پکڑیں گے اور ان کی شہ رگ (گلا) کاٹ دیں گے۔'' اسی طرح رسول خدا ؐ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے "فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَانْتَهُوا" (۳) ''تمہاری طاقت و ہمت اور توانائی کے مطابق ہو جس چیز کا حکم دیا ہے تو اسے لے لو۔۔۔! اور اس پر عمل کرو اور جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہے، اس چیز میں مرتکب ہونے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔''

یہ بات قضیۂ شرطیہ کے طور پر اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اکرم ؐ کی جانب سے کسی فعل میں نہی نہ ہونے کے باوجود اس سے خود کو بچانا جائز نہیں ہے

۱۔سورۂ حجرات، آیت ۱۔

۲۔سورۃ الحاقہ، آیات ۴۴، ۴۶۔

۳۔البراہین الجلیہ، ص ۱۱، نقل از سنن ابن ماجہ، باب اتباع سنۃ رسول اللہؐ۔

اوراس آیہ شریفہ کی تفسیر ہے "وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا "(سورہ حشر، آیت ۷)"اور جو تمہیں رسول اکرمؐ دیں اسے لے لو، جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ" یہ آیہ کریمہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ دین مقدس اسلام کے دستورات میں ہم اپنے پسندیدہ عمل داخل نہیں کر سکتے اور ناپسندیدہ باتیں وہاں سے نہیں نکال سکتے، بلکہ جس چیز کے متعلق رسول گرامی اسلامؐ نے حکم دیا ہے ہم پر لازم ہے وہی عمل انجام دیں اور منع شدہ امور سے انجام نہ دیں۔

## تیسری بات: شعائر اللہ کی تعظیم:

"تعظیم شعائر اللہ" علائم ونشاناتِ الٰہی کا احترام ایک ایسا موضوع ہے کہ جس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہے "وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ" (۱) اور اللہ کی نشانیوں (جو اس کی اطاعت کے لیے بنائی گئی ہیں) کی تعظیم کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔ کیوں کہ تعظیم شعائر الٰہی، دلوں کی پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے۔ ایمان وتقویٰ اور نورِ فضیلت سے روشن قلوب جہاں بھی شعائر اللہ تک پہنچے تو وہ نشانیاں انہیں اللہ سے نزدیک کر دیتی ہیں۔ اور دلوں کو معرفت ومحبت خدا اور اولیائے خدا سے سرشار کر دیتی ہیں۔ اور اسلام کی بنیادوں کو محکم ومضبوط کر دیتی ہیں۔ یہ امر فطری ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھنے والے قلوب جو شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اللہ کے شعائر کی خدمت میں جلدی کرتے ہیں، اس میں تاخیر کو وہ اپنا

---

۱۔ سورۂ حج، آیت ۳۲۔

نقصان سمجھتے ہیں۔ایمان کی دولت سے مالا مال دل رکھنے والے حضرات ایسے عظیم کاموں کو اپنے لیے قرب الٰہی کا وسیلہ جانتے ہیں۔چنانچہ مساجد ائمہ ؑ کا مزارات شعائر الٰہیہ میں سے ہونے میں کوئی شک اور تردد نہیں ہے، کیوں کہ تمام دنیا سے مسلمان کروڑوں کی تعداد میں جو خدا کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں، ان مبارک مقامات کی زیارت کی غرض سے آتے ہیں اور شب و روز ذوق وشوق سے قبر رسول اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے روضہ ہائے مبارکہ کے قریب خدا کے ساتھ راز و نیاز اور سجدہ و نماز اور درگاہ حضرت حق میں مناجات و گریہ وزاری کرتے ہیں۔

انہی قبور اور انہی مقامات مقدسہ کے بلند و بالا قبہ ہائے مبارک کی پناہ میں آنے والے اور شیطانی وسوسوں میں مبتلا کیسے کیسے سیاہ اور پتھر دل انسانوں کے قلوب یہاں سے نور ایمان لے کر واپس گئے ہیں اور کیسے کیسے گمراہ اور تباہ کار انسان ان مراکز عالیہ کے توسّل اور ذکر خدا کی برکت سے راہ حق پر آگئے اور گناہوں سے توبہ کر کے پرہیز گاروں میں سے ہو گئے۔لہٰذا ان مقدس شعائر کی تعظیم نص قرآن کریم کی رو سے پسندیدہ اعمال میں سے ہے اور قلب کی پاکیزگی کے ساتھ پرہیز گاری و تقویٰ میں تقویت کی علامتوں میں سے ایک ہے۔مگر کیوں کہ تعظیم عرفی (رائے عامہ) مفاہیم میں سے ایک ہے۔لہٰذا ممکن ہے اس کے مختلف مصادیق ہوں اور یہ مختلف شکل وصورت میں ہو۔اور یہ تمام صورتیں اور مصادیق جن پر تعظیم کا حکم آتا ہے، مذکورہ آیت کریمہ میں شامل ہیں ''تعظیم'' کی مختلف صورتوں کے حوالے سے شیعہ نقطہ نگاہ سے انجام پانے والے اعمال کے بارے میں مزید مثالیں پیش

کریں گے۔

☆ گنبد، صحن اور برآمدے بنانا:

یہ بات واضح ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں شعائر اللہ اور عبادت گاہیں معنوی اور روحانی لحاظ سے ہٹ کر ظاہری اعتبار سے جتنی زیادہ مزین اور باشکوہ ہوں گی، اتنا ہی لوگوں کی رغبت اور توجہ کا باعث بنیں گی۔ اس بات کا انکار بھی ناممکن ہے کہ آنکھوں کے سامنے سے گزرنے والے جلال و جمال کے جلوے دیکھنے والوں کے دلوں میں اپنا نقش بنا لیتے ہیں۔ جلال اور جمال کے مظاہر انہیں عاجزی وانکساری اور ادب واحترام کرنے پر ابھارتے ہیں۔ اور ناخواستہ وہ اس شان وشوکت رکھنے والی ہستی کی عظمت و بزرگی کا عقیدہ اپنے دل وجان میں راسخ کر لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج مشرق ومغرب سے تعلق رکھنے والی تمدن یافتہ قومیں جو ایک خاص سوچ اور تفکر اور خاص ثقافت رکھتی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کو مادّی لحاظ سے انہی ظاہری مظاہر میں دیکھتی ہیں۔ اور بہت زیادہ تاریخی، دینی اور مقدس مقامات، مثلاً مساجد جو اسلامی فنِ تعمیر کا حصہ ہیں، دنیا کے اکثر ممالک سے لوگ انہیں دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اور ان میں پائی جانے والی جاذبیت انہیں اسلام اور مسلمانوں کے تمدن کے سلسلے میں متاثر کرتی ہے "تمدنِ اسلام اور غرب" مؤلف ڈاکٹر گوستاولون، فرانسیسی دانشور کا کہنا ہے کہ جلال وجمال کے مناظر دیکھنے سے متاثر ہونا انسان کی فطرت کا حصہ ہے، جو کسی بھی قسم کے شرک وکفر اور منحرف عقائد سے تعلق نہیں رکھتا۔ لہٰذا بہت اچھا ہو کہ اگر مسلمان، اسلام کے اصل معنوی اور روحانی پہلوؤں کے ساتھ دینی شعائر کی تعظیم کے اس پہلو پر بھی توجہ دیں۔ اور اس

مقصد کے حصول کے لیے کہ لوگ مسجدوں اور اولیائے خدا کے مزاروں سے معنوی برکتیں حاصل کریں، اس امر کے لیے ان کی توجہات اور رغبت دلانے کی غرض سے ان مقامات کی صفائی ستھرائی، آرائش، مقامات مقدسہ پر عالی شان گنبدوں کی تعمیر ان کی قبور پر ضریح نصب کرنا، صحن اور برآمدے بنانا اور ہر اس چیز کا اہتمام کرنا جو زائروں کی آسائش کا سبب بنے، بہت ضروری ہے۔

جبکہ پروردگار عالم نے بھی ان مقدس مقامات کے بلند کرنے کا حکم صادر فرمایا: "فِیْ بُیُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ" (۱) (فانوس اور چراغ یا قندیل کا جلانا، جس کا اس آیہ شریفہ سے پہلے والی آیت میں ذکر کیا گیا) (وہ قندیل) ان گھروں میں روشن ہے، جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے جن میں صبح و شام ولوگ اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے سے نہ تو تجارت ہی غافل کرسکتی ہے نہ خرید وفروخت کا معاملہ کیونکہ وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں (خوف کے مارے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس آیت کریمہ میں کلمہ "بیوت" سے

۱۔ سورۂ نور، آیات ۳۶، ۳۷۔

مسجدیں مراد ہیں اور کلمہ ''رفع'' سے معنوی بلندی وعظمت وتعظیم مراد ہے۔ نہ یہ کہ گنبد و مینار کا بلند ہونا، برآمدے اور صحن بنانا اور ان کا چراغوں سے سجانا۔ ایسے شخص کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ کلمہ ''بیوت'' کو مسجدوں سے مختص دینا اور کلمہ ''رفع'' کو معنوی بلندی سے مختص کرنا۔ آیت کریمہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ کلمہ ''بیت'' سے مراد اس قرینہ ''یذکر فیھا اسمہ'' کو مدنظر رکھتے ہوئے ''بیت الذکر'' یعنی ہر وہ گھر جہاں اطاعت پروردگار اور ذکر خدا کیا جاتا ہو۔ یقیناً اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اہلبیتؑ کے روضے ''بیت الذکر'' اور عبادت پروردگار کا بہت روشن مصداق ہیں۔ لہٰذا مذکورہ آیت کریمہ اس آیت ''وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا'' (۱) کے بعد قرار پائی ہے اور اس آیت میں پروردگار عالم کی جانب سے ''رفعت'' اور بلند کرنے کا حکم دیا گیا۔ ''اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔''

اور اسی طرح اس مقام پر کلمہ ''رفع'' کا مطلب بلند یا اونچا کرنا، کلمہ ''تعظیم'' کے مفہوم کے مساوی ہے، جس طرح کسی کی معنوی لحاظ سے بڑائی اور قدرت ومنزلت بیان ہوتی ہے اور اسے ظاہری بڑائی پر بھی محمول کیا جاتا ہے (اگرچہ آیت میں ''بلندیِ معنوی'' کے ساتھ ظاہری بلندی بھی مراد ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ معنیٰ استعمال ہوئے ہیں، جیسے ''اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا'' (۲) ''خدا وہی تو ہے جس نے آسمانوں

۱۔ سورۂ مبارکہ حج، آیت ۴۰۔ ۲۔ سورۂ مبارکہ رعد، آیت ۲۔

کو جنہیں تم دیکھتے ہو بغیر ستون کے (بلند) کھڑا کردیا۔ "وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ" (۱) یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا۔ "وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ" (۲) اور ہم نے ان کے عہد (وپیان) کی وجہ سے (ان کے سر) پر (پہاڑ) کو لٹکا دیا "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ" (۳) اور وہ (وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیمؑ واسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کررہے تھے۔ یہ بات بہت واضح وروشن ہے کہ خدا کا آسمانوں کو بغیر دیکھنے والے ستونوں کے بلند کرنا اور جناب یوسفؑ کا اپنے والدین کو تخت پر بٹھانا، خدا کا بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کا بلند کرنا اور جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا کعبے کی بنیادوں کو بلند کرنے کا تعلق ''حس'' مادّی اور ظاہری مصداق میں سے ہے، یہ معنوی رفعت و بلندی مراد نہیں ہے۔ (اگر چہ یہ احتمال ہوتا کہ ان آیتوں میں ظاہری اور حسّی بلندی ورفعت کے معنیٰ خاص قرائن کی وجہ سے ہیں، موجود ہے) اہل بیت علیہم السلام کے روضہ ہائے مبارک آیۂ کریمہ "بُيُوتٍ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ" کا واضح وروشن مصداق ہیں۔

☆ چنانچہ سورہ نور کی آیت نمبر ۳۶ کے ذیل میں شیعہ اور سنی حضرات نے متعدد روایات نقل کی ہیں، جو اس معنیٰ کی تائید کرتی ہیں، اس مقام پر چند مثالیں ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔ ''الدر المنثور'' میں انس بن مالک اور بریدہ سے نقل ہے کہ رسول خداؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی "اَنْ يَرْفَعَ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ"

۱۔ سورۂ مبارکہ یوسف، آیت ۱۰۰۔

۲۔ سورۂ نساء، آیت ۱۵۴۔

۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۷۔

ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ یہ کون سے گھر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ''بیوت الانبیاء'' انبیاءؑ کے گھر ہیں۔ اس وقت حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کے گھر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ '' یَارَسُوْلُ اللّٰہُ ھٰذَاالْبَیْتُ مِنْھَا'' کیا یہ گھر بھی ان گھروں میں سے ہے؟ رسول خداؐ نے فرمایا ''نَعَمْ مِنْ اَفْضَلِھَا'' ہاں یہ ان گھروں میں سے بہترین گھر ہے۔ اور (۱) اور تفسیر علی بن ابراہیم قمی نے امام باقرؑ سے اسی آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے ''ھِیَ بُیُوتِ الْاَنْبِیَاءِ وَ بَیْتُ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامِ مِنْھَا'' وہ گھر، انبیاء کے گھر ہیں اور علیؑ کا گھر ان میں سے ایک ہے۔ (۲)

لہٰذا جس طرح ان مقاماتِ مقدسہ کی معنوی منزلت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں گناہوں کی ناپاکی اور ظاہری نجاست سے دور رکھا جائے، وہاں ضروری ہے کہ ان مقامات مقدسہ کو ظاہری طور سے بھی بلند کیا جائے، یعنی ان کے گنبد بنائے جائیں تا کہ ان مقدس مقامات پر ''رفع بیوت'' کا مکمل اطلاق کیا جا سکے، تا کہ ظاہری چیزیں دیکھ کر متاثر ہونے والے افراد اس ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر ان صاحبان عصمت کے سامنے خاضع و سرنگوں ہو جائیں تا کہ ان کے دلوں میں ان بارگاہوں میں جانے کا شوق و رغبت پیدا ہو اور اس طرح یہ پروردگار عالم کی جانب سے نازل ہونے والی برکات سے فیض حاصل کر سکیں۔ یقیناً پروردگار عالم یہ چاہتا ہے کہ ''علیؑ و آلِ علیؑ علیہم السلام'' جو کہ مشعل ہدایت اور وادی حیرت وضلالت میں

۱۔ تفسیر المیزان، ج ۱۵، ص ۱۵۳۔ ۲۔ ج ۲، ص ۴ ۱۰۔ اور تفسیر برہان، ج ۳، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹

بھٹکنے والوں کے حقیقی رہنما ہیں، انہیں بشری صورت میں ہر مقام پر، ہر زمانے میں عزیز، سربلند اور دوسروں کی نسبت ممتاز رکھے۔

## زیارتِ جامعہ کبیرہ میں پڑھتے ہیں:

"اَشْهَدُ اَنَّكُمُ الْاَئِمَّةُ الرَّاشِدُوْنَ ۔۔۔اِصْطَفَاكُمْ بِعِلْمِهٖ۔۔۔وَرَضِيَكُمْ خُلَفَاءَ فِیْ اَرْضِهٖ۔۔۔ وَاَعْلَاماً لِعِبَادِهٖ وَمُنَاراً فِیْ بِلَادِهٖ وَاَدِلَّاءَ عَلٰی صِرَاطِهٖ۔۔۔" یقیناً خاندان علیؑ کا ہدف ومقصد دو جہانوں میں انسانوں کی سعادت وکامیابی کے سوا کچھ نہیں اور یہ خاندان ہمیشہ مخلوق پر احسان اور ان کی پریشانیوں کو دور کرنے میں مشغول ہے۔ "عادتهم الاحسان و سجيّتهم الكرم" یہ وہ شجرۂ طیبہ ہیں کہ جو حاجت مندوں کو اپنے پھل سے محروم نہیں کرتا۔ کبھی تکبر نہیں کرتے اور کبھی مخلوق خدا سے اپنا دامن نہیں سمیٹتے۔ اور کبھی اللہ کی مخلوق پر اپنے دروازے بند نہیں کرتے۔

ان کی حیات ظاہری میں جب تک جابر حکمرانوں کی جانب سے ممنوعیت نہ ہوئی، ان کے دروازے لوگوں کے لیے کھلے رہے۔ ان کے احسانات کا دسترخوان ہر خاص وعام کے لیے بچھا رہتا تھا۔ علم وفضیلت کے تشنہ افراد کو اپنے خالص آسمانی علوم کے ذریعہ سیراب کرتے رہے بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے اور بےلباسوں کے لیے لباس مہیا کرتے تھے۔ ہر قسم کے حالات میں لوگوں کی مشکلات کو کسی نہ کسی صورت میں حل فرماتے۔

اسی طرح ان کے مزارات مقدسہ ہر غم دیدہ انسان کے لیے ایک محکم پناہ گاہ اور مضطرب وپریشان لوگوں کے لیے بہترین آرام گاہ ہیں۔ یہ انسانوں کا

ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جو دن رات ان حضراتؑ کی قبور پر موج در موج آتا ہے اور عشق ومحبت کے آنسوان کی قبور پر بہاتا ہے۔ان کی پاک وطیب ارواح اور بلندی مقامات کے ذریعہ دعائیں مستجاب اور بلائیں ٹل جاتی ہیں، دردوں کا علاج ہوتا ہے اور مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔

یقیناً یہ بات بھی روشن ہے کہ جب بھی کسی تپتے ہوئے ریگستان سے صاف وشفاف پانی کا چشمہ پھوٹتا ہے، پیاسے پرندے اس مقام کی جانب کھنچے چلے جاتے ہیں اور اس کے اردگرد اپنے بال و پر چھوڑ جاتے ہیں۔اسی انداز سے ہم دنیا کے گوشہ وکنار میں فیض وبرکت پروردگار کو ملاحظہ کرتے ہیں۔کبھی ان کے جسم مطہر کے مقام دفن کی صورت میں تو کبھی ان کی عبادت گاہ یا حالت سفر میں قیام گاہ کی صورت میں یا کسی اور انداز میں جو ان سے منسوب ہوجائے، ان کے چاہنے والوں کا ہجوم اور زائروں کے لیے زیارت گاہ ہوجاتی ہے۔ تاکہ بھٹکے ہوئے لوگ ان مناروں یعنی خدا کی جانب سے نصب ہوئے پرچموں کی جانب لپکیں اور اپنے دلوں کی پیاس بجھائیں اور علوم آسمانی کے پاسدار یعنی صاف وشفاف سرچشموں سے متمسک ہوکر کامیاب ہوجائیں۔

## قبور گرانے کی روایت:

فرقہ وہابیت کی دستاویزات میں جو مطلب بارگاہوں سے متعلق ہے ،اسے گنبد اور ضریح آئمہ معصومینؑ کے منہدم کرنے سے متعلق پیش کرتے ہیں جو ابی الھیاج اسدی کی قابل اعتراض روایت ہے جس میں وہ کہتا ہے۔قَالَ لِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْطَالِبٍؑ "اِنِّیْ لَاَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ

وَسَلَّمْ ،اَ لَّاتَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّاطَمَسْتَهُ وَلَاقَبْراً مُشْرِفاًاِلَّا سَوَّيْتَهُ" (۱)

"علی بن ابی طالبؑ نے مجھ سے کہا: میں تمہیں وہ کام سونپ رہا ہوں جس کے لیے "رسول خداؐ" نے مجھے مامور کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ ہر صورت و مجسمہ کو نابود کردو اور ہر اونچی قبر کو تسویہ (زمین کے برابر) کردو۔ فرقہ وہابیت اس حدیث سے تمسک کرتا ہے اور تسویہ کو انہدام کرنے کے معنی میں لیتا ہے۔ اور اس طرح وہ قبور اور قبوں کو منہدم کر دیتے ہیں۔

جب کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے کمزور ہے اور دلالت اور مدعا کو ثابت کرنے میں نارسا ہے۔ سند کے خدشہ دار ہونے کی تفصیلات کو مفصل کتابوں کے حوالے کرتے ہیں مثلاً کتاب "کشف الارتیاب، صفحہ ۳۶۶، شارح سنن نسائی نے سیوطی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ابی الھیاج کے علاوہ کسی سے نقل نہیں ہوئی (۲)

**یہ حدیث ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی، اس سلسلے میں چند ایک نکات قابل غور ہیں :**

**نکتۂ اوّل:**

کلمہ "تسویہ" نہ تو لغت کی کتابوں میں اور نہ ہی روزمرہ کے استعمال میں انہدام اور خراب کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ اس کلمہ کا لغوی اور عرفی معنی "تعدیل" کے ہیں، یعنی کسی چیز کو معتدل قرار دینا، اس ضمن میں افراط و تفریط

............

۱۔ التوسّل والوسیلہ، مؤلف، ابن تیمیہ، ص ۱۳، مسلم سے نقل کی گئی ہے۔

۲۔ کشف الارتیاب، ص ۳۴۸۔

سے دور رہنا۔

☆المنجد: سوی الشیٔ جعله سویا: السوی : وسط بين الطرفين

☆مفردات راغب: تسويه الشئی، جعله سواً امافی الرافعةاوفی الضعة، والسوی يقال فيها يصان عن الافراط والتفريط۔

☆مجمع البحرين: اَلتَّسْوِيَةُ وَهِيَ عِبَادَةٌ عَنِ التَّعْدِيْلِ.

مندرجہ ذیل آیتوں میں یہ کلمہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ا۔" فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِن رُّوحِيْ فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِيْنَ "(۱)

۲۔" رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا" (۲)

۳۔" الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى"(۳)

۴۔" الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ "(۴)

واضح ہے کہ ان آیتوں میں آسمان و زمین اور جہاں میں پائے جانے والے تمام موجودات کو مکمل اور اعتدال میں خلق کرنے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور اس مطلب کو کلمہ ''تسویہ'' سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر مذکورہ حدیث سے قبروں کے آثار کو مٹا دینا یا انہیں زمین کے برابر کرنا ہوتا تو قانون القائے کلام کی روشنی میں مذکورہ آیتوں کو اپنی ذیل میں آنے والی عبارتوں کے ذریعے تعبیر کیا جاتا۔ " لَاتَدَعْ قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا مَحَوْتَهُ يَا وَطِئْتَهُ "،" جَعَلْتَهُ لَاطِئاً"، "سَوِّيْتَهُ بِالْاَرْضِ "یعنی ہر

ا۔سورۂ حجر، آیت ۲۹

۲۔سورۂ نازعات، آیت ۲۸۔

۳۔سورۂ اعلیٰ، آیت ۲۔ ۴۔سورۂ انفطار، آیت ۷۔

بلند اور اونچی قبر کو محو و نابود کرو، زمین کے برابر کردو، زمین سے ملا دو، جبکہ حدیث میں اس قسم کی تعبیر سے استفادہ نہیں کیا گیا اور کسی قسم کے قرائن بھی موجود نہیں کہ جن کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح ہو کہ ''تسویہ'' اس مقام پر زمین کے ہم سطح ہونے یا قبروں کے خراب کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جبکہ قبر کے آثار کو نابود کرنا یا اسے زمین کے مساوی کرنے کا عمل شریعت کی نگاہ میں مستحب عمل نہیں بلکہ بظاہر علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ قبر کو زمین سے کچھ اونچا رکھا جائے۔ البتہ کچھ علماء کے فتووں کے مطابق چار کھلی ہوئی انگلیوں یا بند اور چپکی ہوئی انگلیوں جتنی بلندی مردہ کے دفن کرنے کے مستحبات میں سے ہے۔(۱) لہٰذا اس کلمہ ''تسویہ'' کے مناسب اور بہتر معنیٰ ''تعدیل'' یعنی ''تسطیح''، یعنی قبر کے اوپری حصہ کو برابر کرنے کے ہیں، جو کلمۂ ''تسنیم'' کے مقابلے میں ہے۔

کیونکہ زمانہ قبل از اسلام کی جاہلانہ رسومات میں سے ایک رسم یہ تھی کہ وہ قبر کے اوپری حصہ کو ''مسنَّما'' یعنی مچھلی کی پشت کی طرح بناتے تھے۔ احتمالاً کلمہ ''مشرفا'' مذکورہ حدیث میں اسی نکتے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اور کیونکہ قبر کی یہ کیفیت شریعت میں مکروہ ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث میں اسے ''تسطیح'' یعنی زمین سے بلند اور مسطح کرنے کا حکم دیا گیا۔

نکتۂ دوّم:

مورّخین کے مطابق زمانہ جاہلیت میں رہنے والے لوگوں کے ہلکے اور غیر

ا۔ جواہر الکلام، ج ۴، ص ۳۱۲۔

مستند عقائد جو ان میں راسخ ہو چکے تھے یہ تھے کہ وہ اپنے مردے کو دفن کرنے کے بعد قبروں پر مجسمے نصب کر دیا کرتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ لہٰذا اگر فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ حدیث میں "تسویہ" سے مراد "تخریب" و خراب کرنے کے ہیں تو ایسی صورت میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ حدیث میں اس قسم کی قبریں مراد ہیں۔ جب کہ اسی حدیث میں یہ جملے بھی آتے ہیں "وَلَا تِمْثَالاً اِلَّا طَمَسْتَهُ" یعنی تم کسی بھی مورتی و مجسمہ کو مت چھوڑنا مگر یہ کہ انہیں نابود کر دو۔ دوسری طرف خود رسول خداؐ کے زمانے میں آپؐ کے سامنے مسلمانوں کی قبریں موجود تھیں، لیکن کبھی آپؐ نے ان کو نابود کرنے کا حکم نہ دیا۔

نکتۂ سوم:

اگر فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ حدیث سند اور دلالت کے لحاظ سے صحیح ہے اور اس حدیث کا مدعا قبروں کو اونچا کرنے کو حرام قرار دینا ہے، تب بھی ہماری گفتگو سے اس کا کوئی تعلق نہیں پایا جاتا، کیونکہ ہماری بحث گنبد، صحن برآمدے اور ضریح بنانے سے ہے جو کوئی "قبر" نہیں ہیں بلکہ یہ سب کے سب قبر کے اطراف یا اس کے اوپر تعمیر کی جانے والی چیزیں ہیں۔ لہٰذا اگر قبر کو زمین کے برابر یا مستحب ہونے کی بنا پر چار انگل بلند کر دیا جائے اور پھر اس کے اطراف میں برآمدے، صحن اور گنبد تعمیر کر دیے جائیں، اس پر ضریح بنا دی جائے تو یہ کام کسی قسم کی مذکورہ حدیث سے مخالفت کا سبب نہیں بنیں گے کیونکہ قبر میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی اسے اونچا نہیں کیا گیا۔

## نکتۂ چہارم:

قبر مطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی موجود ہے جو ابتدا ہی سے آپ ؐ کی وصیت کے عین مطابق ہے۔ ''مرحوم علامہ کلینیؒ امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ:'' قَالَ النَّبِیُّ لِعَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ: یَاعَلِیُّ اِدْفِنِیْ فِیْ هٰذَا الْمَکَانِ وَارْفَعْ قَبْرِیْ مِنَ الْاَرْضِ اَرْبَعَ اَصَابِعَ وَرُشَّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَآءِ'' ''پیغمبر اکرمؐ نے اپنی رحلت سے قبل حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ، مجھے اسی مکان (جہاں بیماری کے حالات میں تھے) میں دفن کرنا اور میری قبر کو زمین سے چار انگل بلند رکھنا اور اس پر پانی چھڑک دینا۔

دوسرے مقام پر امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ:''اَتَی الْعَبَاسُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: یَا عَلِیُّ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اجْتَمَعُوْا اَنْ یَدْفِنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ بَقِیْعِ الْمُصَلّٰی وَاَنْ یَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَخَرَجَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ: یَآاَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِمَامٌ حَیًّا وَمَیِّتًاوَقَالَ:اِنِّیْ اُدْفَنُ فِی الْبُقْعَةِ الَّتِیْ اُقْبَضُ فِیْهَا،ثُمَّ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَصَلّٰی عَلَیْهِ ثُمَّ اَمَرَالنَّاسَ عَشَرَةً عَشَرَةً یُصَلُّوْنَ عَلَیْهِ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ''

عباسؓ مولائے کائناتؑ کی خدمت میں آئے اور کہا: اے علیؑ لوگ جمع ہیں تاکہ رسول خدا ؐ کو آپ کے نماز پڑھنے کے مکان میں دفن کیا جائے اور کسی ایک صحابی کی رسول خداؐ پر نماز پڑھنے میں اقتدا کریں۔ حضرت علیؑ لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو: رسول خداؐ چاہے عالم حیات میں ہوں یا ممات

میں ،امام ہیں اور رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جس جگہ میری روح قبض ہو مجھے وہیں دفن کرنا۔ پھر علیؑ کمرے کے دروازے کے مقابل کھڑے ہوئے اور رسول خداؐ پر نماز پڑھی اور پھر حکم دیا کہ دس دس افراد کی صورت میں آنحضرتؐ پر نماز پڑھیں اور باہر آجائیں۔(۱) اس حدیث کے مطابق قبر رسول خداؐ جناب طاہرۂ صدیقہؑ کے حجرے میں واقع ہے اور بعد میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی اس اسی حجرے میں دفن ہوئے۔ آج ۱۴ سو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آپؐ کی قبر شریف، روضے کا گنبد سجا ہوا اور مزین ہے۔ پورے سال ان گنت مسلمان اس زیارت گاہ کی زیارت کرتے ہیں۔ لیکن کبھی بھی صحابہ کے زمانے سے آج تک کسی نے اسے مورد اعتراض قرار نہیں دیا۔

وہابیوں کی فکر و سوچ کے مطابق رسول اکرمؐ نے (نعوذ باللہ) یہ وصیت فرما کر کہ مجھے سیدہ سلام اللہ علیہا کے حجرے میں جو کہ اونچا ہے دفن کرنا۔ (نعوذ باللہ) کیا آپؐ نے بدعت کی وصیت فرمائی ؟!اور تمام اصحاب رسولؐ کی جانب سے،رسول خداؐ کے حجرے میں دفن ہونے پر اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اسی حجرے میں دفن کرنے پر خاموشی ،کیا بدعت عمل پر رضامندی نہیں تھی ؟!امت اسلامی نے چودہ سو سال سے رسول خداؐ اور شیخین کی قبروں کو اسی مکان میں باقی رکھا، اس کی تزئین کی اور اس پر قبہ اور ضریح تعمیر کی ،کیا سب کے سب ضال و گمراہ اور بدعت ایجاد کرنے والے تھے؟؟!!''مَالَکُم کَیفَ تَحکُمُونَ'' ؟

ا۔اصول کافی ج ا،ص ۴۵۰ حدیث ۳۴، ص ۴۵۱ ،حدیث ۳۷

## رسول خداؐ کی نگاہ میں قبور ائمہؑ کی تعمیر:

شیخ طوسیؒ اپنے سلسلۂ سند سے ابی عامر واعظ سے نقل کرتے ہیں: "عَنِ الصَّادِقِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ، قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَااَبَا الْحَسَنِ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ قَبْرَكَ وَ قَبْرَ وُلْدِكَ بِقَاعاً مِنْ بِقَاعِ الْجَنَّةِ وَعَرَصَاتٍ مِنْ عَرَصَاتِهَا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ ـ عَزَّوَجَلَّ ـ جَعَلَ قُلُوْبَ نُجَبَاءٍ مِنْ خَلْقِهِ وَ صَفْوَةٍ مِنْ عِبَادِهِ تَحِنُّ اِلَيْكُمْ وَتَحْتَمِلُ الْمَذَلَّةَ وَالْاَذىٰ فِيْكُمْ فَيَعْمُرُوْنَ قُبُوْرَكُمْ وَيُكْثِرُوْنَ زِيَارَتَهَا تَقَرُّباً مِنْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَمَوَدَّةً مِنْهُمْ لِرَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، اُولٰئِكَ يَا عَلِيُّ، اَلْمَخْصُوْصُوْنَ بِشَفَاعَتِيْ وَالْوَارِدُوْنَ حَوْضِيْ وَجِيْرَانِيْ غَدًا فِي الْجَنَّةِ۔

يَاعَلِيُّ، مَنْ عَمَرَ قُبُوْرَهُمْ وَتَعَاهَدَهَا فَكَاَنَّمَا اَعَانَ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوٗدَ عَلىٰ بِنَاءِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ۔ وَمَنْ زَارَ قُبُوْرَهُمْ عَدَلَ ذَالِكَ ثَوَابَ سَبْعِيْنَ حَجَّةً بَعْدَ حَجَّةِ الْاِسْلَامِ، وَخَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهِ حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ زِيَارَتِكُمْ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ ۔ فَاَبْشِرْ يَا عَلِيُّ وَبَشِّرْ اَوْلِيَائَكَ وَمُحِبِّيْكَ مِنَ النَّعِيْمِ بِمَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلىٰ قَلْبِ بَشَرٍ۔ وَلٰكِنَّ حُثَالَةً مِنَ النَّاسِ يُعَيِّرُوْنَ زُوَّارَ قُبُوْرِكُمْ كَمَا تُعَيَّرُ الزَّانِيَةُ بِزِنَاهَا، اُولٰئِكَ شِرَارُ اُمَّتِيْ لَا تَنَالُهُمْ شَفَاعَتِيْ وَلَا يَرِدُوْنَ حَوْضِيْ۔"(۱)

سبیل سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-۱

۱۔کتاب وافی ،طبع اسلامیہ ،جلد۲۔ابواب الزیارات صفحہ ۱۰۔بحار الانوار، ج ۱۰۰،ص ۱۲۰حدیث ۲۲(مختصر فرق کے ساتھ)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے بابا اور انہوں نے اپنے جد بزرگوار علیہم السلام سے فرمایا:

اے اباالحسنؑ خدا نے تیری قبر اور تیرے فرزندوں کی قبروں کی زمین کو جنت کی زمین اور ان کے صحنوں کو جنت کے صحنوں میں سے قرار دیا ہے۔ اور شریف زادوں کے دلوں اور پاک لوگوں کو دلوں کو ایسا کر دیا ہے کہ وہ تمہاری جانب رغبت رکھتے ہیں اور تمہاری قبروں کی تعمیر کی خاطر مشکلات اور مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ تمھاری قبروں کی تعمیر اور انہیں آباد رکھتے ہیں اور بہت شوق اور پابندی سے تمہاری قبور کی زیارات کو آتے ہیں اور اس طرح سے بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل کرتے ہیں اور رسول خداؐ کی خدمت میں مودّت پیش کرتے ہیں۔

اے علیؑ: یہی وہ لوگ ہیں جن کو میری شفاعت نصیب ہوگی اور حوض کوثر پر آئیں گے اور یہی لوگ ہیں جو کل جنت میں میرے زائر اور ہمسائے ہوں گے۔ اے علیؑ: جو بھی اپنے ائمہ علیہم السلام کی قبروں کی تعمیر کرے گا اور ان کی حفاظت کی کوشش کرے گا، ایسا ہے جیسے بیت المقدس کے بنانے میں جناب سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی مدد کرنے والا ہو۔ اور ان ائمہؑ کی قبور کی زیارات کا ثواب حجۃ السلام (واجب حج) کے بعد کیے جانے والے (۷۰) ستّر حج کے برابر ہوگا۔ اور زائر جب تمہاری زیارت سے لوٹ رہا ہوگا، گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جیسے اپنی ولادت کے وقت ہوتا ہے۔

البتہ اس بات سے غافل نہ رہا جائے کہ حدیث کے یہ بیانات اس وقت اس انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گے، جب وہ ان کے مقابلے میں گناہان کبیرہ نہ رکھتا ہو خصوصاً وہ گناہ جن میں اس نے کسی کا مال یا حق غصب کیا ہو یا کسی کی

املاک کونقصان پہنچایا ہو۔ایسی صورت میں یہ بڑی نیکی یعنی زیارت معصومؑ اپنی تاثیر کھو بیٹھے گی اوراس انسان کے روحانی ومعنوی ارتقاء کاباعث نہیں بنے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ زیارت کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ زائر کی روح اتنی بلند ہوجائے اور دوسری طرف عالم حیوانی سے منقطع ہوجائے اورمعصومؑ میں جذب ہوجائے۔ایسی صورت میں اس کی روح میں ایک انقلاب وجود میں آئے گا، جواس کے گزشتہ کوخاص شرائط یعنی توبہ نصوح سچی توبہ کے ذریعے صحیح وسالم کردے گااوراب اپنےنفس وجان کوگناہ وآلودگی سے دور رکھے اورآئندہ بھی گناہ ومعصیت سے بچا رہے۔ایسی صورت میں یہ شخص ایساپاک وطاہرہوگاجیسے ابھی اس کی ولادت ہوئی ہو وگرنہ واضح ہے کہ وہ زائر جوآلودگی سے سرشاراورتوبہ کے بغیران مقامات کی زیارت کرتا ہے،اس ثواب اورفضیلت کے نتیجے میں مزید گستاخ اورگناہ کی انجام دہی پر راضی ہوگا۔"عَصَمَنَا اللّٰهُ مِنَ الزَّلَلِ وَفَّقَنَالِلْعِلْمِ وَالْعَمَلِ" نعمت کی بشارت دوکہ جسے نہ آنکھ نے دیکھااورنہ کان نے سنااورنہ ہی انسانی قلب میں اس کاظہورہواہے ۔لیکن (یہ سب فضیلت جوبیان ہوئی ) کچھ گھٹیااورذلیل لوگ ہیں جوتمہاری زیارت پرآنے والوں کوتوہین اورحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جیسے ایک فاحشہ عورت کو دیکھتے ہیں اوراسے اس کے برے کام پرسرزنش کرتے ہیں!!؟ یہ بےعقل اس امت کے برے لوگ ہیں جن کومیری شفاعت نصیب نہ ہوگی اورمیرے حوض پرداخل نہیں ہوں گے۔

## چہاردہ معصومینؑ پر درود وسلام اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرنا:

مرنے اور اعلیٰ زندگی کے ثابت ہوجانے کے بعد ارواح اولیاء اللہ (انبیاءؑ اور چہاردہ معصومینؑ) کو دور سے یا ان کی قبور پر حاضر ہوکر سلام کرنے میں کسی قسم کے شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید صراحت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام پر سلام بھیجتا ہے جب کہ وہ حضرات اس دنیا میں ظاہری وجود نہیں رکھتے۔

اس سلسلے میں درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔

"وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ" ---------- (۱)

"سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ" ----- (۲)

"سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ"......... (۳)

"سَلَامٌ عَلَى مُوسَىٰ وَهَارُوْنَ" ..... (۴)

"سَلَامٌ عَلَى إِلْ يَاسِيْنَ"......... (۵)

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (۶) اس میں بھی شک نہیں کہ خدا اور اس کے فرشتے پیغمبرؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایماندارو! تم بھی برابر درود اور سلام بھیجتے رہو۔ اس آیت شریفہ کو مدنظر رکھتے ہوئے سب مومنین کا فریضہ ہے کہ رسول خداؐ پر ہر زمانے میں درود بھیجیں اور ان کی خدمت میں ادب سے سلام عرض کریں۔ اگرچہ آنحضرتؐ ظاہری حیات میں نہ ہوں۔

---

۱۔ سورۂ صافات، آیت ۱۸۱۔ ۲۔ سورۂ صافات، آیت ۷۹۔ ۳۔ سورۂ صافات، آیت ۱۰۹۔

۴۔ سورۂ صافات، آیت ۱۲۰۔ ۵۔ سورۂ صافات، آیت ۱۳۰۔

۶۔ سورہ احزاب، آیت ۵۶

## دواور آیات:

ایک آیت میں جناب یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں یوں بیان ہوتا ہے۔"وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" (۱) اور (ہماری طرف سے) ان (حضرت یحییٰؑ) پر سلام ہو جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن (دوبارہ) زندہ اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے۔ دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں بیان ہوتا ہے۔"وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا" (۲) جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا جب کہ میں زندہ ہوں مجھ پر سلام ہے اور جس دن (دوبارہ حساب کے لیے) زندہ اٹھا کر کھڑا کیا جاؤں گا۔

مندرجہ بالا آیتوں میں واضح انداز میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو ان کی موت کے دن ویسے ہی سلام کیا گیا جیسے ان کی ولادت اور بعثت کے دن سلام کیا گیا۔ اسی طرح نماز کے واجب اور مستحب اجزاء میں سے ایک ''سلام'' ہے۔ نبی اکرمؐ پر قریب اور دور سے سلام کرنا" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" خدا کے لائق اور صاحب لیاقت بندوں پر چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ سلام کرنا "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" تمام انبیاء، اولیاءؑ اور مومنین پر سلام کرنا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

---

۱۔ سورۂ مریمؑ، آیت ۱۵۔ ۲۔ سورۂ مریمؑ، آیت ۳۳۔

غزالی اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' کے باب ''زیارۃ النبی'' میں نافع کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

''کَانَ ابْنَ عُمَرُ، رَأَیْتُهُ مِاۃَ مَرَّۃٍ اَوْ اَکْثَرَ، یَجِیْئُ اِلَی الْقَبْرِ فَیَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ''(۱) فرزند حضرت عمر کو سو بار یا اس سے زیادہ دیکھا کہ وہ رسول خداؐ کی قبر کے پاس آتے اور اس طرح کہتے: میرا سلام ہو رسول خداؐ پر، میرا سلام ہو ابوبکر پر، میرا سلام ہو اپنے بابا پر۔

اسی طرح جیسے نیک افراد کے مرنے کے بعد ان پر مدح وثناء ہے اور ظالم افراد کے لیے قرآن مجید میں لعن و مذمت کی گئی ہے اور اسی طرح اصفیاء (خدا کے برگزیدہ بندے) جو کہ زندہ نہیں ہیں، کے بارے میں ملتا ہے: ''إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ'' (۲) اس میں شک نہیں کہ یہ سب لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو بڑی رغبت اور خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہمارے آگے گڑگڑایا کرتے تھے۔ ایک اور مقام پر ان افراد کے راہ خدا میں مصائب اور مشکلات کے سامنے صبر واستقامت کا دامن تھامے رکھنے کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: ''وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ'' (۳) اور اے مسلمانو صرف تم ہی نہیں، بلکہ ایسے پیغمبر بہت

۱۔ البراهين الجلية، ص ۵۸

۲۔ سورۂ انبیاء، آیت ۹۰۔ ۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۶

سے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ بہتیرے اللہ والوں نے جہاد کیا اور پھر ان کو خدا کی راہ میں جو جو مصیبت پڑی ہے، اس ضمن میں نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بودا پن کیا اور نہ دشمن کے سامنے گڑگڑائے اور ثابت قدم رہنے والوں سے خدا الفت رکھتا ہے۔

اور ظالموں اور انبیاءؑ کے قاتلوں کی مذمت میں یوں فرماتا ہے:"إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ "(۱) بے شک جو لوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو (انہیں) انصاف کرنے کا حکم کرتے ہیں تو (اے رسولؐ) تم ان لوگوں کو درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

### ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

"وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَـٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ" (۲) اور جو لوگ خدا سے مضبوط عہد و پیمان کرنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جن باہمی تعلقات کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع تعلق کرتے ہیں اور روئے زمین پر فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور ایسے ہی لوگوں کے واسطے بُرا گھر (جہنم) ہے۔

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۲۱۔ ۲۔ سورۂ رعد، آیت ۲۵۔

اس میں کسی شک وتردید کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ کی قرابت" مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ " کا بہت واضح مصداق ہے،جبکہ آیت صراحت کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے۔"قُل لَّا أَسـأَلُكُم عَلَيهِ أَجراً إِلَّا المَوَدَّةَ فِي القُربَىٰ"(۱) اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ میں رسالت کی تبلیغ کا اپنے قرابتداروں (اہل بیتؑ) سے مودّت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ ذوی القربیٰ سے اپنا رابطہ جوڑیں اور اہل بیتؑ کی مودّت کو رسول خداؐ کی خدمت اقدس میں پیش کریں۔

اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ رسول خداؐ کے فرزندوں کو قتل کرنا، اور انہیں، قیدی بنا کر مختلف قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بنانا اور ان مظالم پر راضی رہنا " قَطَعَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَل " کا بہت واضح مصداق ہے اور ان مظالم کے ڈھانے والے، اس آیت کریمہ "أُولَـئِكَ لَهُـمُ اللَّعنَةُ وَلَهُم سُوءُ الدَّار" کی روشنی میں لعنت اور رحمت پروردگار سے دھتکارے ہوئے اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

کیا شیعہ حضرات، آئمہ معصومینؑ جو کہ ذرّیت رسول خداؐ ہیں۔ان کے روضوں پر قرآن کے ان احکامات پر جو اس نے انبیاءؑ کی وفات کے بعد بیان کیے ہیں، انجام دیتے ہیں؟ یہ زیارت ناموں کا ''متن'' جو کہ اسلام اور اہل بیتؑ سے اظہار محبت ہے، ان کے فضائل اور خصائص کی جانب اشارہ اور ان پر دین حق کے دفاع کی خاطر ڈھائے جانے والے مصائب اور مشکلات کہ جنہیں انہوں نے صبر و

۱۔سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔

تحمل سے برداشت کیا اور پھر ان کے حقوق غصب کرنے والوں اور ان پر ظلم ڈھانے والوں سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرنا مکمل طور پر قرآن سے ماخوذ اور سنت رسول خداؐ سے تائید اور عقل کا تصدیق شدہ فیصلہ ہے۔ جیسا کہ زیارت جامعہ کبیرہ اور زیارت عاشوراجو کہ زیارت ناموں میں سے جامع اور بہترین متن پر مشتمل ہیں۔

## قبروں کے نزدیک دعا واستغفار کی غرض سے ٹھہرنا:

قرآن مجید منافقوں کے مُردوں کے بارے میں رسول خداؐ سے فرماتا ہے:" وَلَا تُصَلِّ عَلٰىٓ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ" (سورۂ توبہ ۸۴) اور (اے رسولؐ) ان منافقین میں سے جو مرجائیں تو نہ کبھی کسی پر نماز جنازہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا۔ کیونکہ منافق اس احترام کے لائق نہ تھے لہٰذا پروردگار عالم نے آپؐ کو ان کی قبور پر یہ عمل کرنے سے منع کیا۔ اس آیۂ کریمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول خداؐ کی یہ عادت تھی کہ آپؐ مسلمانوں کی قبور پر توقف فرماتے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرماتے تھے۔ اس نکتے کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ رسول اکرمؐ کا یہ عمل یعنی مسلمانوں کی قبور پر کھڑے ہوکر ان کے لیے دعا کرنا یقیناً اس حکم الٰہی کے مطابق ہے۔ "إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰىٓ إِلَيَّ" (۱) "میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔"

نتیجتاً اسی آیت مبارکہ سے قبور مومنین کی زیارت بالخصوص آئمہ معصومین

۱۔ سورۂ یونس، آیت ۱۵۔

علیہم السلام کی زیارت اور قبور پر توقف کرنا ایک مستحب عمل ہونے کی دلیل ہے۔
ممکن ہے کہ کوئی یہ سوچے کہ آیت شریفہ کا مدّ عا یہ ہے کہ رسول خداؐ مردے کے دفن ہوتے وقت، قبر پر حاضر ہوتے تھے اور دعا فرماتے تھے، آنحضرتؐ معمولاً نہیں جاتے تھے؟! لیکن آیت میں اطلاق کا پایا جانا یعنی کسی قسم کی شرط وقید کا قرار نہ دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ رسول خداؐ کا یہ عمل ''دفن کے وقت'' سے مختص نہیں ہے۔

اور جب کہ آیت مبارکہ میں کلمہ ''ابداً'' کا تسلسل زمانی کو بیان کررہا ہے یعنی آپؐ صاحبان ایمان کی قبور پر تسلسل کے ساتھ حاضر ہوتے تھے۔ اس سے قطع نظر اگر ائمہ معصومینؑ اور مومنین کی قبور پر توقف کرنا اور ان کے لیے دعا واستغفار کرنا شرک و بدعت ہوتا تو ایسی صورت میں دفن کے وقت کے علاوہ کھڑے ہونے میں کوئی فرق نہ ہوتا اور یہ حکم ہر صورت میں چاہے ایک لحظہ کے لیے ہی کیوں ہو، ممنوع قرار پاتا۔

### ضریح کا چومنا اور اس پر ہاتھ پھیرنا:

ہر باانصاف اور صاحب وجدان انسان جانتا ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو محبت سے سرشار اور شدت شوق سے مملوقلب رکھنے والے سے انجام پاتا ہے اور اس عمل کے انجام دینے کا مقصد فقط اور فقط صاحب قبر سے پائی جانے والی شدید محبت ومودت ہے۔ کسی ایسے شخص کا جو دینی مسائل اور احکامات کا علم رکھتا ہو اور کسی سے الجھنے کی غرض نہ رکھتا ہو، محبوب کے گھر کے دروازے یا دیوار کو بوسہ دینے کے عمل کو جو کہ ایک فطری عمل ہے اور جو قلبی لگاؤ کی وجہ سے انجام پاتا ہے اس عمل کو شریعت کے کھاتے میں ڈال کر توحید وشرک اور سنت وبدعت کی گفتگو کرنا، جبکہ سنت اور بدعت

کی گفتگو اس مقام پر صحیح ہے، جہاں کوئی کام عبادت کے ارادے سے کیا جائے۔ جب کہ اس پروردگار کی جانب سے کسی قسم کا کوئی حکم نہ آیا ہو تو کیا یہ بدعت ہوگا؟

اور بالفرض اگر اس کام کو رجاء، مطلوبیت کی خاطر، خدا کے تقرب کی خاطر ،عبادت سمجھتے ہوئے انجام دیا جائے تب بھی یہ عمل ''بدعت'' نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ عمل ''مَوَدَّتَ فِی الْقُرْبیٰ'' (۱) ''تَعْظِیْمُ حُرُمَاتِ اللّٰهِ'' (۲) اور ''تَعْظِیْمُ شَعَائِرِ اللّٰهِ'' (۳) کے عنوانات جو کہ قرآن مجید کے واضح و روشن موضوعات میں سے ہیں، شمار کیا جائے گا جیسے حجر الاسود کا ''اِستلام'' یعنی بوسہ دینا، کی طرح مشروعیّت شرعی حاصل کر لے گا۔

البتہ اس فرق کے ساتھ کہ حجر الاسود کو استلام یعنی ہاتھ پھیرنا تقبیل یعنی بوسہ دینے سے متعلق اور اس کے مستحب ہونے پر ہمارے پاس روایتیں موجود ہیں۔ (صحیح بخاری میں نقل ہوا ہے کہ زید بن اسلم نے اپنے والد سے نقل کیا: کہ وہ کہتے ہیں: کہ حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ حجر الاسود کو بوسہ دے اور کہہ رہے ہیں کہ اگر رسول خدا کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے (حجر الاسود) بوسہ نہیں دیتا۔ (۴)

لیکن ضریح پر ہاتھ پھیرنے یا بوسہ دینے کے لیے ہمارے پاس عمومی دلیل شعائر اللہ کی تعظیم موجود ہے، جو اس عمل کے مطلوب ہونے کو بیان کرتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حجر الاسود کو اِستلام اور بوسے سے مراد خدا سے بیعت کرنا ہے، جیسا کہ

۱۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳۔ ۲۔ سورۂ حج، آیت ۳۰ ۳۔ سورۂ حج، آیت ۳۲۔

۴۔ البراھین الجلیہ، ص ۶۱۔

روایت میں نقل ہوا۔ "وَاسۡتَلِمُوۡا الرُّکۡنَ فَاِنَّہٗ یَمِیۡنُ اللّٰہِ فِیۡ اَرۡضِہٖ۔۔۔"(۱)

## اعتراض کا جواب:

رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کی قبور پر ہاتھ پھیرنے اور بوسہ دینے سے مراد بھی رسول خداؐ اور امامؑ سے بیعت کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡراً عَظِیۡماً" بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اور خود رسول خداؐ بھی فرماتے ہیں: "اِنَّمَا مَثَلُ اَھۡلِ بَیۡتِیۡ فِیۡکُمۡ کَمَثَلِ سَفِیۡنَۃِ نُوۡحٍ مَنۡ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنۡ تَخَلَّفَ عَنۡھَا غَرَقَ۔ وَاِنَّمَا مَثَلُ اَھۡلِ بَیۡتِیۡ فِیۡکُمۡ مَثَلُ بَابِ حِطَّۃٍ فِیۡ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ مَنۡ دَخَلَہٗ غُفِرَلَہٗ" (۲) یقیناً تمہارے درمیان میرے اہل بیتؑ کی مثال ایسی ہے، جیسے حضرت نوحؑ کی کشتی جو بھی اس میں سوار ہوا، نجات پا گیا۔ اور جو بھی اس میں سوار نہ ہوا غرق ہو گیا اور یقیناً تمہارے درمیان میرے اہل بیتؑ کی مثال ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے درمیان باب حطہ، کہ جو بھی اس سے داخل ہوا، مغفرت الٰہی اس کے شامل حال قرار پائی۔ سورۂ بقرہ، آیات ۵۸ و ۵۹ کے مطابق بنی اسرائیل کو معرض امتحان میں قرار دیا اور انہیں نعمتوں سے مالا مال سرزمین شام میں سکونت دی گئی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ شہر کے مختلف دروازوں کے

۱۔ علل الشرائع، جلد۲، ص۱۰۹، حدیث۳، از رسول اللہ

۲۔ مستدرک حاکم، جلد۳، ص۱۵۱، وطبرانی نے معجم الاوسط میں ابی سعید سے اور اسے المراجعات، سید شرف الدین عاملی، ص۲۳، سے نقل کیا ہے۔

بجائے ایک مخصوص دروازے سے جو کہ اونچائی اور چوڑائی کے لحاظ سے تنگ تھا ،داخل ہوں اور جب داخل ہوں تو رکوع اور تواضع کی حالت اختیار کریں۔کلمۂ حطۃ یعنی کلمہ استغفار، زبان پر جاری کریں تا کہ خدا ان کے گناہوں کو بخش دے اور اپنی عنایات ان کے شامل حال کرے۔لیکن وہ اپنی لجاجت اور عناد کی وجہ سے اپنے اوپر ستم کا باعث بنے اور پروردگار عالم کی شرط کی پابندی نہ کی اور بابِ حطّہ سے داخل نہیں ہوئے۔لہٰذا عذاب پروردگار میں مبتلا ہوگئے۔

## رسول خداؐ کے آثار سے متبرّک ہونا:

ایک مسلّمہ موضوع ، رسول خداؐ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ،صحابہ، تابعین اور صالح مومنین کے درمیان یہ سنت رسول خداؐ کے زمانے سے آج تک رائج ہے ۔ اورطول تاریخ میں اسلام کے تمام فرقوں درمیان یہ عمل موردِ قبول رہاہے۔

### علامہ امینیؒ فرماتے ہیں:

"لَمْ نَجِدْ فِیْ الْمَقَامِ قَوْلاً بِالْحُرْمَةِ لِاَحَدٍ مِّنْ اَعْلَامِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ مِمَّنْ لَهُمْ وَلِآرَائِهِمْ قِيْمَةٌ فِیْ الْمُجْتَمِعِ۔۔۔نَعَمْ هُنَاكَ اُنَاسٌ شَذَّتْ عَنْ شُرْعَةِ الْحَقِّ وَحَكَمُوْا بِالْحُرْمَةِ قَوْلاً بِلَادَلِيْلٍ، وَتَحَكُّماً بِلَابُرْهَانٍ،وَرَأْياً بِلَا بَيِّنَةٍ، وَهُمْ مَعْرُوْفُوْنَ فِیْ الْمَلَأِ بِالشُّذُوْذِ،لَا يُعْبَأُ بِهِمْ وَبِآرَائِهِمْ"(۱) یعنی ہمیں اس باب ( رسول خداؐ کی قبر مطہر سے تبرک حاصل کرنا اور اسے بوسہ دینا )

۱۔الغدیر، جلد۵،ص۱۴۶۔

میں مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے برجستہ علمائے کرام جوخوداوران کے اقوال اسلامی معاشرے میں اہمیت وافادیت کے حامل ہیں، کہیں نہیں ملتا ہے کہ کسی ایک نے اس عمل کوحرام قراردیاہو۔

البتہ کچھ ایسے خودسر لوگ ہیں، جوراہ حق سے منحرف ہوچکے ہیں اوردلیل وبرہان کے بغیر گفتگوکرتے ہیں اورحرمت کاحکم لگاتے ہیں۔یہ لوگ امت مسلمہ کے درمیان فکر کی کجی،تنگ روی اورقوانین کے برخلاف گفتگوکرنے کےلحاظ سے پہچانے جاتے ہیں۔لہٰذایہ خوداوران کےنظریات کسی قسم کی اہمیت کے حامل نہیں ہیں؟!

اس باب میں شیعہ وسنی محدثوں کی نقل کردہ روایتوں کی بناپرآثاررسول خداؐ (وہ چیزیں جوآپؐ سے منسوب ہیں) سے تبرک،خیروسعادت ورحمت حاصل کرنے کی غرض سے بدن کاان سے مس کرنا۔رسول خداؐ کےتقرب کے ذریعے، پروردگار عالم کاقرب ونزدیکی حاصل کرنانہ صرف رسول خداؐاورآپؐ کےاصحاب کی جانب سےمنع نہیں ہوا،بلکہ اس پررسول خداؐاورآپؐ کےاصحاب کی تائیدبھی ملتی ہے۔اس مقام پرچندروایتوں کوبطورنمونہ ذکرکرتے ہیں۔

## اہلِ سنّت کی روایتیں

☆ بخاری اپنی کتاب ''صحیح''میں غزوۂ طائف کے باب میں اوراسی طرح ''مسلم'' اپنی صحیح میں ''فضائل الصحابہ''(۱) کے باب میں ابوموسیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ نے کہ:''رسول خداؐ مکہ و مدینہ کے درمیان ''جعرانہ'' کے مقام پر ٹھہرے، میں اور بلال آپؐ کے ہمراہ تھے۔اسی دوران ایک بادیہ نشین عرب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوااور کہتا ہے: آپؐ نے جو وعدہ میرے ساتھ کیا تھا، کیوں پورا نہیں کرتے ؟ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے شخص میں تجھے اس کی بشارت دیتا ہوں ،اس شخص نے کہا کہ آپؐ نے یہ بات متعدد مرتبہ کہی ہے ۔پیغمبر اکرمؐ غضب ناک ہوئے اور بلال و ابوموسیٰ کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا: اس عرب نے ہماری بشارت کا انکار کردیا۔تم اس بشارت کوقبول کرلو۔انہوں نے کہا،ہم نے قبول کرلی ۔ پھر آپؐ نے پانی سے بھرا برتن منگوایا اور اپنے ہاتھوں اور چہرے کو اس میں دھویا اوراپنے دہان کا کچھ پانی اس برتن میں ڈال دیا۔اورفرمایا: اس پانی کو پی لو اور کچھ اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو۔میں تمہیں بشارت دیتا ہوں ۔ان دونوں نے برتن لیا اورجیسا رسول خداؐ نے فرمایا تھا اس کے مطابق عمل کیا۔اس موقع پر جناب ام سلمہؓ جو پردے کے پیچھے تھیں ،پکار کر کہتی ہیں کہ کچھ پانی اپنی ماں امّ المومنین (میرے کے لیے ) بھی چھوڑ دو۔لہٰذا کچھ ان کے لیے بھی چھوڑ دیا۔

☆ دوسرے مقام پر بخاری اپنی کتاب ''صحیح'' کے باب ''خاتم نبوت''

۱۔باب ،۲۸،حدیث ۱۴،فضائل ابوموسیٰ اشعری۔

میں جعید بن عبدالرحمٰن سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا کہ وہ کہتا ہے کہ میری خالہ مجھے رسول خداؐ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ رسول خداؐ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر پھیرا اور خدا سے میرے لیے نیک بختی چاہی اور پھر آپؐ نے وضو کیا اور میں نے آپؐ کے وضو کے پانی کو پیا۔(۱)

☆ اسی طرح ''بخاری'' کتاب ''شروط'' میں صلح حدیبیہ کے واقعے میں لکھتے ہیں، جب بھی رسول خداؐ اپنا آب دہن پھینکتے تھے، اصحاب اسے اٹھا لیتے اور اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتے اور رسول خداؐ ان کی طرف دیکھتے، اور جب بھی آنحضرتؐ وضو کرتے، اصحاب وضو کے پانی کے قطرات کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے۔(۲)

☆ ایک دوسرے مقام پر ''بخاری'' بابِ ''صفت رسول خداؐ'' میں ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ سوائی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو جحیفہ نے کہا کہ لوگ دست مبارک رسول خداؐ کو پکڑ کر اسے اپنے چہرے سے مس کرنے لگے۔ میں نے بھی آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے چہرے پر پھیرا، آپؐ کے ہاتھ کو مشک سے زیادہ مہکتا ہوا پایا۔(۳)

☆ مذکورہ باب میں بخاری ابو جحیفہ سے دوسری روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ ''ابطح'' کے مقام پر اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ بلالؓ

۱۔ صحیح بخاری، جلد۳، ص۲۵۲ تا ۲۵۵۔

۲۔ صحیح بخاری، جلد۴، ص۲۲۷ اور مسلم باب خاتم النبوۃ، حدیث۲ ۳۔ صحیح بخاری، جلد۴، ۲۲۹

آپؐ کے خیمے سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی اور پھر خیمہ میں داخل ہو گئے اور رسول خداؐ کے وضو کا بچا ہوا پانی باہر لائے۔ لوگوں کا ہجوم لگ گیا اور لوگ اس پانی کو لیتے اور اس سے تبرک حاصل کرتے۔(۱)

☆ مذکورہ روایت کو بخاری نے کتاب ''وضو'' کے باب ''دوسروں کے وضو کے بچے ہوئے پانی کا استعمال'' میں اور کتاب ''نماز'' میں دو مختلف مقامات پر نقل کی ہے۔

☆ مسلم نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں انس سے نقل کیا ہے: انس کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ آپؐ اپنا سر منڈوا رہے ہیں اور اصحاب آپؐ کو گھیرے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں آپؐ کا ایک بال موجود ہے۔(۲)
اس قسم کی روایتیں، جہاں مسلمانوں کی رسول خداؐ کی نسبت شدید محبت کو بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول خداؐ کے جسم کے بال کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتے تھے اور وضو کے پانی کے قطروں سے تبرک حاصل کرتے تھے، وہیں اس مطلب پر محکم و واضح دلیل ہے کہ رسول خداؐ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، اصحاب کے درمیان بہت واضح روشن کام تھا اور جس میں شرع مقدس اسلام کا کسی قسم کا انکار و اعتراض دیکھنے میں نہیں آتا۔

☆ ''بخاری'' کتاب ''جہاد'' کے آخری حصے اور باب ''زرہ، عصاء، تلوار، برتن، مہر، انگوٹھی، بال اور کفش رسول خداؐ کہ جن سے اصحاب اور بعد میں آنے

۱۔ صحیح بخاری، جلد۴، ص۲۳۱۔

۲۔ صحیح بخاری، جلد۴، ص۱۸۱۲۔ کتاب فضائل، باب ۱۹، حدیث ۷۵

والے مسلمان، آپ کی حیات طیّبہ میں اور وفات کے بعد ان سے تبرک حاصل کرتے تھے، میں بہت سی حدیثوں کو نقل کرتا ہے۔(۱)

☆ اہل سنت کی متعدد معتبر کتابوں میں ملتا ہے(۲) کہ رسول خداؐ کے دفن کے بعد، حضرت صدیقہ فاطمہ زہراؑ اپنے بابا کی قبر کے پاس آئیں اور ایک مٹھی مٹی آپؐ کی قبر سے اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھی اور رونے لگیں اور یہ دو شعر کہے:

مَاذَا عَلیٰ مَنۡ شَمَّ تُرۡبَةَ اَحۡمَدَا اَنۡ لَا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

صُبَّتۡ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوۡ اَنَّهَا صُبَّتۡ عَلَی الۡاَیَّامِ عُدۡنَ لَیَالِیَاَ

"یعنی وہ جس نے قبر پیغمبرؐ کی خاک کو سونگا ہے، اس بات کو کہنے میں اسے کوئی خوف نہیں کہ اس نے طول زمان میں اتنی اچھی خوشبو کبھی نہ سونگی تھی۔ مجھ پر جو مصائب پڑے ہیں اگر دنوں پر پڑتے تو دن تاریک راتوں کی طرح سیاہ ہو جاتے۔"

☆ محدث جمال الدین، عبداللہ بن محمد انصاری فرماتے ہیں:

میں دمشق میں اپنے استاد تاج الدین فاکہانی (مالکی مذہب کے عظیم المرتبت فقیہ) کے ساتھ تھا۔ وہ رسول خداؐ کے نعلین مبارک کی زیارت کے قصد سے اس محلے کی جانب جا رہے تھے جہاں آپؐ کی نعلین مبارک موجود تھیں۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ جیسے ہی ان کی نگاہ رسول اللہؐ کے نعلین مبارک پر پڑی، میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنا سر برہنہ کر دیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگے

---

۱۔ تبرک الصحابہ، ص ۲۸۔

۲۔ علامہ امینیؒ نے، الغدیر، جلد ۵، ص ۱۴۸، پر ان کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں۔

وہ چاہتے تھے کہ نعلین مبارک کا بوسہ دیں اور اپنی صورت کو اس پر ملیں۔ اسی حالت میں انہوں نے دو بیت شعر کہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ "اگر محبّ سے کہا جائے کہ: تمہیں محبوب کا دیدار زیادہ پیارا ہے یا دنیا، اور اس میں پائی جانے والی چیزیں؟ وہ ہمیشہ یہی کہے گا کہ محبوب کے جوتوں کی خاک میرے لیے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اور میرے درد و نجات کے لیے ہر قسم کے علاج سے زیادہ شفا بخش ہے۔(۱)

## اہل تشیع کی روایتیں:

☆ رسول خداؐ کی وصیت اور رحلت کے موقع پر جو آپؐ نے مجمع عام میں وصیت اور الوداعی ملاقات فرمائی: اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: جسے بھی میری طرف سے کوئی بدنی تکلیف پہنچی ہے وہ ابھی کھڑا ہو جائے اور مجھ سے قصاص لے، کیوں کہ میرے نزدیک دنیا کا قصاص، آخرت کے قصاص سے بہتر ہے۔ اس موقع پر ایک شخص جس کا نام سوادۃ بن قیس تھا، اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہتا ہے یارسول اللہؐ جس دن آپؐ طائف سے لوٹ رہے تھے، راستے میں آپؐ کے ہاتھ میں عصا تھا، جو آپؐ اسے مارنا چاہتے تھے لیکن وہ میرے شکم پر لگا، اب میں چاہتا ہوں کہ اس کا قصاص لوں۔ رسول خداؐ نے بلالؓ کو حکم دیا، اس عصا کو لے آؤ اور پھر اپنے ہاتھوں سے آپؐ نے اپنا پیراہن اپنے سینے اور شکم سے ہٹایا اور فرمایا: اے شخص اٹھ اور قصاص لے، میں تیار ہوں۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور رسول خداؐ کے سامنے آیا

۱۔ الغدیر، جلد۵، ص۱۵۵، کتاب ادیباج المذہب، ص۱۸۷۔ توسّل، ۱۸۴۔

اور کہتا ہے، یارسول اللہؐ میں آپؐ پر قربان ہوجاؤں کیا آپؐ مجھے اجازت دیں گے کہ اپنے لب آپؐ کے بدن مبارک تک پہنچا دوں ؟ رسول خداؐ نے اجازت دی اوراس نیک بخت شخص نے اپنے لباس کو بھی رسول خداؐ کے جسم اطہر سے مس کیا اور بوسہ بھی لیا۔اور پھر کہا: "اَعُوْذُ بِبَطْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ" یعنی قیامت کی آگ سے رسول خداؐ کے بدن کی پناہ میں آتا ہوں ۔(۱) بعض دوسری روایتوں میں ملتا ہے کہ اس شخص نے اس وقت کہا کہ میں کسی موقع کی تلاش میں تھا کہ طرح میرے جسم کی کھال رسول خداؐ کے جسم کی کھال سے مس ہوجائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنے مقصد تک پہنچ گیا۔رسول خداؐ نے بھی اس شخص کے بارے میں دعا فرمائی۔

☆ **طفیل عامری:** نے اپنی جذام کی بیماری کے بارے میں شکوہ کیا، آنحضرتؐ نے ایک پانی کا برتن منگوایا اور اپنا آب دہن اس میں ڈالا اور پھر فرمایا: اس پانی سے اپنے بدن کو دھولو۔اس شخص نے ایسا ہی کیا اور شفایاب ہوگیا۔ (۲)

☆ **جابر سے منقول ہے کہ:** رسول خداؐ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں شدت مرض کی وجہ سے بے ہوش تھا۔آپؐ نے وضو کیا اور اپنے وضو کے پانی کو مجھ پر ڈالا، میں ہوش میں آ گیا۔ (۳)

☆ **ایک خاتون کا بیمار بچہ:** جس کے سر کے بال گر چکے تھے، رسول خداؐ کی

---

۱۔المحجة البیضاء، جلد ۸، ص ۲۷۶ ۔ یہ حدیث مختصر فرق کے ساتھ اہل سنت کے ہاں بھی نقل ہوئی ہے

۲۔بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۳۹۔ ۳۔بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۳۹۔

خدمت میں لائی، آنحضرتؐ نے اپنا دست مبارک اس بچے کے سر پر پھیرا تو اس کا درد ختم ہو گیا اور سر پر بال نکل آئے۔ (۱)

☆ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام: فتح خیبر کے دن آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ رسول خداؐ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے اپنا آب دہن علیؑ کی آنکھ پر ملا، اسی وقت آپؑ کی آنکھ کھل گئی اور درد ختم ہو گیا۔ (۲)

☆ عاصم احول نے کہا: میں نے جام رسول خداؐ کو انس بن مالک کے پاس دیکھا۔ اور انس بن مالک کہتا ہے کہ میں نے اس جام میں متعدد مرتبہ رسول خداؐ کو پانی پلایا ہے۔ (۳)

☆ قرطبی اپنی کتاب ''مختصر البخاری'' میں لکھتے ہیں:

بعض قدیمی نسخوں میں یوں ملتا ہے: ابو عبداللہ بخاری کہتے ہیں: میں نے خود اس پیالے کو بصرے میں دیکھا اور اس میں پانی نوش کیا۔ اس پیالے کو نصر بن انس سے ایک بھاری رقم میں خریدا تھا اور اسے صحابہ اور تابعین کے پاس حفاظت کی خاطر رکھا جاتا تھا وہ اس میں پانی پی کر تبرک حاصل کرتے تھے اور کسی ایک صحابی اور بزرگ تابعی سے سنا نہیں گیا کہ انہوں نے اس عمل کو حقیر سمجھا ہو یا اس کا انکار کیا ہو، بلکہ یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے کہ اسے حقیر سمجھنے والے خود گمراہ ہیں۔ (۴)

۱۔ بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۴۰۔

۲۔ بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۳۹۔

۳۔ بحار الانوار، جلد ۷، ص ۱۴۷۔ صحیح بخاری کتاب اشربہ۔

۴۔ تبرک الصحابہ، ص ۳۱۔ توسل، ص ۱۸۷

نتیجہ یہ کہ رسول خداؐ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، چاہے آپؐ کی حیات مبارکہ میں ہو یا وفات کے بعد، صحابہ وتابعین اور تمام مسلمانوں کے درمیان ہر زمانے میں ایک مسلم عقیدہ اور نا قابل انکار عمل رہا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ یہ حضرات اہل بیتؑ رسول خداؐ سے فوق العادہ اور شدید محبت رکھتے تھے۔ "ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" (۱) وہ خاندان ہے جس میں پاکیزگی، تقویٰ وفضیلت بعض سے بعض نے لی ہے۔

خدا کے علاوہ کسی کو پکارنا، نہ شرک ہے اور نہ بدعت۔ فرقہ وہابیت کی جانب سے شدید تنقید کا نشانہ بننے والے موضوعات میں سے ایک موضوع کہ وہ اپنی دانست میں شیعوں کے کفر وشرک کے مرتکب ہونے کی دلیل بناتے ہیں، وہ "خدا کے علاوہ کسی کو پکارنا" ہے۔ جیسے یا محمدؐ، یا علیؑ، یا صاحب الزمانؑ اور دوسرے ایسے کلمات جن کا زیارت ناموں اور ائمہ معصومینؑ سے استغاثہ کرتے وقت اظہار کیا جاتا ہے۔ فرقہ وہابیت کی جانب سے بیان کردہ دلائل کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ دُعا، دعوت، مخلوق کو پکارنے کے عمل کو یعنی کسی بھی طرح سے اعانت چاہنا اور مدد مانگنا، چاہے دنیاوی امور میں ہو یا اخروی امور میں "عبادت" شمار کرتے ہیں اور پکارنے والے کو "عبادت میں شرک" کرنے والا کہتے ہیں۔ یہ اپنے ادعا کے ثابت کرنے کے لیے اس آیت کریمہ سے استفادہ کرتے ہیں۔

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۴۔

سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ" (۱) اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا، جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل وخوار ہو کر یقینی جہنم واصل ہوں گے۔

وہابی کہتے ہیں: جیسا کہ اس آیت شریفہ میں دیکھتے ہیں کہ پہلے دُعا کا اور پھر خدا کو پکارنے کا حکم آیا ہے اور پھر دعا سے منہ پھیرنے کے عمل کو عبادت خدا کے سامنے اکڑنے سے تعبیر کیا گیا اور اس عمل کی مذمت کی گئی۔ اور یہ (آیت دعا) کے عبادت ہونے پر واضح دلیل ہے۔ اور اسی طرح حدیث رسولؐ سے بھی استدلال کرتے ہیں "الدُّعاءُ مُخُّ العِبَادَةِ" (۲) "دعا مغز وروح عبادت ہے" اسی بنا پر ان آیتوں کو جو غیر خدا سے دعا کرنے کو منع کرتی ہیں۔ چنانچہ اسے ادّعا پر دلیل کے طور پر سمجھتے ہیں کہ مخلوق کو پکارنا اور غیر خدا سے مدد مانگنا ایک مشرکانہ عمل اور قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔

**وہ آیتیں جو غیر خدا سے دُعا کرنے کو منع کرتی ہیں جیسے:**

ا۔ "وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ" (۳) اور جو شخص خدا کے ساتھ دوسرے معبود کی پرستش کرے گا اس کے پاس اس شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے تو بس اس کا حساب اس کے پروردگار ہی کے پاس ہوگا۔ (مگر یاد رہے کہ) کفار ہرگز فلاح پانے والے نہیں۔

ا۔ سورۂ غافر، آیت ۶۰۔

۲۔ بحار الانوار، جلد ۹۳، ص ۳۰۰۔

۳۔ سورۂ مؤمنون، آیت ۱۱۷۔

سبیل سکینہؑ
حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸۔ C۱

۲۔ " وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً " (۱) اور یہ کہ مسجدیں خاص خدا کی ہیں تم لوگ خدا کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرنا۔

۳۔ "وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ" (۲) اور وہ (بت) جنہیں تم خدا کے سوا (اپنی مدد کو) پکارتے ہو، نہ تو وہ تمہاری مدد کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

۴۔ " وَلاَ تَدْعُ مِن دُونِ اللّهِ مَا لاَ يَنفَعُكَ وَلاَ يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِينَ" (۳) اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تجھے نفع ہی پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ہی پہنچا سکتی ہے۔ تو اگر تم نے (کہیں ایسا) کیا تو اس وقت تم بھی ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔

۵۔ " ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ـ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ " (۴) وہی خدا تمہارا پروردگار ہے، اسی کی سلطنت ہے اور اسے چھوڑ کر جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ چھوہارے کی گٹھلی کی جھلی کے برابر بھی تو اختیار نہیں رکھتے اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سنتے نہیں اور اگر (بفرضِ محال) سنیں بھی تو تمہاری دعائیں قبول نہیں کر سکتے۔

.................................

۱۔ سورۂ جن، آیت ۱۸۔

۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۹۷۔

۳۔ سورۂ یونس، آیت ۱۰۶۔

۴۔ سورۂ فاطر، آیات ۱۳، ۱۴۔

## وہابیوں کے دلائل کا جواب:

یہ بات مسلّمہ ہے کہ کلمہ ''دعوت'' اپنے دیگر مشتقات وہم جنس الفاظ کے ساتھ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ''عبادت'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے سورۂ مؤمنون کی آیت ۱۱۷، سورۂ جن کی آیت ۱۸، سورہ فرقان کی آیت ۶۸، سورۂ انعام کی آیت ۵۶۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ کلمہ ''دعا'' اور ''دعوت'' لغت میں ''عبادت'' کے معنیٰ میں ہوں، یا یہ کہ قرآن مجید میں جہاں بھی یہ کلمہ استعمال ہوا ہو، عبادت کے معنی میں ہوا ہو، بلکہ لغت اور عرف میں ''دعا'' اور ''دعوت'' کے معنیٰ عبادت ہیں: ''کسی کو پکارنا، جو ممکن ہے مختلف انداز میں استعمال ہوا ہو جیسے سوئے ہوئے شخص کو پکارا جاتا ہے تا کہ وہ اٹھ جائے، دور کھڑے شخص کو پکارا جاتا ہے تا کہ نزدیک آجائے، گمراہ کو دعوت دی جاتی ہے تا کہ راہ راست پر آجائے، دوست کو پکارا جاتا ہے کہ اس نے کام انجام دے دیا، معبود اپنے بندے سے چاہتا ہے کہ اپنی عبادت میں قیام بجالائے۔ عبد اپنے معبود سے چاہتا ہے کہ اس کی بندگی کو قبول کرے۔

گویا نہ تو ہر قسم کا پکارنا، مدد مانگنے کے مترادف ہے اور نہ ہی ہر قسم کی مدد مانگنا عبادت ہے، جو یہ کہا جائے کہ غیر خدا کو پکارنا شرک و کفر ہے اور قرآن کی نگاہ میں حرام ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں یہ کلمہ عبادت سے ہٹ کر معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اور ہر مرتبہ میں غیر خدا سے الگ الگ کام کا تقاضا کیا گیا ہے۔

### مندرجہ ذیل آیتوں کے سلسلے میں غور وفکر کریں:

۱۔ ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَاَنَّهُ إِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ''

اے ایمان والو! جب تم کو (ہمارا) رسول (محمدؐ) ایسے کام کے لیے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم خدا کے رسولؐ کا حکم دل سے قبول کرلو۔" (۱) اس آیۂ مبارکہ میں دعوت کا عمل رسول خداؐ کی جانب سے صاحبان ایمان کے لیے ہے۔ انہیں پکار رہے ہیں تا کہ خدا کے فرامین کی اطاعت کریں۔

۲۔ "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضاً" (۲) اے ایمان والو! جس طرح تم میں سے ایک، دوسرے کو بلایا کرتا ہے اس طرح آپس میں رسول اللہؐ کو نہ بلایا کرو۔ اس آیۂ شریفہ میں جہاں لوگوں کا ایک دوسرے کو پکارنا اور لوگوں کا نبی مکرمؐ کو پکارنے کا عمل ثابت ہوتا ہے، وہیں رسول خداؐ کو پکارنے کے احکامات اور ادب واحترام کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ "قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا" (۳) حضرت شعیب کی بیٹی نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم نے جو (ہماری بکریوں کو) پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔

۴۔ "فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ" (۴) پھر جب تمہارے پاس علم آچکا، اس کے بعد بھی اگر کوئی تم سے کوئی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو"۔

۱۔سورۂ انفال، آیت ۲۴۔ ۲۔سورۂ نور، آیت ۶۳۔ ۳۔سورۂ قصص، آیت ۲۵

۴۔سورۂ آل عمران، آیت ۶۱۔

ان آیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید کا ''غیر خدا'' کو پکارنے کی مذمت و نہی اس وجہ سے ہے کہ وہ پکارنا عبادت و پرستش کے ارادے سے ہو کہ وہ غیر خدا اپنے ارادے اور تدابیر میں استقلال رکھتا ہے، اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔

جیسا کہ ان آیتوں میں " مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ " اور "مَعَ اللّٰهِ " کی قید سے یہ مطلب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ''غیر خدا'' کو اس عقیدے کے ساتھ پکارنا خدا نے اسے خلق کیا اور اسے کام کرنے یا اسے ایجاد کرنے کی قدرت دی ہے تو ایسے میں مشکلات کے موقع پر اسے پکارنا نہ صرف شرک و کفر اور قرآن مجید کے خلاف نہیں بلکہ یہ عمل ''توحید'' کے ''عین'' مطابق ہے۔ لوگوں سے مدد چاہنا ایک دوسرے کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ یہی قرآن مجید ہے جو اپنے پیروکاروں کو باہمی تعاون کا حکم دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے: " وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" (۲) نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ ایک دوسری آیت میں امور دینی میں مدد مانگنے اور مدد دینے کے عمل کو مسلمانوں سے چاہا گیا ہے "وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ " (۱) اور (ہاں مگر) دینی امر میں تم سے مدد کے خواہاں ہوں تو تم پر (ان کی) مدد کرنی لازم و واجب ہے۔ یہاں تک کہ پروردگار متعال اپنی قدرت مطلقہ کے باوجود اپنے ضعیف ناتواں بندوں سے

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۲۔

۲۔ سورۂ انفال، آیت ۷۲۔

(استنصار) طلب نصرت کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا کُونُوا أَنصَارَ اللّٰہِ " (۱) اے ایمان والو! خدا کے مددگار بن جاؤ!۔ "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّہَ یَنصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ أَقْدَامَکُم" (۲) اے ایمان والو! اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

صاحبان ایمان افراد جو کہ مکتب توحید کی بنیاد رکھنے والے ہیں، ان کی زبانی، دوسرے سے مدد مانگنے کو یوں بیان فرماتا ہے۔ "کَمَا قَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیِّینَ مَنْ أَنصَارِیْ إِلَی اللَّہِ" (۳) جس طرح حضرت مریمؑ کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ بھلا خدا کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار کون لوگ ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر کے مقرب بندے سے کہا کہ "اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ" (۴) اپنے مالک کے پاس میرا بھی تذکرہ کرنا (کہ میں بے جرم وخطا قید میں ہوں) پروردگار عالم کے دو برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام نے گاؤں کے لوگوں سے غذا مانگی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ملتا ہے۔ "حَتّٰی إِذَا أَتَیَا أَھْلَ قَرْیَۃٍ اسْتَطْعَمَا أَھْلَھَا" (۵) یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے کچھ کھانے کو مانگا۔

۱۔ سورۂ صف، آیت ۱۴۔

۲۔ سورۂ محمدؐ، آیت ۷۔ ۳۔ سورۂ صف، آیت ۱۴۔

۴۔ سورۂ یوسف، آیت ۴۲۔

۵۔ سورۂ کہف، آیت ۷۷۔

جناب ذوالقرنین، دشمن کی جانب سے موردِ ستم وتجاوز قرار پانے والی قوم سے فرماتے ہیں: "فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا" (۱) تم فقط مجھے قوت سے مدد دو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک روک بنادوں۔

جناب سلیمانؑ نے اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے چاہا کہ ملکہ سباء کے تخت کو ان کے لیے حاضر کریں: "قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا" (۲) حضرت سلیمانؑ نے (اپنے اہل دربار سے) کہا، اے میرے دربار کے سردارو تم میں سے کون ایسا ہے کہ قبل اس کے وہ لوگ میرے سامنے فرمانبردار بن کر آئیں ملکہ سباء کا تخت میرے پاس لے آئے۔ یہ سب مثالیں جو قرآن مجید میں ذکر ہوئی ہیں کیا غیر خدا کی دعوت اور مخلوق سے مدد مانگنے کے مصداق نہیں؟!

کیا وہابیوں کے خیال اور گمان میں یہ سب شرک کے مصداق ہیں اور توحید کے مخالف ہیں؟ اور کیا معاذ اللہ، اللہ کے نبیؐ سب کے سب مشرک اور صراط مستقیم اور توحید سے منحرف تھے؟ اور صرف ''ابن تیمیہ'' اور ''محمد بن عبدالوہاب'' اور ان کے پیروکار صحیح معنی میں موحد اور قرآن کے سچے پیروکار ہیں؟ یہاں تک کہ وہابیوں کا ایک عالم ''صنعانی'' کہتا ہے: ''جو بھی مخلوق کو پکارتا ہے اور اس سے مدد چاہتا ہے، عبادت میں شرک کرنے کے عمل میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اب چاہے وہ مخلوق نبی ہو یا ولی، زندہ ہو یا مردہ، فرشتہ ہو یا جن، درخت ہو یا قبر۔'' ''اس مشرک کو قتل کر دیا جائے اس کا مال غارت کر دیا جائے اور اس کے اہل وعیال اسیر کیے جائیں

۱۔ سورۂ کہف، آیت ۹۵۔

۲۔ سورۂ نمل، آیت ۳۸۔

چاہے وہ بظاہر وحدانیت کا اقرار کرلے اور عبادت و بندگی کے اعمال میں مشغول ہو۔'' (کشف الارتیاب، ص ۲۷۱، صنعانی) اسی طرح ''محمد بن عبدالوہاب'' جو اس فرقہ کا بانی، کہتا ہے: ''خدا کا کے علاوہ کسی کو پکارنا اس سے مدد چاہنا، مرتد اور دین سے خارج ہونے اور مشرکوں و بت پرستوں میں داخل ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اور اس شخص کے مال و جان کی حرمت کی پامالی کا باعث بنتا ہے۔'' (۱)

## گفتگو میں تناقص:

جب اس غیر معقول اور قرآن و عقل سے مخالف گفتگو پر صاحبان عقل و دین اعتراض کرتے ہیں تو یہ (عبدالوہاب) معذرت چاہتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر قسم کا پکارنا و مدد چاہنا، شرک و کفر ہے بلکہ ہماری مراد کسی ''مردہ'' یا ''غائب'' انسان سے استغاثہ کرنے کے ہیں اور وہ بھی ان کاموں میں جو اس مخلوق کی قدرت سے باہر ہوں، وہ شرک ہے۔'' (۲) سب سے پہلے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ آپ کی تناقص گوئی سے کسی قسم کا خوف نہیں کیوں کہ ایک مقام پر واضح انداز میں کہتے ہیں: '' وَمَنِ اعْتَقَدَ فِيْ حَيٍّ اَوْ مَيِّتٍ اِنَّهُ يَقْرُبُ اِلَى اللّٰهِ اَوْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ فِيْ حَاجَةٍ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا بِمُجَرَّدِ التَّشَفُّعِ بِهِ فَقَدْ اَشْرَكَ مَعَ اللّٰهِ غَيْرَهُ وَاعْتَقَدَ مَا لَا يَحِلُّ كَمَا اعْتَقَدَ الْمُشْرِكُوْنَ فِي الْاَوْثَانِ وَصَارَ حَلَالَ الْمَالِ وَالدَّمِ ''(۳)

۱۔ کشف الارتیاب، ص ۲۶۹۔

۲۔ کشف الارتیاب، ص ۲۷۰، عبدالوہاب کے ایک رسالے ''کشف الشبہات'' سے نقل کیا

۳۔ کشف الارتیاب، ص ۲۳۹، کتاب کشف الشبہات سے نقل کیا ہے۔

یعنی جو بھی زندہ یا مردہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ آدمی کو خدا کے قریب کردے گا، یا وہ حوائج دنیا کی برآوری کے لیے خدا کے نزدیک شفاعت کرے گا۔ ایسا شخص یقیناً مشرک ہے، چاہے غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دے اور اپنے دل میں نامناسب عقائد رکھتا ہو۔ جیسے بتوں کی نسبت مشرکوں کے عقائد ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان شرک آمیز عقائد کے نتیجے میں اس کے مال و جان حلال ہو جائیں گے اور اس کا مال غارت کیا جائے اور خون بہایا جائے!!

اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی رسول خداؐ سے آپؐ کی حیات میں اپنی مشکلات کے لیے شفاعت کا تقاضا کرے کیوں کہ آپؐ پروردگار کے مقرب بندے ہیں (یقیناً شفاعت کرنا آپؐ کے لیے ایک ممکن عمل ہے) تو یہ شخص مشرک اور مہدور الدم ہوگا، جبکہ اس مقام پر آپ کہتے ہیں: زندہ مخلوق سے استغاثہ کرنا، مدد چاہنا ان کاموں میں جو اس کے لیے ممکن ہوں، شرک نہیں ہے۔ کیا ان دو قولوں میں تضاد نہیں پایا جاتا؟

اور اگر ''شرک'' کا معیار یہ ہو کہ انسان مخلوق کی جانب توجہ کرے اور اس سے مدد مانگے تو ایسی صورت میں زندہ اور مردہ میں فرق نہیں۔ کیوں کہ دونوں مخلوق ہیں اور دونوں سے استغاثہ کرنا شرک ہونا چاہیے۔ پس آپ مردہ سے استغاثہ کرنے کے عمل کو شرک اور وہ بھی ''اعظم الشرک'' سمجھتے ہیں لیکن زندہ سے استغاثہ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں؟ جیسا کہ ابن تیمیہ کہتا ہے: ''وَمِنْ اَعْظَمُ الشِّرْكَ اَنْ يَسْتَغِيْثَ الرَّجُلُ بِمَيِّتٍ اَوْغَائِبٍ۔۔۔'' (۱) یعنی شرک کی بہت بڑی قسم یہ ہے کہ کوئی مردہ یا غائب انسان سے استغاثہ کرے، جبکہ حقیقتاً اگر شرک کا

۱۔ کشف الارتیاب، ص ۲۶۷۔

معیار مخلوق کے سامنے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ یہ مخلوق ہر کام میں استقلال رکھتی ہے، ذلیل وخاضع ہونا، یقیناً شرک کے محقق ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اوراس صورت میں مخلوق کا حاضر یا غائب ہونا، زندہ ومردہ ہونا فرق نہیں ہے۔ اور اگر شرک کا معیار موجود نہ ہو یعنی انسان، کسی مخلوق کے استقلال کو مدنظر نہ رکھتے ہوئے اس کے سامنے خضوع وخشوع کا اظہار کرے بلکہ اس کے مخلوق ہونے کے عقیدہ کے ساتھ اوراس مخلوق کے تمام کاموں کا خدا سے وابستہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے، اس سے مدد کا تقاضا کرے، یقیناً یہ شرک نہیں ہوگا، اب چاہے وہ مخلوق زندہ ہو، حاضر ہو یا غائب ہو۔

☆ خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہوتو دونوں صورتوں میں شرک ہوگا اور اگر شرک نہیں تو دونوں صورتوں میں شرک نہیں ہوگا۔ لیکن جب بھی یہ مشرک تراش اس طرح کے اعتراضات کا سامنا کرتے ہیں تو فوراً اپنی بات کا رخ بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''مردوں سے مدد مانگنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ نہ سننے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کام کو انجام دینے کی طاقت رکھتے ہیں لہٰذا ان سے مانگنا فضول و بے کار کام ہے۔

تناقض، وہ بھی اس حد تک؟ کبھی یہاں، کبھی وہاں، آخر اس طرح ہاتھ پیر مارنے کا عمل کب تک چلتا رہے گا؟ کبھی کہتے ہیں: "وَمِنْ اَعْظَمِ الشِّرْكِ اَنْ يَسْتَغِيْثَ الرَّجُلُ بِمَيِّتٍ اَوْغَائِبٍ۔۔۔" میت سے مدد مانگنے کے عمل کو شرک کی بڑی اقسام میں سے قرار دیتے ہیں اور جب کبھی بند گلی میں پھنس جاتے ہیں تو میت سے مدد مانگنے کو بے فائدہ اور فضول عمل قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ وجدان رکھتے

ہوں تو اس عمل کو جسے یہ فضول اور بے فائدہ کہتے ہیں، یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے کسی نابینا شخص سے کتاب پڑھنے کو کہنا یا کسی اپاہج سے دوڑنے کا کہنا ،تو یہ لوگ جاہلانہ اور ظالمانہ انداز میں اس عمل کو شرک کا عامل سمجھتے ہیں اور عقل، وجدان اور قرآن کی روشنی میں مہدور الدّم قرار دیتے ہیں؟ کیا بے فائدہ اور فضول کام کو انجام دینے والا مشرک ہوتا ہے؟ اور اگر شرک ہے تو زندہ اور مردہ، حاضر و غائب میں کیوں فرق کرتے ہیں؟ اور صرف میت اور غائب سے استغاثہ و مدد مانگنے کو مشرکانہ عمل قرار دیتے ہیں" فَمَالَكُمْ اَيُّهَا الْقَوْمُ لَا تَكَادُوْنَ تَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً "؟!!

**لاعلاج بیماری:**

ایسے میں ہمیں حق ہے کہیں کہ" آپ کا یہ مرض خاندان رسول خداؐ اور اہل بیتؑ سے بغض و کینہ ہے؟! ہاں آپ لوگ ایک طرف سے دیکھتے ہیں کہ وہ حضرات معصومینؑ بشری زندگی کی اتباع کرتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے اور ان کے ماننے والے (شیعہ) ایک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے ارادے سے زندہ اور غائب ہیں تو اس لحاظ سے عادتاً وہ بھولے جا چکے ہوں گے اور ان کی تعلیمات ترک ہو گئی ہوں گی۔ لیکن دوسری طرف آپ دیکھتے ہیں کہ نہیں ان کے چاہنے والے، ان کا دامن نہیں چھوڑتے، بلکہ مسلسل و دائماً ایک خاص جوش و ولولہ اور ایک عجیب محبت و مودّت کے ساتھ ان کی زیارت گاہوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنے غائب امامؑ کی خدمت میں چاہے یہ لوگ کہیں بھی ہوں ادب و احترام کرتے ہیں اور ان کے ذکر اور تعلیمات کو زندہ رکھنے کے لیے مجالس و محافل کا انعقاد کرتے ہیں۔ اور اس طریقے سے اسلام اور قرآن جو ایک انسان ساز اور شیطان دشمن مکتب

ہے، اسے زندہ رکھتے ہیں۔ نتیجتاً یہ لوگ استعماری طاقتوں، اوران کے ناپاک عزائم کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر آجاتے ہیں۔ اوران کی سازشوں کونقش برآب کردیتے ہیں۔

استعماری طاقتیں اورشیطانی قدرتیں بقول ان کے مردہ امام اورغائب امام سے ایسا طمانچہ کھاتی ہیں جوانہوں نے کسی زندہ و طاقتوراورحاضرشخص سے نہیں کھایا۔!! لہٰذا اس بات کوسمجھنے کے بعد دینی لبادہ چڑھا کراوردین کے مخلص وفادار بن کر ''توحید حقیقی'' شرک، کفراور بدعت جیسے مضامین کو بیان کرتے ہیں۔ اس سے عجیب کیا ہوگا کہ ایک طرف تو کاملاً غیرخدا کے موضوع سے چپکے ہوتے ہیں اورخدا کے سواکسی کی بھی تعظیم کرنے اورمدد مانگنے کومشرکانہ اوراسلام مخالف عمل بیان کرتے ہیں اوردوسری طرف سب غیر خداؤں زندہ اورموجودکافر ومشرک حکومتوں سے مدد مانگنے پرکسی قسم کی گفتگونہیں کرتے!!

کیا یہ کام اس بات کوواضح نہیں کردیتا کہ آپ کا ہم وغم صرف اورصرف انسانوں پراہل بیتؑ کے دروازے بند کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اورآپ چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ کودامن اہل بیتؑ کہ جن میں سے ایک غائب اورآپ کے گمان میں بقیہ وفات پا چکے ہیں، سے دورکردیں۔ اوراس عمل کے ذریعے یعنی امت کوامام حق سے جدا کرکے انہیں حقائق اسلام سے بے خبررکھیں اورنتیجتاً استعماراورظالموں کے لیے راستہ ہموارکریں اوراسلامی ممالک کی قیمتی اورزرخیزصلاحیتوں کو عالمی ڈاکوؤں اورغارت گروں کے حوالے کردیں اوران کے بچے ہوئے مال ومنال کواپنی پلید شہوت کا نشانہ بنائیں؟؟ ''تَبّاً لَکُمْ اَیَّتُهَا الْجَمَاعَةُ السَّفَلَةِ'' کیوں کہ آپ خود

اس بات کو جانتے ہیں کہ برزخی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہوئے مردوں سے کمک کا تقاضا کرنا، عقلی اور نقلی (روایات) اور اس بات پر عقیدہ کہ پروردگار عالم نے انہیں بات سننے اور اسی طرح مشکلات کا حل شفاعت کے ذریعے عطا کیا ہے۔ یہ نہ تو شرک آمیز عمل ہے اور نہ ہی کوئی بے فائدہ ولغو کام ہے۔

## شیعہ، ائمہ معصومین علیہم السلام سے کیسے توسّل کرتے ہیں:

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے، جو وہ ہم رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کی بارگاہوں میں داخل ہوئے وقت بیان کرتے ہیں: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعۡتَقِدُ حُرۡمَةَ صَاحِبِ ھٰذَاالۡمَشۡھَدِ الشَّرِیۡفِ فِیۡ غَیۡبَتِهٖ کَمَااَعۡتَقِدُ ھَا فِیۡ حَضۡرَتِهٖ۔وَاَعۡلَمُ اَنَّ رَسُوۡلَكَ وَخُلَفَائَكَ عَلَھِیۡمُ السَّلَامُ اَحۡیَاءٌعِنۡدَكَ یُرۡزُقُوۡنَ، یَرُوۡنَ مَقَامِیۡ وَ یَسۡمَعُوۡنَ کَلَامِیۡ وَیَرُدُّوۡنَ سَلَامِیۡ۔۔۔" (۱) خدایا میرا عقیدہ جو اس صاحب مشہد، صاحب قبر کی نسبت وفات اور غیبت کی حالت میں ویسے ہی جیسا ان کی زندگی اور ظہور کے زمانے میں تھا۔ اسی طرح رسول خداؐ کی زیارت میں کہتے ہیں: "اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ قُلۡتَ : "وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَھُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِیۡماً" (۲) پروردگارا تو نے فرمایا: اے رسولؐ جب ان لوگوں نے (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے ۔ اور پھر رسول

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۳۱۱۔ ۲۔ سورۂ نساء، آیت ۶۴۔

خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: " وَانِّیْ اَتَیْتُکَ مُسْتَغْفِرًا تَائِباً مِنْ ذُنُوْبِیْ وَانِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکَ لِیَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ " (۱) اے رسول خدا اب میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں، جبکہ اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوں اور اپنے ماضی پر شرمندہ ہوں، میں آپ کے وسیلے سے (آپ خدا کے مقرب نبیؐ ہیں) خدا کی طرف جو کہ میرا اور آپ کا پروردگار ہے، متوجہ ہوں تا کہ میرے گناہ بخش دے۔

ایسے میں انصاف کا دامن تھامتے ہوئے اس طرح خدا کے مقرب بندوں کے ذریعے توسّل کرنا اور ان کی طرف متوجہ ہونا کیا عین توحید، اور خدا کی جانب متوجہ ہونا اور اسی کی عبادت کرنا نہیں ہے؟ وہ انسان جسے برزخی زندگی (جو دنیوی زندگی سے زیادہ کامل ہے) میں خدا کی جانب سے ہر قسم کا رزق (جیسے علم، قدرت اور دوسرے کمالات جو وہاں کی زندگی کے لحاظ سے مناسب ہیں) عطا ہوا ہے۔ ایسے شخص کو پکارنا، دُعا و شفاعت اور دوسرے کاموں میں اس کی صلاحیت کے مطابق مدد کا تقاضا کرنا، کیا با انصاف شخص کی نگاہ میں سو فیصد ایک معقول اور درایت و حکمت کی روشنی میں صادر ہونے والا عمل نہیں ہے؟ ہاں! یقیناً حق یہی ہے۔ مگر یہ کہ آپ برزخی زندگی کا انکار کر دیں اور اس دنیا سے مرنے والے انسان کو اس کے نابود و ختم ہو جانے سے تعبیر کریں تو یہ قرآن و سنت اور عقلی دلائل کے انکار کرنے کے مترادف ہے۔

---

۱۔ مفاتیح الجنان، ص۳۱۶۔

## چنداعتراضات اوران کے جوابات:

اس مقام پر ممکن ہے کہ کچھ کج فکر افراد کی جانب سے اعتراضات بیان کیے جائیں:

☆ مردہ لوگوں کے سمجھنے اور سننے کے عمل کو ناممکن قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ" (۱) بے شک نہ تو تم مردوں کو (اپنی بات) سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو (خاص کر) جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔

جیسا کہ واضح و روشن ہے کہ اس آیت میں مشرکوں کو مردہ انسانوں سے تشبیہ دی گئی ہے یہ مشرک جن کے دل مردہ ہوگئے ہیں، جہل و تعصب کی خاک نے ان پر غلبہ کرلیا ہے لہٰذا یہ بھی نہ گفتگو سن پاتے ہیں اور نہ ہی حق بات انہیں سمجھ آتی ہے۔ جیسا کہ مردہ لگتا ہے گویا نہیں سن رہا۔

☆ **ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے:**

"إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ" (۲) اور خدا جسے چاہتا ہے اچھی طرح سنا (سمجھا) دیتا ہے۔ اور (اے رسولؐ) جو کفار مُردوں کی طرح قبروں میں ہیں، تم انہیں اپنی باتیں نہیں سنا (سمجھا) سکتے۔ اس آیت کریمہ میں بھی گزشتہ کی طرح کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور اب مطلب کو بھی واضح کیا گیا کہ وہ سمجھنے سے قاصر ہیں اور سننا ان کے

---

۱۔ سورۂ نمل، آیت ۸۰۔ ۲۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۲۔

لیے ممکن نہیں ہے۔

ان دو آیتوں میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے، لیکن ان آیتوں میں مُردوں سے مراد وہ انسان نہیں ہیں جو برزخی زندگی گزارنے میں مشغول ہیں اور اس عالم دنیا سے باہر چلے گئے ہیں اور عقلی دلائل اور یقینی و ناقابل انکار آیتوں اور روایتوں کی روشنی میں یہ لوگ عالم برزخ میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ بلکہ ان آیتوں میں وہی مُردہ و بے جان جسم مراد ہیں کہ جو روح کے جدا ہونے کے بعد، ہر قسم کے شعور، حس و حرکت سے عاری ہو جاتے ہیں، نتیجتًا نہ کچھ سن پاتے ہیں اور نہ حقیقت کو سمجھ پاتے ہیں۔ کافر بھی روح ایمانی کے فقدان کے باعث، قرآن کے حقائق درک کرنے سے عاجز ہوتا ہے جیسے ایک بے روح جسم۔

ایک دوسرے مقام پر کافر کو اندھے و بہرے انسان سے تشبیہ دی ہے:

"وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ" (۱) اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے سیدھی راہ پر لا سکتے ہو۔ "إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ" (۲) اور نہ تم بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔ اس وجہ سے کہ یہ دونوں حسِ بینائی اور شنوائی سے عاری ہیں، نتیجتًا نہ اس نابینا کے لیے ممکن ہے کہ اسے کوئی راہ دکھائے اور وہ راہ ڈھونڈ کر اپنے مقصد تک پہنچ سکے اور اسی طرح بہرہ شخص فقط آواز کے ذریعے کسی مطلب کو درک کرنے سے قاصر ہے۔

۱۔ سورۂ نمل، آیت ۸۱۔ ۲۔ سورۂ نمل، آیت ۸۰۔

یعنی یہ کہ کافر و مشرک اپنی ضد عناد کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان کے قلوب مُردہ ہو جاتے ہیں اور حق سننے اور سمجھنے کی طاقت کھو کر مُردہ جسموں کی طرح اندھے و بہرے انسانوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اے ہمارے نبیؐ، آپؐ خود ان لوگوں سے مخاطب ہوئے اور انہیں دعوت حقہ سنائی، حقیقتاً آپؐ ان لوگوں پر کوئی مثبت اثر اور انہیں صراط مستقیم کی طرف لانے کی قدرت نہیں رکھتے، بلکہ آپؐ کی ہدایت، ودعوت اور رہنمائی صرف ان لوگوں پر اثر انداز ہوگی جو تعصب، عناد و ضد سے پاک اور عقل سلیم رکھتے ہوں۔ اور خدا کی روشن نشانیوں کے دیکھنے کے بعد اطاعت کرتے ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: "إِن تُسمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُسْلِمُونَ" تم تو بس انہی لوگوں کو (اپنی بات) سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، پھر وہی لوگ تو ماننے والے بھی ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جیسے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں کو ملاحظہ کریں۔ "ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" (۱) یہ وہی کتاب خدا ہے کہ اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں یہ پرہیزگاروں کی رہنما ہے۔ "إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ لِيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا" (۲) "وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ" (۳) اور (اے رسولؐ) ان کے لیے برابر ہے خواہ تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، یہ (کبھی) ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

.....................

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۔ ۲۔ سورۂ یٰس، آیات ۶۹، ۷۰۔ ۳۔ سورۂ یٰس، آیات ۱۰، ۱۱۔

تو بس اسی شخص کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت مانے اور بے دیکھے بھالے خدا کا خوف رکھے۔"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ إِلَّا خَسَارًا" (۱) اور ہم تو قرآن میں وہی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے سراسر شفا و رحمت ہیں (مگر) نافرمانوں کو گھاٹے کے سوا کچھ بڑھاتا ہی نہیں۔

یہ دو آیتیں جنہیں اعتراض کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کسی بھی زاویئے سے ہمارے موضوع (برزخی زندگی گزارنے والے زندہ انسان) سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان دو آیتوں میں پائی جانے والی تشبیہ کا تعلق ایک طرف مشرکوں سے ہے اور دوسری طرف بے روح انسان (مردہ) سے جو حس وشعور سے محروم ہیں۔یعنی ہماری گفتگو ''توسّل'' ہے، جب کہ قرآن مجید ان دو آیتوں میں مُردہ انسانوں کو موضوع قرار دیتا ہے! ان دونوں موضوعات کا فاصلہ دنیا سے برزخ اور موت سے زندگی تک کا ہے۔"وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ"(۲) اور نہ زندہ (مؤمنین) اور نہ مُردہ کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ جس مطلب کو ہم عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں وہ عالم برزخ میں زندہ انسانوں سے توسّل ہے اور یہ آیتیں اس مطلب کا انکار نہیں کرتیں اور جس مطلب کا یہ آیتیں بے روح جسموں کا قبر میں سننا) انکار کرتی ہیں۔

یہ بھی جانتے ہیں کہ قبروں میں دبے ہوئے مُردہ و بے روح جسم ہرگز کسی بات کو سمجھنے اور کہنے کے قابل نہیں ہیں چہ جائے کہ ان سے مدد و نصرت کا سوال کیا

۱۔سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۲۔ ۲۔سورۂ فاطر، آیت ۲۲۔

جائے بات توان مردوں کی ہے، جن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے:۔"وَلَا تَقُولُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (۱) اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مُردہ نہ کہنا بلکہ (وہ لوگ) زندہ ہیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاء عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" (۲) اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مُردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں اپنے پروردگار کے ہاں سے وہ طرح طرح کی روزی پاتے ہیں۔

### ایسے مردہ ورفتگان کی قبروں پر جانے کا مقصد:

اولاً: اس عمل کو دینی شعائر کی تعظیم اور ان کے مقام ومنزلت کی خاطر کرتے ہیں (رسول خداؐ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا)

ثانیاً: ان کے مقام دفن سے نزدیک ہو کر ان عنایتوں سے جو پروردگار عالم نے ان کی ارواح مقدسہ کو عطا کی ہیں، تبرک حاصل کرتے ہیں اور اس طریقے سے اپنے آپ کو پروردگار کی نعمتوں کے نزول کے لیے تیار کرتے ہیں۔

ثالثاً: وہ متعدد روایتیں جو زیارت قبور اولیاء کے باب میں ذکر ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں یہ کام پروردگار عالم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی عبادت شمار کیا جاتا ہے اور خدا کے تقرب کا وسیلہ بنتا ہے۔

ان مذکورہ دو آیتوں" إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔۔۔ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ

۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۴۔ ۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۹۔

مَّن فِيْ الْقُبُوْرِ" سے ایک اور مطلب بھی استفادہ کرسکتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان آیتوں کا اصل ہدف یہ بیان کرنا تھا کہ رسول خداؐ لوگوں تک ہدایت پہنچا سکتے ہیں انہیں منوا نہیں سکتے۔ یعنی اے پیغمبرؐ تمہاری نبوت ورسالت کا تقاضا صرف انسانوں کو حق کی دعوت دینا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک خدا کی مشیّت ان سے تعلق نہ جوڑے اور توفیقات ان کے شامل حال نہ ہوں، تمہاری دعوت ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوگی اور کفر وشرک کی وجہ سے مردہ دلوں کو توحید و ایمان کی حیات سے زندہ نہیں کرسکتے۔

اس کام کی قدرت وطاقت مستقلاً خدا کے پاس ہے۔ اب چاہے وہ حقیقی مردہ ہوں جیسے قبر میں دبے ہوئے بے روح جسم یا وہ مردہ جنہیں ان سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے کافر جو حق وحقیقت سے دور ہیں۔ لہٰذا ارشاد فرمایا: " إِنَّ اللّٰـهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِيْ الْقُبُوْرِ " (۱) اور خدا جسے چاہتا ہے اچھی طرح سنا (سمجھا) دیتا ہے اور (اے رسولؐ) جو کفار مردوں کی طرح قبروں میں ہیں، انہیں تم (اپنی باتیں) نہیں سنا (سمجھا) سکتے ہو۔" آیت شریفہ کا ہدف رسول خداؐ کے عمل میں استقلال کی نفی کرنا ہے تاکہ لوگ اس امر کی جانب متوجہ ہوجائیں اور رسول خداؐ سے یہ ذمے داری اٹھادی جائے۔ لہٰذا رسول خداؐ سے مخاطب ہوکر فرمایا: "آپؐ مشیت پروردگار کے بغیر ان مردہ دل کافروں پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا آپؐ ان کی جانب سے دعوت قبول نہ کرنے پر غم واندوہ کا شکار نہ ہوں

ا۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۲۔

اوران کے اس عمل کو اپنے لیے پیغام رسالت کے ابلاغ میں کوتاہی شمار مت کریں

اسی حقیقت کو قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان کیا: "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ" (۱) اے رسولؐ ، بے شک تم جسے چاہو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے مگر ہاں خدا جسے چاہے منزل مقصود تک پہنچائے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے۔ ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا: " لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ..." (۲) اے رسولؐ ان کا منزل مقصود تک پہنچانا تمہارا فرض نہیں (تمہارا کام صرف راستہ دکھانا ہے) مگر ہاں خدا جس کو چاہے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ہم جانتے ہیں کہ رسول خداؐ کی مسلم ذمہ داریوں میں سے لوگوں کی ہدایت اوران کو صراط مستقیم اوردین اسلام کی جانب رہنمائی کرنا ہے۔لہٰذا اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس آیت میں رسول خداؐ سے ہدایت کی نفی کرنے سے مراد آپؐ کی ہدایت کا کافروں کے قلوب پر اثر انداز ہونا ہے جو مشیت پروردگار کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ایک اور مقام پر فرمایا: "وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ" (۳) اور کتنا ہی چاہو مگر بہتیرے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔اور اسی طرح سے سورۂ مبارکہ نمل کی آیات ۷۸ تا ۸۱ میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے "إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ، فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ،إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ

۱۔سورۂ قصص،آیت ۵۶۔ ۲۔سورۂ بقرہ،آیت ۲۷۲۔ ۳۔سورۂ یوسف،آیت ۱۰۳۔

ُ الصُّمَّ الدُّعَاءِ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ،وَمَا أَنتَ بِهَادِيْ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُونَ " اے رسولؐ، بے شک تمہارا پروردگار اپنے حکم سے ان کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کردے گا اورسب پر غالب اورواقف کار ہے تو (اے رسولؐ) تم خدا پر بھروسا رکھو۔ بے شک تم یقینی صریحی حق پر ہو بے شک نہ تو تم مردوں کو (اپنی بات ) سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو (خاص کر) جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لا سکتے ہو تم بس ان ہی لوگوں کو (اپنی بات ) سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

مذکورہ آیتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ کفار اور مشرک اپنے الحاد و دشمنی کی وجہ سے اپنی فطرت سلیم کو کہ جس کے ذریعے کائنات کے حقائق درک کیے جاتے ہیں، کھو بیٹھے ہیں اور مردہ اور تاریک قبروں میں دفن بے روح جسم کی طرح ہیں۔ اور اندھے اور بہرے افراد کی طرح پروردگار عالم کی نشانیوں کو دیکھنے اور صدائے حق کو سننے سے قاصر ہیں۔ اے رسولؐ آپ پروردگار عالم کی اجازت کے بغیر ان کی ہدایت میں کامیاب نہیں ہو سکتے (اگرچہ دوسرے افراد کی نسبت بھی حقیقت یہی ہے) مگر یہ کہ خدا پر توکل کرو اور اس سے مدد چاہو۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: "إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ" (۱) اب جب کہ آیت شریفہ کی گفتگو کا محور واضح و روشن ہو گیا، اب ان تمام آیتوں میں اس قسم کا

..........................

۱۔ سورۂ نمل، آیت ۷۸۔

احتمال کہ وہ لوگ جو برزخ میں موجود ہیں کیا اس دنیا میں رہنے والوں کے کلام کو سننے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ مکمل طور پر نابود ہو جاتا ہے اور یہ آیتیں کسی بھی طرح اس مطلب کو ثابت نہیں کرتیں۔

## مُردوں کو پکارنے پر کچھ روایتیں:

☆ جنگ بدر میں کافروں کے نجس لاشوں کو کنوئیں میں ڈالنے کے بعد رسول خداؐ کنوئیں کے قریب تشریف لائے اور ان لاشوں کو ان کے ناموں سے پکارا اور فرمایا: "یَا فُلَانُ، یَا فُلَانُ، قَدْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا" میں نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا، کیا تم نے بھی اپنے خدا کے وعدے کو حق پایا؟ رسول اللہؐ کے کچھ ساتھیوں نے تعجب سے پوچھا: "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُنَادِیْهِمْ وَهُمْ اَمْوَاتٌ"؟ یا رسول اللہؐ مُردوں سے گفتگو کر رہے ہیں؟ رسول خداؐ نے فرمایا: "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّهُمْ لَا سَمَعَ لِهٰذَا لِکَلَامٍ مِنْکُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی الْجَوَابِ" اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس گفتگو کو سننے میں وہ لوگ تم سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں لیکن جواب دینے پر قادر نہیں۔(۱)

☆ رسول خداؐ کی رحلت سے متعلق روایتوں میں ملتا ہے کہ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ جب رسول خداؐ کے جسم اطہر کو غسل دے چکے، کفن کے ایک گوشے کو آپؐ کی صورت سے ہٹا کر فرمایا: "بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَطِبْتَ مَیِّتًا"

۱۔ المحجة البیضاء، جلد۸، ص۲۹۶، نقل از صحیح مسلم، جلد۸، ص۳۶، حضرت عمر بن خطاب سے نقل ہے

میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہو جائیں کہ آپؐ اپنی زندگی اور زندگی کے بعد پاک وپاکیزہ ہیں۔ پھر فرمایا: "بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اُذْکُرْنَا عِنْدَ رَبِّکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ هَمِّکَ" "اے رسول خداؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہمیں یاد رکھیئے گا اور ہمیں ان لوگوں میں قرار دیجیے جو آپؐ کے موردعنایت ہیں۔" اس کے بعد حضرت علیؑ، رسول اللہؐ کے بدن مطہر پر جھکے اور آپؐ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دینے لگے۔(۱)

☆ اسی طرح اہل قبور کی زیارت کے باب میں روایتیں ملی ہیں کہ جن میں اس قسم کے جملے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ" کے ذریعہ پکارا گیا ہے۔(۲)

☆ اسی طرح "تلقین میت" کے باب میں مستحب ہے کہ مُردہ کو دفن کرنے کے بعد اسے مخاطب کر کے یوں کہو: "یَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ اُذْکُرِ الْعَهْدَ الَّذِیْ خَرَجْتَ عَلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا، شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔۔" (۳) اے فلاں بن فلاں (میت اور اس کے باپ کا نام) اور وہ عہد و پیمان یاد کرو جو رکھتے ہوئے اس دنیا سے گئے ہو وہ خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت ہے۔ میت کی تلقین سے متعلق کچھ روایتوں میں

۱۔ کشف الارتیاب، ص ۲۶۵، مجالس مفید سے نقل کیا، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۱۳، ص ۲۴، کلام ۲۳۰، جملوں کے کچھ فرق کے ساتھ، اہل سنت کی کچھ کتابوں میں اس واقعے کو حضرت ابوبکر کی طرف نسبت دی گئی ہے، کشف الارتیاب کے اسی صفحے پر رجوع کریں۔

۲۔ المحجة البیضاء، جلد ۸، ص ۲۹۱، ۲۹۲۔ ۳۔ المحجة البیضاء، جلد ۸، ص ۲۹۱، ۲۹۲۔

ملتا ہے کہ جب تلقین پڑھنے والا میت کو مخاطب ہو کر تین مرتبہ یہ کہتا ہے: "یا فلان بن فلان" (میت کا اور اس کے باپ کے نام) پہلی اور دوسری مرتبہ مردہ سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا، تیسری مرتبہ کے بعد جواب دیتے ہوئے کہتا ہے: "اَرۡشَدَنَا رَحِمَكَ اللّٰهُ" ہماری رہنمائی کرو خدا تم پر رحمت کرے۔ لیکن تم اس کے جواب کو نہیں سنتے۔(۱) اس روایت پر بھی توجہ فرمائیں: "حبّہ عُرَنی سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے ہمراہ کوفہ سے باہر گیا۔ علیؑ وادی السلام قبرستان میں ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص کسی مجمع سے گفتگو میں محو ہو جاتا ہے، اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ میں تھک کر بیٹھ گیا، دوبارہ کھڑا ہوا اور پھر تھک کر بیٹھ گیا۔ اور آخر میں کھڑا ہوا اور اپنی عباء کو زمین پر بچھایا اور کہا، اے امیر المومنینؑ اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ دیر آرام کر لیجیے۔ جواب میں فرمایا: "يَا حَبَّةُ اِنۡ هُوَ اِلَّا مُحَادَثَةُ مُؤۡمِنٍ اَوۡ مُؤَانَسَتُهُ" اے حبّہ، یہ (عمل) مومن سے گفتگو اور اس سے مانوس ہونے کے سوا کچھ نہیں یعنی میں عالم برزخ میں رہنے والے مومنوں سے مانوس ہو گیا تھا اور ان سے گفتگو کر رہا تھا۔ حبہ نے کہا: اے امیر المومنینؑ: کیا وہ بھی ہم سے بات کرتے ہیں؟ فرمایا: "نَعَمۡ وَلَوۡ كُشِفَ لَكَ لَرَاَيۡتَهُمۡ حَلَقًا مُحۡتَبِيۡنَ" (۲) ہاں! اگر تمہارے لیے پردے ہٹ جائیں تو انہیں دیکھو گے کہ دائرے، دائرے کی صورت میں بیٹھے ہیں اور گفتگو میں مشغول ہیں۔

۱۔ المحجۃ البیضاء، جلد ۸، ص ۲۹۱، ۲۹۲۔

۲۔ اصول کافی، جلد ۳، ص ۲۴۳، حدیث ۱۔

# فصلِ ہفتم

# نذر

## نذر

☆ علیؑ وآل علیؑ کی نذر:

"یُوفُونَ بِالنَّذۡرِ وَیَخَافُونَ یَوۡماً کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡراً" یہ وہ لوگ ہیں، جو نذریں پوری کرتے ہیں اوراس دن سے جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی، ڈرتے ہیں۔ "وَیُطۡعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡناً وَیَتِیۡماً وَاَسِیۡراً" اوراس کی محبت میں محتاج، یتیم اوراسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ "اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَاءً وَّلَا شُکُوۡراً" "ہم تمہیں خالص خدا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے شکر یہ چاہتے ہیں نہ کوئی بدلہ۔ (۱)

روایت ابن عباسؓ:

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام بیمار ہوئے تو حضرت رسول خداؐ کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے۔ یہ سنتے ہی جناب امیرؑ، جناب فاطمہ زہراؑ اور جناب فضہؓ نے تین تین روزوں کی نذر مان لی۔ غرض جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پورا کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہیں تھا۔ جناب امیرؑ نے شمعون یہودی سے تین صاع جو، قرض لیے جناب سیدہؑ نے ایک صاع جو پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو افطار کرنا ہی چاہتے تھے۔

..........

۱۔ سورۂ دہر، آیات ۷، ۸، ۹۔

**پہلے دن:** ایک سائل نے آواز دی "اَلسَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ يَا اَهۡلَ بَيۡتِ مُحَمَّدٍ" میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دو۔ خدا تمہیں جنت کے خوان عطا کرے گا۔ آواز سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں سائل کو دے دیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کیا۔

**دوسرے دن:** پھر روزہ رکھا، حسب دستور جناب سیّدہ نے پھر جو پیس کر پانچ روٹیاں پکائیں اور افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک یتیم نے آواز دی کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دو ۔سب نے اپنی اپنی روٹی اس یتیم کو دے دی اور صرف پانی سے افطار کیا۔

**تیسرے روز:** پھر روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک قیدی نے آواز دی، سب بزرگواروں نے اپنی اپنی روٹی قیدی کو دے دی اور پانی سے روزہ افطار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا ۔

**چوتھے دن:** صبح کو جناب امیرؑ صاحب زادوں کے ہاتھ پکڑے رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسول اللہؐ کی نظر بچوں پر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں، تو فرمایا: میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ آپؐ اٹھے اور ان کو لے کر واپس جناب سیّدہؑ کے گھر میں آئے تو جناب فاطمہؑ کو محراب عبادت میں دیکھا ان کی پیٹ پیٹھ سے لگی ہے اور آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ کو بہت رنج ہوا اتنے میں جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا: یا رسول اللہؐ آپ کو مبارک ہو کہ خدا نے یہ سورہ آپؐ کے اہل بیتؑ کی شان میں نازل کیا ہے اور سورۂ دھر کی تلاوت کی۔ (۱)

---

۱۔ تفسیر کشاف، جلد۳، ص۲۳۹، سطر۲۹، مطبوعہ مصر، اور اس روایت کو تفسیر بیضاوی وغیرہ، ترجمہ وتفسیر، ص۹۲۴، مولانا حافظ سید فرمان علی

امام شافعیؒ عالم وجد میں فرماتے ہیں ؎

الا ام الام و حتیٰ متیٰ　　اعاتب فی حب ھذا الفتیٰ

فھل زوجۃ فاطمۃؑ غیرہ　　و فی غیرہ ھل اتیٰ

میں کہاں اور کب تک اس جوان (علیؑ) کی دوستی پر ملامت کیا جاؤں گا؟ کیا فاطمہؑ جیسی بی بی کسی اور کو ملی ہے؟ اور کیا ھل اتیٰ جیسا سورہ کسی اور کی شان میں نازل ہوا ہے؟

عطّار نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

از سنانش لافتیٰ آمد پدید　　در سہ نانش ھل اتیٰ آمد پدید

☆ ہابیل وقابیل کی نذر:

"وَاتۡلُ عَلَیۡھِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ آدَمَ بِالۡحَقِّ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَاناً فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِھِمَا وَلَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡآخَرِ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ" (اے رسولؐ) تم ان لوگوں سے آدم کے دو بیٹوں کا سچا قصہ بیان کرو کہ جب ان دونوں نے خدا کی بارگاہ میں نذر و نیاز چڑھائیں تو ان میں سے ہابیل کی نذر تو قبول ہوئی اور دوسرے قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی تو وہ مارے حسد کے ہابیل سے کہنے لگا، میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔ اُس نے جواب دیا کہ بھائی اس میں میرا کیا قصور ہے خدا تو صرف پرہیزگاروں کی نذر قبول کرتا ہے۔(۱) یہ دونوں حضرت آدمؑ کے بیٹے تھے مگر قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹا۔ حضرت آدمؑ نے ہابیل کی پرہیزگاری اور قابلیت

۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۲۷۔

کی وجہ سے انہی کو اپنا وصی و جانشین بنانا چاہا اور اسم اعظم بھی سکھا دیا، یہ سن کر قابیل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اپنے باپ سے گستاخانہ کہنے لگا، جانشینی تو میرا حق ہے آپ انہیں کیوں بنا رہے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا: ایسا ہے تو تم دونوں خدا کی بارگاہ میں اپنی اپنی نذریں چڑھاؤ، جس کی نذر قبول ہوگی وہی جانشینی کا مستحق سمجھا جائے گا۔ غرض ہابیل نے جو بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے ایک موٹا تازہ گوسفند، کچھ مقدار دودھ اور مکھن لیا اور پہاڑ پر رکھ آئے۔ اور قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اس نے کچھ سوکھی اور خراب بالیاں لیں اور غصے میں پہاڑ پر رکھ آیا۔ اس کے بعد حسب دستور آسمان سے آگ کا ایک شعلہ اترا اور ہابیل کی نذر کو کھا گیا، قابیل کی نذر جوں کی توں پڑی رہ گئی۔ قابیل کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا اور حسد کی آگ میں جلتا رہا اور موقع پا کر ہابیل کو مار ڈالا۔ (۱)

### ☆ نذر پر تاریخی دلیل:

#### جناب عبداللہ کا واقعہ:

آپ جناب عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ آپ وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن کو ہمارے نبی کریمؐ کے والد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نہایت متین، سنجیدہ اور شریف طبیعت کے انسان تھے۔ یہ نہ صرف جلالت نسب، بلکہ مکارم اخلاق کی وجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیازی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ جناب عبدالمطلب آپ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔

.......................................

۱۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۲۷ کی تفسیر، ترجمہ و تفسیر از مولانا حافظ فرمان علیؒ۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جناب عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے عطا کیے تو میں ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا، جب آپ کی نذر پوری ہوئی اور وعدہ وفا کرنے کا وقت آیا تو آپ نے دس بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ نذر کی تکمیل کے لیے حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے لے کر چلے۔ بنی ہاشم کے لوگوں نے آپ کو یہ کام کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالیں۔ چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا اور تینوں مرتبہ عبداللہ ہی کے نام قرعہ نکلتا رہا۔ حضرت عبدالمطلب سخت جلال میں آئے اور مُصر تھے کہ عبداللہ کو اللہ کی بارگاہ میں قربان کردیں، لیکن ادھر اونٹوں کی تعداد بڑھا کر ایک سو (۱۰۰) تک لے گئے اور حضرت عبدالمطلب کو قرعہ ڈالنے پر بہ مشکل راضی کیا۔ اب جو قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے مقابلے میں تین بار قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اور جناب عبداللہ ذبح ہونے سے بچ گئے۔

اس واقعے کی کچھ مدت بعد آپ کی شادی وہب ابن عبدالمناف بن ہاشم کی صاحب زادی جناب آمنہ سے ہوئی، شادی کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۸ سال تھی، آپ نے ۲۸ سال کی عمر میں مقام ابواء میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ (۱)

.........................................

۱۔ چودہ ستارے، از مولانا نجم الحسن کراروی

## نذر پر روائی دلیل

سختیوں ،مصیبتوں اور بیماریوں میں پڑے ہوئے لوگ نذر کرتے ہیں اورمنت مانتے ہیں کہ اگر ان کی بیماری ٹھیک ہو جائے اور مشکلات آسان ، سختیوں سے نجات مل جائے تو وہ نیت کرتے ہیں کہ اتنے پیسے ائمہؑ میں سے کسی ایک کی ضریح مبارک میں ڈالیں گے یا بھیڑ یا بکرا ذبح کر کے زائرین ائمہؑ کو کھانا کھلائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ چیزیں تمام مسلمانوں کے درمیان آج بھی مکمل طور پر رائج ہیں بالخصوص اُن مراکز میں جہاں اللہ کے نیک بندوں اوراولیاء اللہ کے مزارات ہیں وہاں بہتر طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

وہابیوں کو یہ نذورات بُری لگتی ہیں اوران کو بڑا اعتراض ہے اوران باتوں کو وہابیوں کے درمیان پھیلانے والا اور دشمن اہل بیتؑ ابن تیمیہ اور عبداللہ قصیمی ہیں وہ اپنی کتاب ،الصراع، میں اس طرح لکھتے ہیں ''شیعہ الوہیت کے قائل ہیں اس بنا پر علیؑ اوران کی اولاد کو خدا مانتے ہوئے ان کی قبروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔اس طرح ان کے مزارات کو آباد کرتے ہیں اور دنیا کے کونے کونے سے ان کی قبور کی زیارت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں اوراپنی نذورات اورقربانیاں اپنے ائمہؑ کی قبور کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قربانی کے خون کو قبروں پر ڈالتے ہیں، پھر بیٹھ کر روتے پیٹتے اورآنسو بہاتے ہیں۔'' (۲)

۱۔آئین وہابیت ،ص ۳۲۷۔

۲۔کتاب الصراع ،جلد۱،ص ۵۴۔آئین وہابیت فارسی ،ص ۳۲۷۔

اس قسم کی بے شرمانہ اور گندی باتیں کرنے والا گستاخ ائمہؑ، عبداللہ قصیمی ہے۔ یہ کتاب اس ملعون نے، علامہ سید محسن امینؒ کی کتاب ''کشف الارتیاب'' کی ضد میں لکھی ہے اور اس کا نام "الصراع بين الاسلام والوثنية" رکھا یعنی اسلام اور بت پرستی کے درمیان جنگ اور لڑائی اس بد بخت نے شیعوں کو جن کی آبادی تمام مسلمانوں میں چوتھائی حصہ شمار ہوتی ہے بت پرست کہا ہے اور بدنام کیا ہے اور اس بے ادب نے بے ہودہ رسم کو شیعوں کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، جب کہ وہابیت کے بانی ابن تیمیہ نے اس مسئلے پر ''شعاع'' میں وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے اور اس کام کو مسلمانوں کے ساتھ قرار دیا ہے، وہ کہتا ہے: "مَنۡ نَذَرَ شَيۡئاً لِلنَّبِيِّ اَوۡغَيۡرِهٖ مِنَ النَّبِيِّيۡنَ وَالۡاَوۡلِيَاءِ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُبُوۡرِ اَوۡذَبِحَ ذَبِيۡحَةً كَانَ كَالۡمُشۡرِكِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَذۡبَحُوۡنَ لِاَوۡثَانِهِمۡ وَيَنۡذُرُوۡنَ لَهَا فَهُوَعَابِدٌ لِغَيۡرِ اللّٰهِ فَيَكُوۡنُ بِذَالِكَ كَافِراً"

(۱) ابن تیمیہ نے کہا: ''جس نے بھی کسی پیغمبر یا انبیاءؑ، اولیاء اللہ یا خدا کے دیگر نیک بندوں میں سے کسی کے لیے نذر یا قربانی کی، وہ مشرکین کے طرح ہیں جو اپنے بتوں کے لیے نذر اور ان کے لیے ذبیحہ ذبح کرتے تھے، پس وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے اسی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔''

استاد اور شاگرد دونوں نے مسئلے کے حکم ظاہری سے دھوکا کھایا ہے اور شبہ کیا ظاہری حکم نے دونوں کو ایک ہی ڈنڈے سے ہنکایا ہے، جب کہ مشترک اعمال میں میزان و ملاک ظاہری قضاوت سے نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ملاک و میزان باطنی اور

۱۔ فرقان القرآن، ص ۱۳۲، عزامی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے۔ الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب، جلد ۹، ص ۳۰۲، آئین وہابیت فارسی، ص ۳۲۸۔

قلبی نیت سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر عبادات کی ظاہری شکل قضاوت کے لیے کافی ہے تو فریضۂ حج کے اعمال کا طریقہ بھی بت پرستوں کی طرح ہے۔ مشرکین پتھر اور گیلی مٹی سے بنے ہوئے بت کے اردگرد گھومتے تھے اور لکڑی اور دھاتوں سے بنائے ہوئے اپنے بتوں کو بوسہ دیتے تھے، بالکل اسی طرح ہم مسلمان بھی فریضۂ حج انجام دیتے ہیں، خانہ کعبہ جو پتھر اور گیلی مٹی سے بنا ہوا ہے ہم اس کے اردگرد طواف کرتے ہیں، دیوار کعبہ، کعبے کا پردہ اور حجر اسود جو کالا پتھر ہے ان کا بوسہ لیتے ہیں اور منیٰ کے میدان میں اپنی قربانی پیش کرتے ہوئے خون بہاتے ہیں۔

قضاوت و انصاف اور ملاک ومعیار جو مشترک اعمال یا کاموں میں آشکار ہے، وہ محرک، اسباب، نیتوں اور مقاصد کے اعتبار سے ان اعمال میں خفیہ طور پر کارفرما ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ظاہر عمل کو دیکھ کر باطن پر حکم لگایا جائے کیوں کہ عمل کی ظاہری اور باطنی شکل ایک حکم میں نہیں آتی۔(۱)

"صلح اخوان" کے مؤلف نے اپنی کتاب میں یہ عبارت لکھی ہے۔ اس کے نقل کرنے سے شاید مسئلہ اور واضح ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْمَسْأَلَةَ تَدُورُ مَدَارَ نِيَّاتِ النَّاذِرِينَ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ فَاِنْ كَانَ قَصْدُ النَّاذِرِ الْمَيِّتَ نَفْسَهُ وَالتَّقَرُّبَ اِلَيْهِ بِذَالِكَ لَمْ يَجُزْ قَوْلًا وَاحِدًا وَاِنْ كَانَ قَصْداً وَجَهَ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَانْتِفَاعَ الْاَحْيَاءِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ وَلَوَابَهٗ لِذَالِكَ

۱۔ آئین وہابیت فارسی، ص۳۲۹۔

اَلْمَنْذُرُ لَہٗ الْمَیِّتِ فَیَجِبُ الْوَفَاءُ بِالنَّذْرِ" (۱) یہ سنّی دانشور خود وہابیوں کے عقائد پر کھنے والے ہیں۔ اس عبارت میں مسئلے کو نیتوں، اسباب کے معنیٰ میں لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں "اگر نذر کرنے کا مقصد میت کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو یہ جائز نہیں ہے اور اس بارے میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ نذر خدا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے اور اگر نذر خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہو اور اس کی وجہ سے کچھ لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور اس نذر کا ثواب اور ہدیہ میت کو پہنچانا مقصود ہو تو لوگوں کو اپنی نذر پر عمل کرنا لازم ہے اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔ (۲)

اس دانشور نے جو بات کہی ہے وہی سچ ہے، اور مسلمانوں کے درمیان نذر کا مقصد وہی ہے جو اس نے گفتگو کے دوسرے حصے میں بتایا ہے اور یہیں سے بت پرستوں کے عمل اور مسلمانوں کے عمل میں فرق آشکار ہو جاتا ہے۔ بت پرستوں کا حیوان ذبح کرنے اور ہدیہ پیش کرنے کا مقصد بت کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ذبیحہ کو اس بت کا نام لے کر ذبح کرتے تھے۔ اس کام میں بت کی خوشامد و تقرب کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا تھا، مگر مسلمانوں کا قربانی یا نذر کرنے کا مقصد اللہ کی خوشنودی کا حصول اور ثواب و ہدیہ کو میت تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگ اپنی نذروں میں اسم جلالہ "اللہ" کا نام ضرور لیتے ہیں۔ بلکہ یوں نیت کرتے ہیں کہ "لِلّٰہِ عَلَیَّ قُضِیَتْ حَاجَتِیْ اَنْ اَفْعَلَ کَذَا" حقیقت میں نذر سے خدا کا تقرب حاصل کرنا ہے اور اس کے ثواب کو صاحب قبر کو پہنچانا ہے اور فقراء

---

۱۔ صلح الاخوان، ص ۱۰۲، ۱۰۹، آئین وہابیت، ص ۳۲۹۔

۲۔ آئین وہابیت، ص ۳۲۹۔

ومساکین اور نادار لوگوں میں تقسیم کرنا یا کسی اور نیک کام میں خرچ کرنا ہے کیا اس عمل کو اس صورت میں شرک کہا جا سکتا ہے یا مشرکوں کے عمل جیسا قرار دیا جا سکتا ہے؟

خلاصہ یہ کہ اس قسم کی نذریں پیغمبروں اور ائمہؑ اور اللہ کے دیگر نیک بندوں کی جانب سے دیے جانے والے صدقات کی اقسام میں سے ایک صدقہ ہے اور اس کے ثواب اور ہدایا کو انہی صاحبان کو پہنچایا جاتا ہے۔ کسی بھی مسلمان دانشور نے مرنے والوں کی طرف سے صدقہ وخیرات دینے پر آج تک کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور نہ تاریخ میں ملتا ہے۔ اس لیے محترم پڑھنے والے ان وہابیوں کے دھوکے کو جان گئے ہیں، اب انہیں مزید مکروفریب نہیں دے سکتے۔

روایات میں اس مطلب پر بہت سے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ من جملہ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

ا۔ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب میں سے ایک صحابی جن کا نام سعد ہے، انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ، میری ماں اس دنیا سے گزر گئی ہے اگر وہ زندہ ہوتی تو صدقہ دے دیتی۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دے دوں تو کیا ان کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ رسول خداؐ نے فرمایا: ہاں! فائدہ پہنچے گا۔ سعد وقت اس نے پوچھا۔ کون سا صدقہ فائدہ مند ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی۔ سعد نے ایک کنواں پانی کا کھودا اور کہا "هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ" یہاں پر اس جملے میں جو (لام) استعمال ہوا ہے یہ اُس لام سے مختلف ہے جو "نَذَرْتُ لِلّٰهِ" میں استعمال ہوا ہے۔ (لام اوّل) انگیزہ وسبب کو بیان کرتا ہے اور (لام دوّم) نفع اور فائدے کے مورد کو بیان کرتا ہے۔ (۱)

۱۔ فرقان القرآن، ص ۱۳۳، الغدیر، جلد ۵، ص ۱۸۱/جلد ۹، ص ۳۰۳/آئین وہابیت فارسی، ۳۳۱

۲۔ رسول خداؐ کے زمانے میں ایک شخص نے بوانہ (جگہ) میں ایک اونٹ نذر کر کے نحر کردیا، جب پیغمبر اکرمؐ وہاں پہنچے اور واقعہ معلوم ہوا تو آپؐ نے اس شخص سے پوچھا۔ کیا یہاں پر دور جاہلیت میں کوئی بت ہوتا تھا کہ جس کی وہ پوجا کرتے تھے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: کیا یہاں اس جگہ جاہلیت کے زمانے میں ان کی کوئی عید یا تہوار ہوتا تھا؟ کہا نہیں، کوئی تہوار وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا: " اَوۡفِ بِنَذۡرِكَ فَاِنَّهُ لَاوَفَاءَ لِنَذۡرٍ فِيۡ مَعۡصِيَةِ اللّٰهِ وَلَافِيۡمَالَايَمۡلِكُ بۡنُ آدَمَ

"اپنی نذر کو عملی جامہ پہناؤ، کیوں کہ نذر میں دو چیزیں صحیح نہیں ہیں۔

(۱) گناہ اور اللہ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہوتی۔

(۲) جس چیز کا انسان مالک نہیں اس چیز میں نذر نہیں ہوتی۔ (۱)

۳۔ ایک عورت رسول اللہؐ کی خدمت میں آئی اور عرض مانی۔ یارسول اللہؐ میں نے نذر کیا ہے کہ دور جاہلیت میں جہاں قربانی کی جاتی تھی وہاں جانور ذبح کروں، آپؐ نے فرمایا: کیا بت کے لیے نذر کی ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا: اپنی نذر پر عمل کرو۔ (۲)

۴۔ حدیث میں آیا ہے کہ میمونہ کے باپ نے رسول خداؐ سے عرض کیا۔ میں نے نذر مانی ہے کہ پچاس گوسفند کو بوانہ (جگہ) میں ذبح کروں، آپؐ نے فرمایا: کیا وہاں کوئی بت ہے؟ کہا کہ نہیں، فرمایا: اپنی نذر پر عمل کرو۔ (۳)

۱۔ سنن ابی داؤد سجستانی، جلد۲، ص۸۰/ الغدیر، جلد۹، ص۳۰۴/ آئین وہابیت فارسی، ص۳۳۲۔

۲۔ سنن ابی داؤد سجستانی، جلد۲، ص۸۱/ الغدیر جلد۹، ص۳۰۴/ آئین وہابیت، ص۳۳۲۔

۳۔ معجم البلدان، جلد۲، ص۳۰۰/ الغدیر، جلد۹، ص۳۰۵/ آئین وہابیت، ص۳۳۲۔

رسول اللہؐ بتوں کے بارے میں چاہے وہ ماضی میں رہے ہوں یا ابھی ہوں یا بت کا وجود کسی زمانے میں رہا ہو اور یہ لوگ اجتماعی طور پر اس کے نام پر تہوار یا عید مناتے ہوں ان کے بارے میں سوال کرنا اس لیے ہے کہ ان حالات میں اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے تو وہ اس بت کی خوشنودی کے لیے ہے جو یہاں تھا، یا ہے۔ یہاں تک کہ اس ذبیحہ پر بت کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو ائمہؑ کے روضہ ہائے مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نذر خدا کے لیے ہے اور خدا کی خوشنودی کے حصول یا خود نذر کرنے والے مالی یا جانی فائدے کے لیے ہو، وہ ذبیحہ اللہ ہی کے نام پر ذبح ہوتا ہے۔ اور ہدیہ اور ثواب کو انبیاءؑ، اولیاء اللہ اور خدا کے نیک بندوں کے ارواح تک پہنچایا جاتا ہے اور نذر کی گوشت، صدقات اور خیرات سے، فقیروں، مسکینوں اور ناداروں کی مدد اور ان کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ اور عبداللہ قصیمی اور ان کے ماننے والے جاہل وگمراہ لوگوں کی باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ جاہل خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے دیگر مسلمانوں پر خصوصاً شیعہ مسلک پر الزام اور تہمت اور توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے گمراہ، جاہل واحمق لوگوں کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے: "أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ" یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، کیوں کہ یہ (بدبخت لوگ) اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔(۱)

..............................

۱۔ سورۂ محمدؐ، آیت ۱۶، الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب، جلد ۹، ص ۳۰۶ رصلح اخوان، ص ۱۰۹۔ آئین وہابیت، ص ۳۳۲۔

# فصل ہشتم

# چند مناظرے

# چند مناظرے

## (۱) وہابی عالم کا استدلال کے سامنے گھٹنے ٹیکنا:

ایک عالم دین فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں رسول خداؐ کی قبر مطہر کے پاس کھڑا تھا اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول خداؐ کی قبر کے اطراف میں موجود جالیوں اور دیوار کو بوسہ دے رہا ہے۔ امام جماعت جو کہ ایک وہابی عالم تھا، اس نے جب اس شخص کو دیکھا تو کہنے لگا کیوں لوہے اور پتھر کو انہیں بوسہ دے کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہو۔ جو کہ بے جان چیزیں ہیں؟ جب میں نے اس وہابی عالم کی فریاد سنی تو اس شخص کی نسبت میرا دل نرم پڑ گیا اور میں اس عالم کے پاس گیا اور کہا: ان جالیوں اور دیواروں کو بوسہ دینا رسول خداؐ سے ہماری محبت کے رشتوں کو عیاں کرتا ہے، جیسے ایک باپ کا اپنے بیٹے کو بوسہ دینا اس کی محبت کی علامت ہے اور یہ کسی قسم کا شرک نہیں۔

وہابی عالم: نہیں یہ شرک ہے

عالم: کیا تم نے سورہ مبارکہ یوسف کی آیت ۹۵ کی تلاوت کی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے:" فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيراً " "پھر (یوسف کی) خوشخبری دینے والا آیا اور ان کے کرتے کو ان کے چہرے پر ڈال دیا تو یعقوب فوراً پھر دوبارہ آنکھ والے ہو گئے۔" آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ یہ کرتا، کپڑے کا تھا، کیا ہوا کہ اس کپڑے سے یعقوبؑ کی بینائی واپس آگئی؟ کیا اس کے سوا کچھ اور ہے کہ کپڑا جناب یوسفؑ کی مجاورت وقرب کی وجہ سے اس خصوصیت کا مالک بن گیا تھا؟ وہابی عالم: اس سوال کے سامنے، لاجواب ہو گیا۔ اسی طرح سورہ

یوسف کی آیت نمبر۹۴ میں ذکر ہوا'' اور جونہی قافلہ مصر سے چلا تھا کہ ان لوگوں کے والد (یعقوبؑ جو کنعان میں مصر سے تقریباً ۸۰ فرسخ کے فاصلہ پر تھے) نے کہلایا تھا "انی لاجد ریح یوسف" ''مجھے یوسف کی خوشبو معلوم ہو رہی ہے'' پس اولیائے الٰہی جو معنوی برکات کے مالک ہیں، ان نہ دکھائی دینے والی معنوی برکات سے بہرہ مند ہونا نہ صرف شرک نہیں ہے کہ بلکہ یہ عین حقیقی توحید ہے، کیونکہ یہ برکات خالص وناب توحیدی عقیدے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ مزید وضاحت: ہم اولیائے خدا کی قبروں پر حاضر ہو کر ایک تو ان حضرات کے ساتھ ایک عاطفی وقلبی تعلق جوڑ لیتے ہیں اور پھر بارگاہ رب العزت میں انہیں وسیلہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ ہم اپنے کو دیکھتے ہیں کہ پروردگار عالم سے غیر مستقیم رابطہ برقرار رکھنے کے قابل نہیں ہیں، لہٰذا ان حضرات کو واسطہ بناتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ "قَالُوا یَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ" (۱) ''ان لوگوں نے عرض کی، اے ابا ہمارے گناہوں کی مغفرت کی (خدا کی بارگاہ میں) ہمارے واسطے دعا مانگیے ، ہم سرتاپا گنہگار ہیں۔'' لہٰذا اولیائے پروردگار کے ذریعے توسّل کرنا جائز ہے۔ وہ لوگ جو اس عمل کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے توحید کے منافی جانتے ہیں وہ قرآن سے واقفیت نہیں رکھتے اور بے جا تعصب کی بنا پر اس عمل کی مخالفت کرتے ہیں ۔ روایت میں ملتا ہے کہ منصور دوانیقی (عباسی سلسلے کا دوسرا خلیفہ) نے مفتی اعظم مالک بن انس (مالکی مذہب کے امام) سے پوچھا رسول خداؐ کے حرم مطہر میں قبلے

۱۔ سورۂ یوسف، آیت ۹۷۔

کی جانب رخ کرکے دعا مانگیں یا رسول خداؐ کی قبر کی جانب؟ مالک نے جواب دیتے ہوئے کہا: "لِمَ تَصۡرِفُ وَجۡهَكَ عَنۡهُ وَهُوَ وَسِيۡلَتُكَ وَوَسِيۡلَةُ اَبِيۡكَ آدَمَ اِلَى اللّٰهِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ بَلِ اسۡتَقۡبِلۡهُ وَاسۡتَشۡفِعۡ بِهٖ فَيُشَفِّعَكَ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:" وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡاۤ اَنۡفُسَهُمۡ جَآؤُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا" (۱) کیوں اپنا چہرہ رسول خداؐ کی جانب سے پھیر رہے ہو، وہ قیامت کے دن تمھارا اور تمھارے باپ آدمؑ کا وسیلہ ہیں، ان کی جانب منہ کرو اور انہیں اپنا شفاعت کرنے والا قرار دو، پروردگار ان کی شفاعت قبول کرتا ہے اور فرماتا ہے "اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے (نافرمانی کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ (تم) بھی ان کی مغفرت چاہتے، بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ کرنے والا مہربان پاتے" (۲)

اہل سنت اور اہل تشیع سے نقل شدہ روایتوں میں ملتا ہے کہ جناب آدمؑ نے توبہ کے وقت رسول خداؐ کو بارگاہ رب العزت میں وسیلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اَسۡئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرۡتَ لِيۡ" (۳) "پروردگار تجھے محمدؐ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے" اس مطلب کو مزید واضح کرنے کے لیے کہ اولیائے پروردگار کی قبروں کو بوسہ دینا اور ان کے ذریعے توسّل کرنا شرک نہیں۔ اہلسنت کی

..... .................... ........

۱۔ سورۂ نسا، آیت ۶۴۔ ۲۔ وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۱۳۷۴۔ الدرر السنیہ ذینی دحلان، ص ۱۰۔

۳۔ الدّر المنثور، ج ۱، ص ۵۹۔ مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۶۱۵۔ مجمع البیان، ج ۱، ص ۸۹۔

کتابوں سے ان تین احادیث پر توجہ کریں:

(۱) ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے اللہ کے نبیؐ! میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازے پر حورالعین کی پیشانی کا بوسہ لوں گا، اب کیا کروں؟ رسول خداؐ نے فرمایا: اپنی ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کا بوسہ لو (یعنی اگر ایسا کروگے تو اپنی آرزو تک پہنچ جاؤ گے اور جنت میں داخل ہوتے وقت حورالعین کی پیشانی کا بوسہ لے سکو گے) سوال کرنے والے نے پوچھا: اگر میرے ماں باپ قید حیات میں نہ ہوں تو کیا کروں؟ رسول خداؐ نے فرمایا: ان کی قبروں کو بوسہ دو۔(۱)

(۲) جب جناب ابراہیم خلیلؑ اپنے فرزند جناب اسمٰعیلؑ کی زیارت کی غرض سے شام سے مکہ تشریف لائے تو جناب اسمٰعیلؑ اپنے گھر موجود نہ تھے، حضرت ابراہیمؑ شام کی جانب لوٹ گئے، جب جناب اسمٰعیلؑ اپنے سفر سے گھر لوٹے تو آپ کی زوجہ نے جناب ابراہیمؑ کے آنے کی خبر دی۔ اسمٰعیلؑ نے اپنے بابا کے قدموں کے نشانوں کو ڈھونڈا اور باپ کے احترام کی خاطر ان کے پاون کی جگہ کو بوسہ دیا(۲)

(۳) سفیان ثوری (ایک صوفی جس کا تعلق اہلسنت سے ہے) امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: لوگ کیوں خانہ کعبہ کے پردہ کو پکڑتے ہیں جبکہ یہ پردہ ایک پرانا کپڑا ہے جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ملتا۔

۱۔ الاعلام قطب الدین حنفی، ص ۲۴۔ ۲۔ الاعام قطب الدین حنفی، ص ۲۴۔

امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا: یہ کام ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی نسبت گناہ کا ارتکاب کردے (مثال کے طور پر اس کا حق ضایع کردے) اور پھر اس کا دامن پکڑ کر اس شخص کے گرد چکر لگائے کہ شاید وہ اسے معاف کردے۔(۱)

## (۲) آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد عبداللہ شیرازیؒ کا مناظرہ:

آیت اللہ العظمیٰ سیّد عبداللہ شیرازی ''اپنی کتاب ''الاحتجاجات العشرۃ'' کے چھٹے احتجاج میں یوں فرماتے ہیں: ایک دن روضہ رسولؐ کی زیارت کو گیا دیکھا کہ ایک طالب علم ضریح پاک کی زیارت کو جارہا ہے اور امر بالمعروف کمیٹی کے کارندے کی نسبت جو کہ وہاں کھڑا ہوا ہے غافل ہے۔ اس نے چند مرتبہ ضریح پاک کا بوسہ لیا۔ اس کارندے نے جب یہ دیکھا تو بہت غضبناک ہوا۔ اور جب اس نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آیا اور احترام کے ساتھ مجھ سے کہنے لگا: آپ اپنے ماننے والوں کو ضریح پر بوسہ دینے سے کیوں نہیں روکتے، یہ اس چیز کو چومتے ہیں جو لوہے کی ہے اور اسے استنبول سے لایا گیا ہے۔ آپ انہیں شرک کرنے سے روکیں۔

آیت اللہ شیرازیؒ: میں نے کہا: تم خانہ خدا میں حجر اسود پر بوسہ دیتے ہو؟

کارندہ: ہاں!

آیت اللہ شیرازیؒ: رسول خداؐ کی قبر پر بھی پتھر ہے اگر اس کا چومنا شرک ہو تو حجر اسود کا چومنا بھی شرک ہوگا؟

کارندہ: حجر اسود کو رسول خداؐ نے بوسہ دیا ہے۔

..... . ....... ....... ... .. ....

۱۔ انوار البهیہ، شرح حال امام صادقؑ، از کتاب صد و یک مناظرۂ جالب و خواندنی، ص ۱۷۵ تا ۱۸۰

آیت اللہ شیرازیؒ: اگر کسی چیز کا تبرک و برکت کے طور پر بوسہ لینا شرک ہو تو پیغمبرؐ و غیر پیغمبرؑ میں کوئی فرق نہیں۔

کارندہ: رسول خداؐ نے حجر اسود کو اس لیے بوسہ دیا کہ وہ جنت سے لایا گیا۔

آیت اللہ شیرازیؒ: ہاں حجر اسود جنت سے لایا گیا تو یہ صاحب شرافت واحترام ہوگیا اور رسول خداؐ نے اس کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ اسے بوسہ دو کیونکہ یہ جنت کا جز ہے۔

کارندہ: ہاں یہی وجہ ہے۔

آیت اللہ شیرازیؒ: اس پتھر کی شرافت اور اس کا احترام جنت کے جز ہونے کی بنا پر نہیں، بلکہ رسول خداؐ کی خاطر ہے۔

کارندہ: ہاں!

آیت اللہ شیرازیؒ: جب جنت اور اس کے جز رسول خداؐ کے وجود مبارک کی وجہ سے صاحب احترام ہو جاتے ہیں اور تبرک اور برکت کی خاطر ان کا بوسہ دینا جائز ہو جاتا ہے تو یہ لوہا (ضریح جو رسول خداؐ کی قبر کے اطراف میں ہے) اگرچہ استنبول (ترکی کا ایک شہر ہے) سے لایا گیا ہو رسول خداؐ کی قبر مطہر سے مجاورت اور قرابت کی وجہ سے صاحب احترام ہوگئی ہے لہٰذا تبرک اور برکت کی غرض سے اسے چومنا جائز ہے۔

اپنی بات اور واضح کرنے کے لیے عرض کروں، کیا قرآن مجید کی چمڑے کی بنی ہوئی جلد حیوانوں کے اجزاء کی ہے۔ جب وہ قرآن مجید کی جلد سے پہلے

حیوان کے بدن کا جز تھی تو نہ کسی قسم کے احترام کی حامل تھی اور نہ ہی اسے نجس کرنا حرام تھا۔لیکن جب وہ قرآن مجید کا جز بن گئی تو اب اس کی بے حرمتی حرام، بلکہ اب اسے بوسہ دیتے ہیں اوراس سے اپنے آپ کو متبرک کرتے ہیں،اور یہ عمل رسول خدا ؐ کے زمانے سے آج تک جاری وساری ہے۔ جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کا بوسہ لیتا ہے،کبھی کوئی اس عمل کو شرک وحرام نہیں کہتا۔رسول خداؐ،آئمہ معصومینؑ اوراولیائے خدا ؑ کی ضریح پاک کو چومنا بھی کسی طرح بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی (۱)

## (۳) آیت اللہ صدرؒ کا توسّل پر مناظرہ:

ڈاکٹر تیجانی جو کہ ایک سنی و مذہب مالکی کے پیروکار تھے۔تیونس سے نجف اشرف تشریف لائے اور اپنے دوست کے ذریعے آیت اللہ العظمٰی سید محمد باقر صدرؒ کی خدمت میں ایک علمی مناظرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

سعودی علماء کا کہنا ہے کہ قبر پر ہاتھ پھیرنا،صالح افراد کے ذریعے توسّل کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا شرک ہے؟ آپ کی نظر ان موارد میں کیا ہے؟

آیت اللہ سید محمد باقر صدرؒ: جب بھی قبر پر ہاتھ پھیرنا یا صاحب قبر سے توسّل کرنا اس نیت سے ہو کہ یہ حضرات مستقلاً (خدا کے اذن کے بغیر) کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ کام شرک ہے،لیکن ہر توحید پرست مسلمان یہ جانتا ہے کہ فقط وفقط پروردگار عالم نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔اولیائے الٰہی وسیلے ہیں۔لہٰذا اس نیت سے انہیں واسطہ اور وسیلہ قرار دینا ہر گز شرک نہیں۔

۱۔صد ویک مناظرہ جالب وخواندنی،ص۱۸۰۔

تمام مسلمان رسول خداؐ کے زمانے سے آج تک اس بات پر متفق ہیں سوائے وہابیوں کے جو کہ اس صدی کی پیداوار ہیں اور اجماع مسلمین کے برخلاف عمل کرتے ہیں اور مسلمانوں کا خون بہانے کو مباح سمجھتے ہیں اور ان کے درمیان فتنہ انگیزی کرتے اور قبر پر ہاتھ پھیرنے اور ان حضرات سے توسّل کرنے کو شرک سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا:

عالم بزرگوار علامہ سید شرف الدین صاحب کتاب المراجعات، عبدالعزیز سعودی کے زمانۂ حکومت میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے گئے۔ عید قربان کے دن تمام علماء کو بادشاہ کے محل میں دعوت دی گئی تا کہ معمول کے مطابق عید قربان کے دن بادشاہ کو مبارکباد دیں۔ علامہ بھی محل میں گئے اور جب علامہ کی باری آئی کہ وہ مبارک باد پیش کریں تو آپ نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو ہدیہ دیا۔ وہ ہدیہ ایک قرآن کی صورت میں تھا جس کی جلد چمڑے کی کھال سے بنی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے ہدیہ لیا اور فوراً اسے بوسہ دیا اور تعظیم واحترام کی غرض سے اسے اپنی پیشانی پر رکھا۔

سید شرف الدین نے (مناسب فرصت جانتے ہوئے) فرمایا: بادشاہ نے اس جلد کو کیوں بوسہ دیا اور اس کی تعظیم کی جبکہ یہ ایک بکرے کی کھال کی بنی ہوئی ہے۔

بادشاہ نے کہا: جلد کو بوسہ دینے سے میری مراد وہ قرآن تھا جو اس جلد کے اندر ہے۔

علامہ نے فوراً فرمایا: اَحسَنتَ اے بادشاہ! ہم شیعہ بھی جب رسول خداؐ کے کمرے کے دروازے یا جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں، تو یہ جانتے ہیں کہ یہ لوہے کی سلاخیں کچھ نہیں کرتیں، ہماری غرض بھی وہ ہوتے ہے جو ان جالیوں کے پیچھے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ رسول خداؐ کی تعظیم اور ان کا احترام کریں، جس طرح سے آپ نے اس کھال

کا بوسہ دیا اور اس سے غرض قرآن کی تعظیم کرنی تھی۔

مجلس میں موجود افراد نے تکبیر کی صدائیں بلند کیں اور علامہ کی تائید کی۔اس وقت ملک عبدالعزیز مجبور ہوا اور اس نے حاجیوں کو آثار رسول خداؐ سے تبرک حاصل کرنے کی اجازت دی لیکن اس کے بعد آنے والے بادشاہ نے اس عمل کو ممنوع قرار دیا۔لہٰذا اس عمل میں کسی قسم کا شرک نہیں پایا جاتا، وہابی اس موضوع کو پیش کرتے ہیں اور اپنی اسی سیاست کی بنا پر مسلمانوں کے قتل عام کو مباح قرار دیتے ہیں تا کہ اپنی حکومت کو باقی رکھ سکیں اور تاریخ گواہ ہے کہ وہابیوں نے امت محمدیہؐ پر کیا ظلم ڈھائے ہیں۔(۱)

## (۴) بلند آواز میں رسول خداؐ کی قبر مطہر پر زیارت پڑھنا:

ایک شیعہ عالم دین فرماتے ہیں: میں تقریباً پچاس افراد کے ہمراہ مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور ہم رسول خداؐ کی قبر مطہر کے قریب گئے اور زیارت پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔مسجد نبویؐ کے انچارج ''شیخ عبداللہ بن صالح'' میرے قریب آئے اور اعتراض آمیز انداز میں مجھ سے کہا:''اپنی آوازوں کو رسول خداؐ کے حضور میں اونچی نہ کرو۔''

شیعہ عالم دین: اس میں کیا اعتراض ہے؟

انچارج: پروردگار عالم قرآن مجید کی سورۂ مبارکہ حجرات میں فرماتا ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

---

۱۔ کتاب آنگاہ ہدایت شدم، ص۹۲،۹۳۔ از صد و یک مناظرۂ جالب وخواندنی، ص۲۴۷ تا ۲۵۰

تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ(۱)

''اے ایمان دارو! (بولنے میں) تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولا کرتے ہو، ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہوجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

شیعہ عالم دین: جعفر بن محمدؑ (امام صادقؑ) اسی جگہ پر چار ہزار شاگردوں کے ہمراہ تھے اور درس و تدریس کرتے وقت اپنی آواز شاگردوں تک پہنچاتے تھے، کیا حرام عمل انجام دیتے تھے؟ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اسی مسجد میں بلند آواز سے خطبہ پڑھتے اور مکبّر (تکبیر کہنے والے) تکبیر کہتے، کیا حرام عمل انجام دیتے تھے؟ اب بھی یہاں کا خطیب بلند آواز میں اور مکبّر اونچی آواز میں تکبیر کہتے ہیں، کیا یہ قرآن کے برخلاف عمل انجام دیتے ہیں؟ کیونکہ قرآن فرماتا ہے: اے مومنو! ''لا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ۔۔۔۔۔'' اپنی آوازوں کو رسول خداؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو''۔

انچارج: تو آیت کیا کہنا چاہتی ہے؟

شیعہ عالم دین: آیت سے مراد بے فائدہ، بے مورد اور ادب کی رعایت نہ کرتے ہوئے رسول خداؐ کے محضر مبارک میں صدا بلند کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کی شان نزول میں روایت ملتی ہے کہ ''بنی تمیم'' سے تعلق رکھنے والے افراد کا

۱۔ سورۂ حجرات، آیت ۲۔

ایک گروہ، مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا اور رسول خداؐ کے گھر کی پشت سے اونچی آواز میں فریاد کرنے لگا "یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا" (۱) ''اے محمدؐ ہمارے پاس آؤ'' دوسری بات یہ کہ ہم انتہائی ادب و تواضع کے ساتھ زیارت پڑھتے ہیں۔ جب کہ آیت کریمہ پر غور و فکر میں وقت کرنے سے یہ سمجھ آتا ہے کہ جو لوگ اونچی آواز اور قصد توہین رکھتے ہیں یا ان کی آواز کی ادائیگی کا انداز توہین آمیز ہو اس آیت کا مصداق ہوں گے، کیونکہ مذکورہ آیت میں ''حبط اعمال'' (اعمال کی نابودی) کا ذکر ہوا ہے، اس طرح کی سزا کافر اور کسی بڑی توہین کے باعث ہوگی نہ کہ ہمارے اس عمل سے جو کہ کمال ادب کے ساتھ ہے، اگرچہ آواز کچھ بلند ہے۔ اسی بنا پر روایت میں ملتا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ''ثابت بن قیس'' (پیغمبرؐ کا خطیب) جو کہ صاحب آواز بلند و رساء تھا، کہتا ہے ''یہ میں تھا جس کی آواز رسول خداؐ کی آواز پر بلند ہوئی، آیت سے میں مراد ہوں'' وائے ہو مجھ پر میرے سب نیک اعمال حبط و نابود ہو گئے!!

جب یہ بات رسول خداؐ نے سنی: تو آپؐ نے فرمایا: ''ایسا نہیں، وہ (ثابت بن قیس) اہل جنت ہے'' (کیونکہ وہ اپنے وظیفے کی انجام دہی میں تھا نہ کہ توہین کرنے کی غرض سے اس کی آواز اونچی ہوئی) (۲) حرم نبوی کا انچارج خاموش ہو گیا اور پھر اس نے کچھ نہ کہا۔ (۳)

سنبل سکینہ

۱۔ تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۶۱۲۱۔ صحیح بخاری، ج ۶، ص ۱۷۲۔ حیدر آباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-۰۱

۲۔ مجمع البیان، ج ۹، ص ۱۳۔ تفسیر ظلال القرآن، مراغی آیت مذکور کے ذیل میں فرماتے ہیں

۳۔ صد و یک مناظرہ جالب و خواندنی، ص ۲۸۲۔

## (۵) قبور کے پاس بیٹھنے پر مناظرہ:

مدینۂ منورہ میں واقع امر بالمعروف ونہی عن المنکر کمیٹی کے انچارج نے ایک شیعہ عالم پر شدت سے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

انچارج: آپ کیوں قبروں کے کنارے بیٹھتے ہیں؟ جب کہ یہ کام حرام ہے۔

شیعہ عالم: اگر قبور کے نزدیک بیٹھنا حرام ہے تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ مسجد الحرام میں ''حجرۂ اسماعیلؑ'' کے قریب بیٹھنا کیونکہ اس میں کچھ انبیاء، جناب اسماعیلؑ اور جناب ہاجرہ دفن ہیں، حرام ہوگا۔ جبکہ کسی ایک عالم نے اس قسم کا فتویٰ نہیں دیا۔ جبکہ ہمارے پاس بے شمار حدیثیں موجود ہیں جن کی روشنی میں قبور کے نزدیک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کہ تمہارے عقیدے کے مطابق قرآن کی طرح معتبر کتاب ہے۔ اس میں امام علیؑ سے روایت نقل ہوئی کہ آپؑ نے فرمایا: ہم بقیع (قبرستان جنت البقیع) میں بیٹھے تھے، رسول خداؐ ہمارے پاس آئے اور تشریف فرما ہوئے۔ ہم بھی ان کے اطراف میں بیٹھ گئے، آپؐ نے قبر کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا: ''ہر انسان دو گھروں میں سے ایک گھر رکھتا ہے، ایک گھر بہشت (جنت) اور ایک گھر دوزخ میں'' (۱) اس روایت کے مطابق رسول خداؐ قبروں کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور کسی کو وہاں بیٹھنے سے منع نہیں کیا (۲)

---

۱۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۳۰، طبع الشعب، ۱۳۷۸ھ۔

۲۔ صد و یک مناظرۂ جالب وخواندنی، ص ۳۰۴۔ مناظرات فی الحرمین الشریفین، مناظرہ سیزدہم۔

## (۶) قبروں کوزمیں بوس کرنا:

ہم مدینے میں تھے جب وہاں امام حسن مجتبیٰؑ، امام سجادؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ وغیرہ کی قبور پاک کو زمین کے ہم سطح دیکھا، جبکہ یہ مقبروں میں واقع تھیں، لیکن وہابیوں نے شرک اور حرام کا بہانہ کر کے ۱۳۴۴ھ ق میں ایک حکم کے ذریعے مقبروں کو تباہ کر دیا، اس سلسلے میں ایک شیعہ کا ایک وہابی عالم سے مناظرہ ہوا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

شیعہ عالم: آپ کیوں ان مقبروں کو ویران کرتے ہیں اور کیوں ان کی توہین اور بے احترامی کرتے ہیں؟

وہابی: آپ حضرت علیؑ کو مانتے ہیں؟

شیعہ عالم: یقیناً، وہ ہمارے پہلے امام ہیں، رسول خداؐ کے بلافصل خلیفہ ہیں

وہابی: ہماری معتبر کتابوں(۱) میں یوں نقل ہوا ہے:

"حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بِنْ يَحْيىٰ، وَاَبُوْبَكْرِاَبِيْ شَيْبَهِ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: يَحْيىٰ اَخْبَرَنَا، وَقَالَ الآخَرَانِ، حَدَّثَنَا وَكِيْعُ عَنْ سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْ الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيْ قَالَ لِيْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍؑ: اَلَا اَبْعَثُكَ عَلىٰ مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ"

تین افراد جن کے نام یحییٰ، ابوبکر و زہیر ہیں، نقل کرتے ہیں کہ وکیع نے سفیان اور سفیان نے حبیب اور حبیب نے ابی وائل سے اور اس نے ابی الھیاج اسدی سے

۱۔ صحیح مسلم، ج ۳، ص ۶۱۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۵۶۔ سنن نسائی، ج ۴، ص ۸۸۔

نقل کیا کہ حضرت علیؑ نے ابی الھیاج سے فرمایا: ''آیا میں تجھے اس کام پر مامور کروں جس پر رسول خداؐ نے مجھے مامور کیا تھا، مجسمہ سے مت گزرنا مگر اسے نابود کردینا، اونچی قبر سے مت گزرنا مگر اسے زمین کے مساوی کر دینا۔

**شیعہ عالم:** یہ حدیث سند اور دلالت، دونوں جہات سے خدشہ دار واقع ہوئی ہے۔ سند کے اعتبار سے اس حدیث میں، ۱۔ وکیع، ۲۔ سفیان، ۳۔ حبیب بن ابی ثابت، ۴۔ ابی وائل جیسے افراد موجود ہیں، جنہیں علم حدیث کے ماہر افراد صاحب اطمینان نہیں جانتے۔ مثال کے طور پر وکیع: کے بارے میں احمد بن حنبل سے نقل ہوا ہے کہ: یہ شخص حدیثوں میں غلطی کا مرتکب ہوا ہے (۱) سفیان ثوری: کے بارے میں ابن مبارک سے نقل ہوا ہے ''سفیان جب حدیث نقل کرتا تو اس میں تدلیس کرتا تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو شرمندہ ہوا۔ (۲)

**تدلیس:** اصطلاح محدثین میں اسناد حدیث میں بجائے اپنے استاد کے نام کے اس کے استاد کا نام لینا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اسی سے سنا ہے۔

حبیب بن ابی ثابت: کے لیے ابو حیان سے نقل ہوا کہ وہ حدیث میں تدلیس کرتا ہے (۳) اور ابی وائل: کے بارے میں کہتے ہیں: وہ ناصبی اور حضرت علیؑ کے دشمنوں میں سے تھا۔ () یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اہل سنت کی صحاح ستہ میں ''ابوالھیاج'' سے صرف یہی ایک حدیث نقل ہوئی ہے، اور یہی مطلب اس بات پر گواہ ہے کہ وہ صاحبان حدیث یعنی حدیث روایت کرنے والوں اور قابل اعتماد افراد میں

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۵۔ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۱۱۵۔
۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۱۷۹ ۴۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۹ ص ۹۹۔

سے نہیں تھا۔ لہٰذا مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے قابل اعتماد شمار نہیں کی جاسکتی۔
دلالت اور مفہوم کے اعتبار سے: ''کلمہ مشرف'' جو مذکورہ حدیث میں نقل ہوا لغت میں اس سے مراد ایسا مکان جو دوسرے مکان کی نسبت بلند اور اس پر مشرف ہو، لہٰذا اس سے مراد ہر طرح کی اونچائی نہیں ہے۔

**کلمہ ''تسویہ'':** سے مراد برابر کرنے کے ہیں یعنی غیر متوازن چیز کو متوازن کرنا، ان کلمات کے معنیٰ دیکھتے ہوئے حدیث سے مراد یہ نہیں کہ ہر اونچی قبر کو ویران کردیا جائے۔ اور جب کہ قبر کا زمین کے مساوی ہونا، سنت اسلامی کے خلاف ہے کیونکہ تمام فقہائے اسلامی نے قبر کو ایک بالشت اونچی رکھنے پر فتویٰ دیا ہے۔(۱) کلمہ ''تسویہ'' کے ایک اور معنیٰ بھی ذکر ہوا ہے یعنی یہ کہ قبر کے اوپری حصے کو سطح قرار دینا یہ کہ اسے مچھلی کی پشت یا اونٹ کے کوہان کی طرح بنایا جائے۔ جیسا کہ اہلسنت کے بزرگ علماء، جیسے مسلم نے اپنی کتاب صحیح، ترمذی اور نسائی نے اپنی سنن میں اسی معنیٰ کو اختیار کیا ہے

**نتیجہ:** ان تین احتمالات (۱۔ قبر کو نابود کرنا، ۲۔ قبر کو زمین کے برابر کرنا، ۳۔ قبر کی سطح کو اوپر سے مساوی کرنا) میں پہلا اور دوسرا احتمال غلط ہے۔ جب کہ تیسرا احتمال صحیح ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا حدیث دلالت کے اعتبار سے بھی اس مدّعا پر دلالت نہیں کرتی۔ اپنی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے عرض کریں کہ اگر امام علیؑ قبروں پر بنائی ہوئی عمارت کو نابود کرنا ضروری سمجھتے تھے تو آپ نے اپنی خلافت کے زمانے

۱۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص ۴۲۰۔

میں ایسا کیوں نہیں کیا؟(۱)۔

آج وہابی اگر مقبروں کو نابود کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس عظیم و باشکوہ مقبرے کو جو رسول خداؐ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر کی قبروں پر موجود ہے ویران و نابود کیوں نہیں کرتے؟

وہابی: رسول خداؐ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی قبور پر بنے ہوئے مقبرے کو اس لیے نابود نہیں کرتے کہ اس کے اور نمازیوں کے درمیان ایک دیوار ہے، تا کہ نمازی ان قبروں کو اپنا قبلہ نہ بنائیں اور ان کی جانب سجدہ نہ کریں۔

شیعہ عالم: یہ کام تو ایک دیوار کے ذریعے ممکن تھا، اس کے لیے اتنے عظیم سبز گنبد اور میناروں کی کیا ضرورت تھی؟

وہابی: میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں، کیا ہمارے پاس قرآن سے کوئی دلیل ہے کہ ہم اولیائے خدا کی قبروں پر عظیم الشان حرم تعمیر کریں؟

شیعہ عالم: پہلی بات تو یہ کہ ضروری نہیں کہ ہر چیز، حتیٰ کہ مستحب عمل کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید کا حجم موجودہ صورت سے کہیں زیادہ ہو جاتا۔ دوسری بات یہ کہ قرآن مجید میں اس موضوع پر مختلف اشارہ ملتے ہیں۔ جیسے سورہ مبارکہ حج کی آیت نمبر ۳۲ میں یہ فرمایا: "ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ" (۲) "اور خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی تو کچھ شک نہیں کہ یہ بھی دلوں کی پرہیز گاری سے حاصل ہوتی ہے۔ کلمہ

۱۔ صد و یک مناظرہ جالب و خواندنی، ص ۳۵۲۔ ۲۔ سورہ حج، آیت ۳۲۔

''شعائر'' ''شعیرہ'' کی جمع ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں۔اس آیت میں نشانی سے مراد، پروردگار عالم کا وجود نہیں ہے کیونکہ سارا کا سارا جہاں اس کی نشانی ہے بلکہ اس آیت میں دین خدا کی نشانیاں مراد ہیں(۱) ہروہ چیز جو دین پروردگار کی نشانی ہو اس کا احترام تقرب پروردگار کا باعث بنتا ہے۔اب ایسے میں انبیاء آئمہ اوراولیائے الٰہی علیہم السلام جولوگوں کو خدا کی جانب دعوت دیتے تھے،ان کی قبریں دین خدا کی نشانی بن جائیں گی۔ایسی صورت میں ہم اگران کی قبروں کواونچا کر کے تعمیر کریں اوراس پر بنی ہوئی عمارت یعنی مقبرے کوزینت دیں کیونکہ یہ دین خدا کی نشانی ہیں تو ایسے میں قرآن مجید کی روشنی میں یہ عمل کہ جسے ہم نے انجام دیا محبوب پروردگار واقع ہوگا۔

قرآن حکیم میں ایک اورجگہ ارشاد ہورہا ہے۔''قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى''(۲)اس آیت میں رسول خداؐ کے اقرباء سے مودّت کرنے کو اجر رسالت کے طور پر بیان کیا۔تو کیا ان سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کی غرض سے ان کی قبروں کی صفائی ستھرائی ان کو زینت دینا خلاف شرع کام ہوگا؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔مثال کے طور پر،اگر قرآن مجید کی جلد کو غیر مناسب جگہ پر رکھ دیا جائے تو یہ قرآن کی توہین نہیں؟ اوراگر فرض کرلیا جائے کہ توہین نہ ہو،اگراس قرآن کو بہترین غلاف میں اعلیٰ مقام پر گرد وغبار سے دور رکھا جائے تو بہتر نہیں ہے؟!

.........................................

۱۔مجمع البیان، ج ۴،ص ۸۳،معالم دین اللہ۔

۲۔سورہ شوریٰ،آیت ۲۳۔

وہابی: یہ جو بات فرمارہے ہیں، یہ صرف عام کی نگاہ میں مورد پسند ہے لیکن قرآن مجید میں صراحت کی ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ملتی۔

شیعہ عالم: قرآن مجید میں اصحاب کہف کے بارے میں یوں ارشاد ہوا: جب ان لوگوں نے غار میں پناہ لی اور اسی غار میں ایک طویل نیند میں چلے گئے، لوگوں نے اس مقام کو ڈھونڈا اور اس غار کے قریب آئے اور اس مسئلہ پر اختلاف کرنے لگے کہ اس غار کا کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا: "اَبْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَاناً" (اس پر) کوئی عمارت بنادو۔ لیکن کچھ لوگ جو ان کے راز سے مطلع ہو چکے تھے انہوں نے کہا: "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِداً" (۱) ہم تو ان کے غار پر ایک مسجد بنائیں گے۔ قرآن مجید نے بغیر کسی تنقید کے دونوں رائے نقل کیں، اگر یہ دونوں آرا ان میں سے کوئی ایک بھی غلط وحرام ہوتی تو قرآن مجید یقیناً اس کی مخالفت کرتا۔ یہ دونوں آرا اولیائے الٰہی کی قبروں کا احترام بیان کرتی ہیں۔ بہر حال یہ مذکورہ تین آیتیں (آیت تعظیم شعائر، آیت مودّت، اصحاب کہف کی آیت) اولیائے الٰہی کی قبروں کے باعظمت و پُرشکوہ ہونے کو جائز بلکہ استحباب کو بیان کرتی ہیں۔ (۲)

## (۷) اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: جب شیعہ یارسول اللہؐ۔ یا علیؑ مدد اور اسی طرح کے کلمات ادا کرتے ہیں تو وہابی اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو پکارنا جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں شرک ہے۔ صرف اور صرف یا اللہ کہنا صحیح ہے۔

---

۱۔ سورۂ کہف، آیت ۲۱۔ ۲۔ صد ویک مناظرۂ جالب وخواندنی، ص ۳۵۲۔

جواب: اس اعتراض کی جڑ ابن تیمیہ اور بن باز ہیں جو کہتے ہیں: مُردوں کو پکارنا کفروشرک ہے۔" دعاء الاموات۔۔ من الشرك بالله والكفربه" (۱)

اس سوال کے جواب میں چند نکات پر توجہ کریں:

نکتہ اوّل: انسان کے مسلمان ہونے کا معیار کلمہ شہادتین کہنا ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی زبان سے کلمہ شہادتیں کا اظہار کرے تو وہ مسلمان ہے۔اس کی جان، اور مال کا احترام ضروری ہوجاتا ہے، اور وہ شخص اس طرح کی باتوں سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر بن الخطاب سے منقول ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ :"اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ "فَمَنْ قَالَ:"لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ "عَصَمَ مِنِّىْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابِهٖ عَلَى اللّٰهِ " (۲) رسول اللہ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پس اگر کسی نے " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا تو اس کا مال اور جان محفوظ مگر یہ کہ کوئی ایسا کام کرے جس کی وجہ سے وہ سزا کا حقدار ہو (مثلاً قتل) اس کا حساب خدا کے ذمہ ہے ۔مندرجہ بالا روایت مختلف اسناد کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی رسول خدا سے نقل ہوئی ہے۔(۳)

۱۔رسالہ زيارة القبور، الا ستنجاد بالقبور، تاليف ابن تيميه، ص ۱۱۲، اور تحفة الاحزان، تاليف عبدالله بن باز، ص ۱۸۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب، ستتابة المرتدین، باب، قتل من ابی قبول الفرائض، ص۱۱۹۱، حدیث ۶۹۲۴۔

۳۔صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال النّاس حتّى يقولوا "لااله الاالله" صفحہ ۴۳، حدیث ۲۰، ۲۳۔

نکتۂ دوّم: صحیح بخاری میں ہے کہ رسول خداؐ نے جنگ بدر میں حکم فرمایا کہ قریش سے تعلق رکھنے والے (کافر جو جنگ بدر میں قتل ہوئے) چوبیس افراد کے مُردوں کو کنوئیں میں ڈال دو، آپؐ تین دن کے بعد اصحاب کے ہمراہ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور ایک ایک کو ان کے اور ان کے باپ کے ناموں سے پکارا اور فرمایا: یا فلاں پسر فلاں، یا فلاں پسر فلاں، اگر خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے تو کیا خوش نہ ہوتے؟ یقیناً خدا نے جس چیز کا ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے پالیا، کیا تم نے خدا کے دیئے ہوئے وعدے کی حقانیت کو پالیا؟ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہؐ بے جان جسموں سے گفتگو کر رہے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے، تم میرے کلام کو ان سے بہتر سننے والے نہیں ہو۔

"اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ اَمَرَ یَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِیْنَ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ فَقُذِفُوْا فِیْ طَوِیٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِیْثٌ مُخْبِثٍ۔ وَكَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰی قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعُرْصَةِ ثَلَاثَ لَیَالٍ ــــــ ثُمَّ مَشٰی وَ تَبِعَهُ اَصْحَابُهُ ـــ حَتّٰی قَامَ عَلٰی شَفَةِ الرَّكِیِّ فَجَعَلَ عَنَادِیْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ آبَائِهِمْ، یَافُلَا ن بن فُلَانٍ، وَ یَا فُلَان بن فُلَانٍ، اَیَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ؟ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَاوَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ "وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَااَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ "(۱) اسی طرح رسول خداؐ اہل قبور کی زیارت پڑھتے وقت

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل، ص ۶۷، حدیث ۳۹۷۶۔

بلندآواز میں یوں خطاب فرماتے: " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ " (۱) آپ اہل قبور پر میرا سلام ہو پروردگار ہمیں اور آپ کو بخش دے آپ نے ہم سے پہلے زندگی سے خدا حافظی کی اور ہم آپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ اسی طرح ملتا ہے کہ عبداللہ بن عمر حضرت رسول خداؐ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی زیارت میں یوں کہتا ہے:" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه ،اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَتَاهُ " (۲)

نکتۂ سوم: جہاں اسلام میں موجود سب کے سب مسلمان اپنی نماز کے تشہد میں یہ جملے ادا کرتے ہیں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ـــ" اے رسول خداؐ آپ پر سلام ہو۔ اگر رسول اللہؐ، یا علیؑ، یا حسنؑ یا حسینؑ اور اس طرح کے دوسرے کلمات کہنا شرک ہو، اگر مُردوں کو بلند آواز میں پکارنا شرک وکفر کا باعث ہو تو نعوذ باللہ کہنا پڑے گا کہ رسول خداؐ کا میدان جنگ بدر میں قتل ہونے والوں سے مخاطب ہونا، اور اہل قبور کو پکارنا کبھی انجام نہ پاتا۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر کا یہ کہنا یا رسول اللہؐ، یا ابا بکر، یا ابتاہ (اے بابا) ابن تیمیہ اور بن باز کے فتوؤں کے مطابق یہ مشرک ہوگئے۔ اسی طرح ہر مسلمان کا تشہد کی حالت میں قریب یا دور سے رسول خداؐ کو مخاطب کرتے ہوئے سلام کرتے ہوئے یہ کہنا:

۱۔ صلاۃ المومن القحطانی، ص ۱۳۹ بہ نقل از کتاب ترمذی، حدیث ۱۵۳۔ والتحقیق والایضاح، تالیف عبد اللہ بن باز، ص ۱۰۶۔

۲۔ صلاۃ المومن القحطانی، ص ۱۳۹۵، اور فتاوی پر مشتمل بن باز کی کتاب الحج والعمرۃ، ج ۹، ص ۲۸۹۔

"السلام علیك ایها النبیؐ " اے نبی آپؐ پر سلام ہو (نعوذ باللہ) کیا سب کے سب کافر ومشرک ہوگئے۔(۱)

**(۸) مختصر مناظرہ:**

مسجد نبویؐ میں نماز کے بعد روضہ نبیؐ کی طرف دیکھ کر میں نے کہا" اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہؐ "ایک شخص میرے نزدیک کھڑا تھا، جب اس نے یہ سنا تو بولا: تم نے اتنے زیادہ فاصلے سے یارسول اللہؐ کیوں کہا؟ زیادہ فاصلے سے پکارنا اور یارسول اللہؐ کہنا جائز نہیں ہے؟

**محب:** مگر تم نے ابھی اسی مقام پر، حالت تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهُ ـــ" نہیں کہا؟ کیا رسولؐ کے معنی، یاایھا النبی سے جدا ہیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا: نہیں تو پھر کیوں اعتراض کیا؟ کیوں کہا جائز نہیں؟

**مبغض:** نے کہا معذرت چاہتا ہوں اور چلا گیا۔

البتہ کبھی کہتے ہیں کہ مردہ سننے کی قدرت نہیں رکھتا تو کبھی کہتے ہیں انہیں پکارنا عبادت ہے۔ جواب وہی ہے جو اہلسنت کی معتبر کتابوں سے رسول خداؐ کی عملی زندگی سے عرض کیا۔ نہ تو یہ عمل شرک ہے اور نہ ہی عبادت۔ حتی کہ ابن تیمیہ اور بن باز خود یہ اعترف کرتے ہیں کہ مردے زائر کا سلام سنتے ہیں اور پروردگار ان کی روح کو انہیں پلٹاتا ہے تا کہ زائر کے سلام کا جواب دیں۔(۲)

۱۔ پاسخ ھای ما، ص۱۱۶۔

۲۔ فتاوی بن باز ج ۱۳، ص ۳۳۵، صلاۃ المومن القحطانی، ص۱۳۹۱۔

دوسری طرف یہی ابن تیمیہ اور بن باز کہتے ہیں" مردوں کو پکارنا، ان کی عبادت کرنا، جو کفر اور شرک کا باعث ہے (۱) لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا کون سا ایسا مسلمان ہے جو مردوں کی عبادت کرتا ہے؟ کون سا ایسا مسلمان ہے جو رسول خداؐ، یا علیؑ یا دوسرے آئمہ معصومینؑ کو خالق، رزاق، شفا دینے والا، رب و معبود سمجھتے ہوئے پکارتا ہے؟

مختصر یہ کہ ان سے کہا جائے شرک کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار عالم کے مقابلے میں کسی کو شریک قرار دیا جائے، لیکن اگر کسی کو اس کی طول میں قرار دینا جیسے شاگرد، استاد کی نسبت، شرک شمار نہیں ہوتا۔

## (۹) اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: شیعوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ زیارت گاہوں میں جاتے ہیں اور وہاں نمازیں کیوں پڑھتے ہیں؟ جب کہ اہلسنت ہم سے زیادہ یہ اعمال انجام دیتے ہیں لیکن انہیں شرک کی سند عطا نہیں کی جاتی۔

جواب: وہ لوگ جو اس قسم کی تہمتیں لگاتے ہیں۔ وہ صرف ہمیں نہیں بلکہ اہلسنت کو بھی ان عقائد کی وجہ سے متہم کرتے ہیں" ابن تیمیہ نے اپنے رسالے "زیارۃ القبور والا ستنجاد بالمقبور" میں سب مسلمانوں پر یہ تہمت لگائی ہے لیکن یہ تہمت شیعوں کی نسبت زیادہ شدت کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ شیعہ مُردوں کی عبادت کرتے ہیں اور صاحبان قبور کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور انہی سے شفا اور دشمنوں پر غلبہ طلب کرتے ہیں اور اسی طرح کے دوسرے کام جو کہ

ا۔ رسالۂ زیارت القبور والاستنجاد بالمقبور ابن تیمیہ، ص ۱۵، تحفۃ الاخوان بن باز، ص ۱۲۔

بدعت اور شرک ہیں (۲) اسی بنا پر شیعوں سے ایک خاص عناد اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں۔ اس مقام پر ان کے اعتراضات کی وجوہات اور ان کے مختصر جواب دینے پر اکتفا کریں گے۔

## ان تہمتوں کی وجوہات:

اس مقام پر ان تہمتوں کے سرچشمہ کی جانب مختصر اشارہ کرتے ہوئے ''بن باز'' کے یہ کلمات نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔ وہ بدعتیں جو شرک اکبر کا باعث بنتی ہیں، ان میں قبروں کے قریب جا کر نماز اور قرآن پڑھنا ہے کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''پروردگار یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے انبیاءؑ کی قبروں کو اپنے لیے مسجد بنالیا تھا۔'' ''لعن الله هيود النصارىٰ اتخذوا قبور انبيائهم مساجد''

اور دوسرے مقام پر لکھتا ہے: ''رسول خداؐ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''آگاہ رہو، وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے انبیاءؑ اور صالح افراد کی قبروں کو انہوں نے مسجد (عبادت گاہ) قرار دیا تھا، تم لوگ قبروں کو عبادت گاہ مت بنانا، میں تمہیں اس عمل سے منع کرتا ہوں۔'' ''اَلَا وَاِنَّ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ كَانُوۡا يَتَّخِذُوۡنَ قُبُوۡرِ اَنۡبِيَائِهِمۡ وَصَالِحِيۡهِمۡ مَسَاجِدِ، اَلَافَلَا تَتَّخِذُوا الۡقُبُوۡرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیۡ اِنَّهَا کُمۡ عَنۡ ذَالِكَ'' (۲)

بن باز ان دو روایتوں کو نقل کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے یوں کہتا ہے۔ ان دو

ا۔ تحفۃ الاخوان، تالیف بن باز، ص ۱۰ تا ۱۸، زیارۃ القبور والا ستنحاد بالمقبور، تالیف ابن تیمیہ، ص ۱۱، اور اس کے بعد مراجعہ کریں ۲۔ تحفۃ الاخوان، ص ۱۰ تا ۱۸۔

روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ قبروں کے قریب نماز اور قرآن پڑھنا، قبروں پر زیادہ جانا اور ٹھہرنا یا قبروں پر کچھ بنانا شرک اور غلو کا باعث بنتا ہے۔ یہ کام یہودی اور نصاریٰ کیا کرتے تھے اور اس امت کے جاہل افراد بھی یہی عمل انجام دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ صاحبان قبور کی عبادت بھی کرتے ہیں، ان کے لیے قربانی کرتے ہیں، ان سے استغاثہ کرتے ہیں ان کے لیے نذر کرتے ہیں۔ ان سے بیماروں کے لیے شفا اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ کام حسینؑ کی قبر پر انجام پاتے ہیں۔ اور پھر یہ کہتا ہے۔ رسول خداؐ نے قبروں کی تعمیرات، ان کے قریب بیٹھنے، ان پر گنبد بنانے اور لکھنے سے منع فرمایا(۱) اور اس ممانعت کا سبب صرف یہود و نصاریٰ سے تشبیہ ہے جو شرک اکبر کا باعث ہے۔ (۲)

## یہ تہمت کہ نسبتیں کیوں ہیں؟

اگر بطور خلاصہ بھی ان دلائل کا سرسری جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بن باز اور اس جیسے دوسرے افراد کی مراد شیعوں کے آئمہ معصومینؑ ہیں۔ ہم اس مقام پر ان روایتوں کی سند اور دلالت سے صرف نظر کرتے ہوئے اور ان روایتوں کے صحیح ہونے کی بنا پر یہ کہتے ہیں۔ شیعہ اپنی سب نمازوں سے پہلے چاہے واجب ہوں یا مستحب، گھر میں ہوں یا مسجد میں یا کسی امام کے حرم میں تکبیرۃ الاحرام سے پہلے ان جملوں کو ادا کرتے ہیں۔ "وَجَّهۡتُ وَجۡهِيَ لِلَّذِيۡ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ

۱۔ "اَنَّهُ نُهِيَ عَنۡ تَجۡصِيۡصِ الۡقُبُوۡرِ وَالۡقُعُوۡدِ عَلَيۡهَا وَالۡبِنَاءِ عَلَيۡهَا وَالۡكِتَابَةِ عَلَيۡهَا"

۲۔ تحفۃ الاخوان، تالیف عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ص ۱۳ تا ۱۵۔

وَالْاَرْضِ،عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ،حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَمَااَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ " (۱) میں خالص ایمان کے ساتھ بہ جانب پروردگار جوزمین وآسمان کا بنانے والا ہے پنہاں وآشکار کا جاننے والا ہے۔ میرا وجود شرک کی آلودگی اور ہر قسم کے مشرکانہ عقیدوں سے پاک ومنزہ ہے۔ میں مسلمان ہوں اور کبھی بھی مشرکوں کے جاہلانہ عقیدے کے موافق نہیں ہوں گا۔ ہمیشہ میری نماز، اطاعت اور دوسرے سب اعمال، زندگی اور موت سب کے سب خدا کے لیے ہیں جو پروردگار دوعالم ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اسی امر کا مجھے حکم دیا ہے اور میں اس کا مطیع ہوں۔

یہ مذکورہ عبارت ان لوگوں کے لیے جو شیعوں پر شرک کی تہمت لگاتے ہیں، بہت واضح وروشن جواب ہے۔ لیکن پھر بھی اس مقام پر کچھ تہمتوں کا خلاصہ اور ان کے واضح وروشن جواب دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(الف) تہمت:

کہتے ہیں قبروں کے نزدیک نماز پڑھنا، اہل قبور کی عبادت و پرستش ہے اور شرک کا باعث ہے۔ اور اسی طرح زیارت پڑھنے کے بعد، زیارت کی نماز پڑھتے ہیں۔

تہمتوں کا جواب: ۱۔ اوّل تو شیعہ کسی بھی مقام پر، کوئی بھی نماز پڑھیں،

۱۔ عروۃ الوثقیٰ، فی تکبیرۃ الاحرام، مسئلہ ۱۲۔

جب نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرتے ہیں تو کہتے ہیں: نماز پڑھتا ہوں ''قُرْبَةً اِلَى اللّٰهِ'' اور کبھی بھی ان کے ذہنوں میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ (نعوذ باللہ) نماز پڑھتا ہوں اس صاحب قبر کی قربت کے لیے'' اسی طرح زیارت کی نماز بھی قربت خدا کے لیے پڑھی جاتی ہے اور اس نماز کا ثواب صاحب قبر کو ہدیہ کرتے ہیں جیسا کہ زیارت امام حسینؑ کے بعد پڑھے جانے والی دعا میں ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ صَلَّيْتُ وَرَكَعْتُ وَسَجَدْتُ لَكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لِاَنَّ الصَّلَاةَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ لَايَكُوْنُ اِلَّا لَكَ ۔۔۔اَللّٰهُمَّ وَهَاتَانِ الرَّكْعَتَانِ هَدِيَّةٌ مِنِّیْ اِلٰی مَوْلَایَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ'' (۱) پروردگارا! میں نے تیری خاطر نماز پڑھی، رکوع و سجدے کیے، تو یکتا و تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ کیونکہ کوئی بھی نماز، رکوع و سجدہ نہیں ہیں مگر تیرے لیے پروردگارا اس دو رکعت نماز کو مولا حسین بن علی علیہما السلام کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں لہٰذا یہ بات واضح و روشن ہے کہ شیعہ نماز خدا کے لیے پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب ہدیہ کرتے ہیں، نہ یہ کہ صاحب قبر کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

۲۔ اگر قبروں کے قریب نماز پڑھنا شرک ہے تو کس طرح آغاز اسلام سے آج تک مسجد الحرام کہ جہاں انبیاءؑ اور دوسرے افراد جیسے جناب ہاجرہؑ، اور جناب اسمٰعیلؑ کے بچوں کی قبریں ہیں اور وہاں نماز پڑھی جاتی تھی اور پڑھی جاتی ہے؟ مسجد نبویؐ میں رسول خداؐ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ایک قول کی بنا پر حضرت زہراؑ (۲)

۱ مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، زیارت مطلقہ امام حسینؑ۔ ۲ التاریخ القویم، لمکة و بیت الله الکریم، تالیف محمد طاهر الکردی المکی، المحلد الاوّل، ص۲۴۳۔

کی قبریں موجود ہیں، نماز پڑھی جاتی ہے؟ کئی سال حضرت عائشہ نے ان قبروں کے نزدیک زندگی بسر کی اور نماز پڑھی؟ کیا یہ قبریں نہیں ہیں یا کسی دلیل کی بنا پر یہ اس حکم سے باہر ہیں؟ کیا قبریں آپس میں فرق رکھتی ہیں؟

## مسجد الحرام میں دفن افراد:

اہلسنت کے بقول مسجد الحرام میں دفن افراد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت اسماعیلؑ، آپ کی والدہ جناب حاجرہؑ، اوران کی غیر شادی شدہ بیٹیاں، ان افراد کی قبریں حجرۂ اسماعیلؑ کے اندر ہیں (۱)

۲۔ حضرت نوحؑ، ہود وصالح وشعیب علیہم السلام کی قبریں زمزم اور حجرے کے درمیان واقع ہیں (۲)

۳۔ (۹۹) ننانوے انبیاءؑ کی قبریں رکن اور مقام کے اور زمزم کے درمیان موجود ہیں (۳)

(ب) بعض لوگ شیعوں پر تہمت لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبروں کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کرنا شرک ہے۔

---

۱۔التاریخ القویم، لمکة وبیت اللہ الکریم ،تالیف محمد طاہر الکردی المکی،المجلد الاوّل، ج۲،ص۵۸۰۔

۲۔التاریخ القویم، لمکة وبیت اللہ الکریم ،تالیف محمد طاہر الکردی المکی،المحلد الاوّل، ج۲،ص۵۸۹۔

۳۔التاریخ القویم، لمکة وبیت اللہ الکریم ،تالیف محمد طاہرالکردی المکی،المحلد الاوّل، ج۲،ص۵۸۹۔

جواب اوّل: ابن باز نے جن روایتوں سے سند دی ہے، ان میں کہیں تلاوت قرآن کا ذکر نہیں۔

دوم: یہ کہ مسجد الحرام، حجرۂ اسماعیلؑ اور مسجد نبویؐ خصوصاً روضہ پاک رسولؐ پر اتنی زیادہ تلاوت قرآن پاک شرک ہے؟ کیا حضرت عائشہ اپنے حجرے میں رسول خداؐ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قبروں کے نزدیک قرآن کی تلاوت نہیں کرتی تھیں۔ اس سے قطع نظر ابن تیمیہ جو کہ شیعہ دشمنی بلکہ بیشتر مسلمانوں کے افکار سے دشمنی میں پیش پیش تھا، کہتا ہے۔ سب مذاہب کے آئمہ کا اتفاق ہے کہ میت: نماز، روزہ، قرآن کی قرأت، صدقہ اور دوسرے اس جیسے کام جو زندہ افراد اس کے لیے انجام دیتے ہیں ان سب کاموں سے فائدہ اٹھاتی ہے۔(۱)

بن باز بھی اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتا ہے۔ ''صدقہ، حج، عمرہ، میت کے قرضوں کی ادائیگی، دعا، استغفار کا ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن بہتر ہے کہ میت کے لیے قرآن، نماز اور طواف انجام نہ دیے جائیں (۲)

کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں زیارت قبور سے متعلق یوں ملتا ہے

''یَنْبَغِیْ لِلزَّائِرِ الْاِشْتِغَالُ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالْاِعْتِبَارِ بِالْمَوْتٰی وَ قِرَائَةِ الْقُرْآنِ لِلْمَیِّتِ فَاِنَّ ذَالِكَ یَنْفَعُ الْمَیِّتَ عَلَی الْاَصَحِّ''(۳)

قبروں کی زیارت کرنے والے کے لیے بہتر ہے کہ وہ دعا و تضرع کرے اور مُردوں

---

۱۔ صلاۃ المومن، تالیف وہف القحطانی، ج ۲، ص ۱۳۸۹۔

۲۔ مجموع الفتاویٰ، تالیف عبداللہ بن باز، ج ۱۳، ص ۲۵۹ وصلاۃ المومن القحطانی، ص ۱۳۸۲۔

۳۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱، کتاب الصلاۃ (خاتمہ فی زیارۃ القبور۔

سے عبرت حاصل کرے اور مردے کے لیے قرآن کی تلاوت کرے، قول صحیح کے مطابق مردہ زائر کے قرآن پڑھنے سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

ان مطالب کو دیکھتے ہوئے کہ اہلسنت کی ایک بڑی تعداد اور کچھ شدت پسند افراد بھی میت پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میت اس عمل سے بہرہ مند ہوتی ہے تو پھر کیوں بن باز نے اپنی کتاب تحفۃ الاخوان میں لکھا کہ قبروں کے قریب قرآن کی تلاوت کرنا شرک ہے! اور وہ بھی شرک اکبر! معلوم نہیں یہ کس طرح شرک کا فتویٰ دیتے ہیں، کل بارگاہ رب العزت میں کیا جواب دیں گے؟

سوم: بعض افراد شیعوں پر تہمت یہ تہمت لگاتے ہیں کہ اہل تشیع حضرات قبر کے لیے نذر کرتے ہیں (مثال کے طور پر امام حسینؑ کی نذر کرتے ہیں) جب کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی نذر کرنا شرک ہے۔

لیکن یہ نادان لوگ اگر شیعوں کی کسی ایک فقہی کتاب کو دیکھنے کی زحمت کر لیتے تو اس قسم کی تہمت لگانے کی جرأت نہ کرتے اور عام لوگوں کو شیعوں کی نسبت بدگمان نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر حضرت امام خمینیؒ کی کتاب ''تحریر الوسیلہ'' میں نذر کے باب میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''اَلنَّذْرُ هُوَ الْاِلْتِزَامُ بِعَمَلٍ لِلّٰهِ تَعَالٰی ---وَلَا يَنْعَقِدُ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ الصِّيْغَةِ --- بِاَنْ يَّقُوْلَ : لِلّٰهِ عَلَيَّ اَنْ اَصُوْمَ اَوْ اَنْ اَتْرُكَ ---''

نذر یعنی یہ کہ انسان پروردگار کی خاطر کسی کام کو انجام دینے پر ملتزم ہو جائے۔ اور نذر صرف نیت کرنے سے منعقد نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے خاص

صیغہ (خاص الفاظ) ہیں ۔مثلاً انسان اس طرح کہے۔ مجھ پر خدا کے لیے ہے کہ روزہ رکھوں یا اس کام کو ترک کردوں) مزید تفصیل کے لیے توضیح المسائل مراجع (احکام نذر) مسئلہ نمبر ۲۶۴۴ پر اور دیگر مفصل کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا فقہ جعفری اور شیعی عقیدہ یہ ہے کہ نذر کی حقیقت میں للہیت دخالت رکھتی ہے اور اگر اللہ کے لیے نہ ہو تو نذر منعقد نہیں ہوتی۔ ہاں نذر کرنے والا اپنے انجام دینے والے کام کا ثواب جسے چاہے ہدیہ کرسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہے:

"لِلّٰہِ عَلَیَّ اَنْ اَذْبَحَ شَاۃً" یا اُردو میں کہے خدا کی خاطر مجھ پر ایک بکری کی قربانی کرنا اور اس کا گوشت فقیروں تک پہنچانا ہے اور اس عمل کا ثواب حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں ۔شیعہ جب کہتے ہیں امام حسینؑ کی نذر، حضرت عباسؑ کی نذر، ان کی مراد یہی ہوتی ہے کہ میں نذر کرنے والے اس نیک کام کو خدا کے لیے انجام دوں اور اس کا ثواب ان حضرات کو ہدیہ کردوں ۔لہٰذا اس موقع پر بجا ہوگا کہ اگر ان تہمت لگانے والوں کے لیے یہ آیت مبارکہ پڑھی جائے۔ "وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا" (۱) اور جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (خواہ مخواہ) اس کے پیچھے نہ پڑا کرو (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب کی (قیامت کے دن) یقیناً باز پرس ہونی ہے۔

چہارم: بعض لوگ قبروں پر چھت، گنبد، طاق وغیرہ بنانے کے عمل کو

۱۔ سورۂ مبارکہ اسراء، آیت ۳۶۔

شرک اور کفر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اسے تعمیر کرنا یا گنبد بنانا بت بنانے کے مترادف ہے جو زمانہ جاہلیت میں صنم وثن (بت) کے نام سے تھا۔ اس کا نام تبدیل کر دیا ہے اور نام کی تبدیلی بت کو بت ہونے سے جدا نہیں کرتی اور جس طرح زمانہ قبل از اسلام میں بتوں کی عبادت ہوتی تھی اسی طرح ان مقبروں اور قبروں کی عبادت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کام بتوں کی عبادت سے بھی بڑا شرک ہے، لہٰذا ان مقبروں، مزاروں، گنبد و گلدستوں کو نابود ہونا چاہیے (۱)

اسی عقیدے کی بنا پر سال ۱۳۴۳ھ ق، میں سعودیہ عرب میں بزرگان دین کی قبروں کو مسمار کر دیا گیا اور آٹھ شوال کو جنت البقیع میں موجود آئمہ معصومینؑ اور دوسرے مقدس مزارات کو مسمار کیا گیا۔

**سعودیہ عرب کا مشہور و معروف مفتی بن باز کہتا ہے:**

قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور گنبد بنانا شرک کا باعث ہے اور یہ عمل صاحب قبر کی نسبت غلو کا باعث ہے۔ یہود و نصاریٰ یہ کام کیا کرتے تھے۔

**لیکن ہم شیعہ بلکہ تمام مسلمان (سوائے ایک خاص گروہ کے) یہ کہتے ہیں۔**

اوّل: اگر ان افراد کی بات صحیح ہو تو اس وقت سے کہ جب رسول خداؐ کو حجرے میں دفن کیا، آج تک سب مسلمان یہاں تک کہ وہ خود بھی آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر کی زیارت کرتے ہیں، مشرک اور کافر تھے اور ہیں اور سب نے رسول خدا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نسبت غلو کیا، کیونکہ جب سے رسول خداؐ کو دفن کیا

.......... ...............

۱۔ کشف الارتیاب صحافی، ص ۲۸۴، زاد المعاد ابن قیم، ص ۶۶۱۔

حجرہ بھی تھا اور عمارت بھی تھی، تو ان کی زیارت، بتوں اور عمارت کی عبادت تھی۔ وہ سب نمازیں رسول خداؐ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور ایک قول کے مطابق حضرت زہراؑ کی قبروں کی سمت میں پڑھی گئیں اور پڑھی جاتی ہیں سب کی سب حرام اور رسول خداؐ کے حکم کے برخلاف تھیں اور یہ سب عمل شرک و کفر تھا۔

مختصر یہ کہ اگر قبر پر بنی عمارت بت کی مثل ہو اور اس عمارت کی عبادت ہوتی ہو تو اس صورت میں بقیع و اُحد اور مسجد نبویؐ میں بنی ہوئی قبروں میں کوئی فرق نہیں، اگر قبروں کی سمت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہو تو بقیع، احد و مسجد نبویؐ کی قبروں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر حرم اور آئمہ معصومینؑ کے مزاروں پر گنبد (نعوذ باللہ) بت ہیں اور صاحب قبر کی نسبت غلو کا باعث ہیں تو بقیع، آئمہ معصومینؑ اور مسجد نبویؐ کی عمارتوں اور گنبدوں میں کوئی فرق نہیں، پتا نہیں بن باز کی غلو سے کیا مراد تھی؟

اگر قبر پر بنی ہوئی عمارت شرک اور بت ہے تو فرق نہیں کہ وہ عمارت پہلے سے موجود ہو یا دفن کرنے کے بعد تعمیر ہوئی ہو۔

حضرت عائشہ کئی برسوں تک ان قبروں کے پاس زندگی گزارتی رہیں، نماز و قرآن پڑھتی تھیں اور اس زمانے سے آج تک حجرے (کمرے) اور یہ قبروں پر بنی ہوئی عمارت موجود ہے، اگر چہ کئی مرتبہ اس کی تجدید بنا ہوئی اور سال ۸۷۸ھ ق میں اس پر گنبد بنایا گیا(۱)

اور اگر ان افراد کے دلائل صحیح ہوں تو بیت المقدس کے اطراف میں موجود نبیوں کی

۱۔ کشف الارتیاب، مرحوم سید محسن امین، ص۴۰۰۔

قبروں جیسے حضرت داوٗدؑ ،حضرت ابراہیمؑ ،حضرت اسحاقؑ ،حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی قبریں جن پر اسلام سے پہلے بھی چھتیں موجود تھیں اور عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا،اس وقت بھی یہ اسی طرح باقی رہیں(۱)۔تو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ سب بت تھے اور حضرت عمر بن خطاب نے انہیں مسمار کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں باقی رکھا اور لوگ اسی طرح بت پرست اور مشرک باقی رہے؟تو یہ فتح کس لیے تھی؟دوسری قرن ہجری میں ہارون رشید(عباسی خلیفہ)نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی قبر پر حرم وگنبد تعمیر کروایا۔ماموں رشید نے اپنے باپ(ہارون)کی قبر پر کمرہ تعمیر کرایا اور امام رضاؑ کو اسی حرم میں دفن کروادیا۔

یہ آئمہ معصومینؑ اور اہلسنت کے بزرگوں کی قبروں پر بنی ہوئی عمارتیں ،جنہیں تاریخ نے ثبت کیا ہے،اگر اس مختصر گروہ کی بات صحیح ہوتو یہ کہنا پڑے گا کہ رسول خداؐ کے بعد سب مسلمان مشرک و بت پرست تھے اور خدا کی عبادت کے بجائے،قبروں اور مقبروں کی عبادتیں کیا کرتے تھے۔

لہٰذا اس گروہ کی نقل کردہ روایتوں کو سند اور دلالت کے اعتبار سے پرکھا جائے تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ اصحاب رسول خداؐ اور خلفائے اسلام نے کیوں ان روایتوں پر عمل نہیں کیا؟اس مقام پر کچھ روایتیں جو کہ استدلال کی جانے والے روایتوں کے برخلاف ہیں،ذکر کررہے ہیں تا کہ پڑھنے والا خود فیصلہ کر سکے۔صحیح بخاری میں نقل ہوا:"قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ،قَالَ: فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ

---

۱۔ کشف الارتیاب،مرحوم سید محسن امین،ص۳۸۴۔

تُـدْمَـعَـانِ" (۱) رسول خداؐ کی ایک بیٹی کا انتقال ہوا، رسول خداؐ اس کی قبر پر بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر یوں ملتا ہے: "وَلَمَّامَاتَ الْحَسَنُ اَلْحَسَـنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ضَرَبَتْ اِمْرَئَهُ الْقُبَّةَ عَلىٰ قَبْرِهِ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعُوْا صَائِعاً۔ يَقُوْلُ: اَلَاهَلْ وَجَدُوْا مَافَقَدُوْا؟ فَاَجَابَهُ آخِرُ: بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا" (۲) کے ذیل میں جب حسن بن الحسن بن علی کی رحلت ہوئی تو آپ کی زوجہ نے ایک قبہ مراد (خیمہ) آپ کی قبر پر تعمیر کیا اور ایک سال تک یہ قبہ موجود تھا۔ ایک سال کے بعد اس قبہ کو ہٹالیا (اپنے گھر کی جانب روانہ ہوئیں تو) غیب کی آواز سنائی دی کہ کہہ رہی تھی: کیا تم نے اپنے کھوئے ہوئے کو پالیا؟ اس آواز کے بعد ایک دوسری آواز سنائی دی جو یہ کہتی تھی کہ نہیں پایا، ان کا عزیز زندہ نہیں ہوا، بلکہ اب یہ نا امید ہوکر اپنے گھر لوٹ رہی ہیں۔

ان دو روایتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اوّلاً: قبر کے پاس بیٹھنا صرف تنہا شرک نہیں بلکہ اس کام میں کوئی مضائقہ نہیں، ثانیاً: خواتین کا قبروں پر جانا، اور وہاں ٹھہرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، ثالثاً: قبر پر (چھت) قبہ بنانا بھی نہ صرف بت پرستی نہیں بلکہ اس عمل کی شرعی ممانعت بھی نہیں۔ اگر اس عمل میں کسی قسم کا شرعی اعتبار سے اعتراض ہوتا جیسا کہ یہ مخصوص گروہ اسے شرک اور بت پرستی کہتا ہے، تو خلفاء اور اصحاب رسول خداؐ اس عمل سے منع فرماتے اور ایک سال تک اس خاتون کو قبر

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ص ۲۵، ح ۱۲۸۵۔ ۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ص ۲۱۲، ح ۱۳۲۹۔

پر (قبہ) اس مقام پر (یعنی خیمہ) لگانے کی اجازت نہ دیتے، اور یہ عمل تو رسول خداؐ کے اقربا سے انجام پایا ہے جو دوسروں کی نسبت شرک و بت پرستی سے زیادہ واقف تھے اور رسول خداؐ سے صادر ہونے والے اوامر ونواہی سے بہتر آگاہ تھے: "اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرَىٰ مَا فِي الْبَيْتِ" بلکہ اس بات کو کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اولیائے الٰہی کی قبروں پر مسجد و مقبرے بنانے کا عمل قرآن مجید سے رہنمائی لیتا ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب کہف کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ "فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَاناً رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِداً" (۱) اب (اطلاع ہونے کے بعد) ان کے بارے میں لوگ باہم جھگڑنے لگے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان (کے غار) پر (بطور یادگار) کوئی عمارت بنادو، ان کا پروردگار تو ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ اور ان کے بارے میں جن مومنین کی رائے غالب رہی انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے غار پر ایک مسجد بنائیں گے۔

۱۔ سورۂ کہف، آیت ۲۱۔

## مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنا:

مناسب ہے کہ مومنین درج ذیل مطالب پر توجہ فرمائیں

عروۃ الوثقیٰ نامی کتاب میں یوں ملتا ہے:

مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور مسجدوں میں بہترین مسجد، مسجد الحرام ہے۔ اس میں ایک نماز پڑھنا دس لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اس کے بعد مسجد نبویؐ، اس میں نماز پڑھنا دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اس کے بعد مسجد کوفہ کہ جس میں نماز پڑھنا ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ملتا ہے: آئمہ معصومینؑ کے مقبروں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، آئمہ معصومینؑ کے مقبرے وہ بیوت ہیں جنہیں خدا چاہتا ہے کہ اونچے و آباد رہیں اور ان میں ذکر خدا ہوتا رہے، بلکہ یہ مقامات مقدسہ مسجدوں سے افضل ہیں۔ لہٰذا روایت میں ہے کہ حضرت امام علیؑ کے حرم مطہر میں نماز پڑھنا دو لاکھ نمازوں کے برابر ہے (۱)

دو روایتوں میں ہے کہ حضرت امام صادقؑ سے سوال ہوا: حضرت زہراؑ کے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے یا روضے میں؟ حضرت نے فرمایا: فاطمہؑ کے گھر (بیت) میں نماز پڑھنا روضے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے (عَنْ يُوْنَسَ بْنِ يَعْقُوْبَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِؑ اَلصَّلَاةُ فِيْ بَيْتِ فَاطِمَةَؑ اَفْضَلُ اَوْفِي الرَّوْضَةِ؟قَالَ فِيْ بَيْتِ فَاطِمَةَؑ) "فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى، عَنْ جَمِيْلِ بْنِ دُرَّاجٍ قَالَ:

۱۔عروۃ الوثقیٰ، فصل من الامکنۃ المکروھۃ، مسئلہ ۵،٤۔

قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِؑ اَلصَّلاۃُ فِیْ بَیْتِ فَاطِمَةَؑ مِثْلُ الصَّلاۃِ فِی الرَّوْضَةِ؟ قَالَ وَ اَفْضَلُ" ان دوروایتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت امام صادقؑ کے زمانے میں بھی حضرت زہراؑ کے گھر میں نماز پڑھنا ممکن تھا۔لہذا امامؑ نے فرمایا: فاطمہؑ کے گھر میں نماز مسجد اور روضے میں پڑھنے سے افضل ہے۔(۱)

............ ...... ..... ... ..... .....

۱۔نام کتاب، پاسخ ھای ما مولف علی عطائی اصفھانی: ناشر: نشر مشعر قم ایران۔

## چہاردہ معصومین علیہم السلام سے توسّل کے آثار:

### (۱) صلاحیتوں کا اجاگر ہونا:

بے شک چہاردہ معصومینؑ اور اولیاءؒ سے توسّل کرنے سے انسان کو وسعت قلبی اور بلند نظری عطا ہوتی ہے اور توسّل انسان کو بری باتوں سے بچاتا ہے۔ توسّل باعث بنتا ہے کہ انسان اپنے اندر انہی چیزوں کو اپنائے جو رہبران دین میں پائی جاتی ہیں، جن کے ذریعے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ چیز باعث بنتی ہے کہ انسان مادّیات سے دور رہتا ہے۔ اور انسان جان ودل سے خدا کے سوا کسی سے لو نہیں لگاتا۔ اور مصائب وآلام کے وقت صبر کرتا ہے۔ جس طرح حضرت یعقوبؑ نے فراق یوسفؑ میں صبر کیا۔ حضرت ایوبؑ نے مصائب کے وقت صبر اور عبودیت کی مثال قائم کردی۔ حضرت امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں تمام مشکلات و مصائب وآلام پر صبر کرتے ہوئے فرمایا' خدا قریب الرحمہ ہے، اس کی رحمت نزدیک ہے۔ امام کو یقین تھا کہ خدا صادق الوعد ہے وہ اپنے وعدے کو پورا کر کے رہے گا اور یہ اس کا امتحان ہے (اسی وجہ سے امام حسینؑ نے جناب علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد فرمایا" رِضَا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهِ " جس نے عبودیت اور بندگی کے مزے کو چکھ لیا خدا اس کو سرفراز کرتا ہے اور حساس ترین مواقع پر اس کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کو جب بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تو خدا نے جبرائیل امینؑ کو مامور فرمایا اور بہشتی قمیص عنایت کی تاکہ برہنہ نہ رہے اور خداوند متعال نے حضرت ایوبؑ کو زندگی کے تمام مراحل میں لطف ورحمت وعنایت سے نوازا اور دوست ودشمن کے سامنے سربلند کیا اور تمام لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔

خداوند متعال نے قرآن میں فرمایا" وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ، اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ‌ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ، وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ "(۱) اور (اے رسولؐ) ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار سے فریاد کی کہ مجھ کو شیطان نے بہت اذیت اور تکلیف پہنچا رکھی ہے تو ہم نے کہا اپنے پاؤں سے (زمین کو) ٹھکرا دو اور چشمہ نکلا تو ہم نے کہا اے ایوبؑ تمہارے نہانے اور پینے کے واسطے یہ ٹھنڈا پانی (حاضر) ہے اور ہم نے ان کے لڑکے بالے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور اپنی خاص مہربانی سے عطا کیے اور عقلمندوں کے لیے عبرت و نصیحت قرار دی۔

نکتہ یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ نے کہا" رَبِّ اِنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ" نہیں فرمایا" اِنَّكَ اِمۡتَسَيۡتَنِىۡ فَارۡحَمۡنِىۡ" یعنی حضرت ایوبؑ نے مشکلات و گرفتاری کی نسبت خدا کی طرف نہیں دی بلکہ فرمایا میں گرفتار ہوں تو ہی میری مشکل کو حل کرنے والا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ملتا ہے کہ فرمایا: جس وقت میں مریض ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور جناب ابراہیمؑ نے یہ نہیں فرمایا: خدا ہی مریض کرتا ہے (۲)۔

ان موارد سے پتا چلتا ہے کہ پیغمبران الٰہیؑ اُسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے چہاردہ معصومینؑ کی سیرت پر عمل کریں اور اپنی زندگی میں ان کے طور

۱۔ سورہ ص، آیات ۴۱ سے ۴۳، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۲۸۔

۲۔ ارشاد القلوب، دیلمی، ص ۱۶۱، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۲۸۔

وطریقے کو اپنائیں تو یقیناً راہِ مستقیم کو طے کریں گے اور جو کچھ خدا نے ان ہستیوں کو عنایت فرمایا ہے ہمیں بھی عطا کرے گا۔ البتہ مقام انبیاءؑ اور مقام چہاردہ معصومینؑ اپنے مقام پر محفوظ ہے کوئی اس بات کا مدعی نہیں ہوسکتا کہ ہمیں ان کی جگہ و مقام ملے گا، بلکہ مقصود یہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ سے توسّل اور ارادت رکھ کر انسان بلند مقامات اور معنوی کمالات حاصل کرسکتا ہے۔ اور جن لوگوں نے ان ہستیوں سے توسّل کیا اور ان مبارک ہستیوں سے ارادت و عشق و علاقہ رکھا ان کا نام آج بھی تاریخ میں زندۂ جاوید ہے۔ ایسے افراد کی تعداد کافی ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) سلمان فارسیؓ:

جنہیں یہ افتخار حاصل ہے کہ انہیں یہ خطاب ''سلمان منا اہل البیت'' ملا اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں ''وہ مثل لقمان حکیم ہیں'' اور امام صادقؑ ان کو لقمان سے بہتر جانتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جناب سلمانؓ اسم اعظم جانتے تھے۔ ایمان کے دس درجے ہیں اور سلمانؓ ایمان کے دسویں درجے پر فائز ہیں اور بہشتی نعمتوں سے دنیا میں بہرہ مند ہوتے تھے۔ جنت ان کی مشتاق ہے خدا اور رسولؐ ان کو دوست رکھتے ہیں۔ خداوند متعال نے رسول خداؐ کو چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا، ان میں سے ایک جناب سلمانؓ ہیں چند آیات ان کی اور ان جیسوں کی مدح میں آئی ہیں۔ جبرائیل امینؑ جب بھی پیغمبرؐ پر نازل ہوتے خدا کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ جناب سلمانؓ کو سلام پہنچائیں۔ (۱)

......  ......  ......

۱۔ توسّل در نگاہ قرآن و حدیث، ص ۳۰

امام صادقؑ سے سوال ہوا: کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ اکثر و بیشتر آپ سے جناب سلمان فارسیؓ کا ذکر سنتے ہیں؟ حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: سلمان فارسیؓ مت کہو بلکہ کہو سلمان محمدیؓ۔ اُس کا اکثر ذکر کرنے کی وجوہ میرے نزدیک تین چیزیں ہیں:

(۱) وہ اپنی خواہشات پر علیؑ کی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے۔

(۲) وہ فقراء کو دوست رکھتا ہے اور فقراء کو اغنیاء پر ترجیح دیتا ہے۔

(۳) علم اور علماء سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت نقل ہے کہ ''صحابہ کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا اور اپنے حسب و نسب کو بیان کر کے اس پر فخر کر رہے تھے، ان کے درمیان حضرت سلمانؓ بھی موجود تھے۔ حضرت عمر نے حضرت سلمانؓ کی طرف رخ کیا اور کہا! تمہارا حسب و نسب کیا ہے؟ جناب سلمانؓ نے کہا: "اَنَا سَلْمَانُ بْنَ عَبْدُاللّٰهِ، كُنْتُ ضَالًا فَهَدَانِيَ اللّٰهُ بِمُحَمَّدٍ وَكُنْتُ عَائِلًا فَاَغْنَانِي اللّٰهُ بِمُحَمَّدٍ وَكُنْتُ مَمْلُوكاً فَاَعْتِقَنِيُ اللّٰهُ تَعَالىٰ بِمُحَمَّدٍ فَهٰذَاحَسَبِيُ وَنَسَبِيُ يَاعُمَرُ'' (۱) میں سلمان، عبداللہ کا بیٹا ہوں۔ میں گمراہ تھا، خدا نے حضرت محمدؐ کے ذریعے میری ہدایت فرمائی۔ میں محتاج تھا خدا نے محمد عربیؐ کے وسیلے سے بے نیاز فرمایا اور میں غلام تھا خدا نے مجھے محمد مصطفیٰؐ کے صدقے آزاد فرمایا۔

(۲) ابوذر غفاریؓ:

جنہیں رسول خداؐ نے ''صدیق امت'' اور ''عیسیٰؑ بن مریمؑ'' کی زہد میں

.... .. ... ..

۱۔ منتھی الآمال، ص ۱۱۳، ۱۱۴، کچھ الفاظ میں تلخیص و تغیر کے ساتھ، توسّل در نگاہ قرآن و حدیث، ص ۳۱۔

شبیہ کہتے تھے۔علامہ مجلسی کتاب ''عین الحیٰوۃ'' میں فرماتے ہیں: روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کے بعد اصحاب کے درمیان کوئی بھی جناب ابوذرؓ جتنی قدر و منزلت نہیں رکھتا (۱) حضرت ابوذر نے اپنی زندگی، عُمر اور اپنی اولاد کو علیؑ اور اسلام کے دفاع پر نثار کر دیا اور غربت میں اپنی جان کو قربان کیا۔

**(۳)مالک اشترؓ:**

ان ہی افراد میں سے ایک نمونہ ہیں۔حضرت علیؑ نے جس وقت مالک اشترؓ کو مصر بھیجا تو ان لوگوں کو لکھا: ''میں تمہاری طرف خدا کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ بھیج رہا ہوں جس کو ایام خوف میں سکون و آرام نہ تھا اور وہ فاجروں کے لیے آتش نار سے زیادہ شدید تر ہے۔'' جس وقت مولائے کائناتؑ کو مالک اشترؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپؑ نے فرمایا ''مالکؓ کی موت مصیبتوں میں سے ایک ہے اور ان کی موت نے مجھے چُور چُور کر دیا۔(۲)

**(۴)معلّٰی بن خنیسؓ:**

حضرت امام صادقؑ کے اصحاب میں سے ہیں۔روایات سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ اولیائے الٰہی میں سے ایک ہیں اور اہل بہشت ہیں۔امامؑ کے نفقۂ عیال میں وکیل تھے۔(۳) آئمہ طاہرین کے تمام اصحاب کی عظمت و بزرگی خود آئمہ طاہرین کی عظمت کو اجاگر کرتی ہے۔کافی تعداد کی شرح حیات کو منتھی لآمال، قمی میں بیان کیا گیا ہے۔انسان جب ان بزرگ اصحاب کی طرف نگاہ کرتا

۱۔منتہی الآمال، ص ۱۱۵، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۳۱۔ ۲۔منتہی الآمال، ص ۲۱۲، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۳۱۔ ۳۔منتہی الآمال، ج ۲، ص ۱۷۸۔

ہے تو ان ہستیوں کو عظیم القدر پاتا ہے۔ حضرت امام صادقؑ جس وقت ابوحمزہ ثمالیؒ کو دیکھتے تو فرماتے ''تم کو دیکھ کر مجھے سکون ملتا ہے'' (۱) پس آئمہ طاہرینؑ سے توسّل کرنا انسان کو کمال، سلامت نفس اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے تیار کرتا ہے کیونکہ توسّل اور آئمہ طاہرینؑ کی طرف توجہ انسان کی خواہشات و میلانات و غرائز میں تعدیل اور تساوی یعنی عدل اور مساوات کا باعث ہے۔ (۲)

## گناہوں سے دوری:

جو شخص اپنے آپ کو آئمہ طاہرینؑ کی عنایات اور الطاف کا نیاز مند سمجھتا ہے اور اُن سے عشق و محبت کا دم بھرتا ہے، وہ اپنے آپ کو ہر حال میں گناہوں سے بچاتا ہے، کیونکہ گناہ ایک خطرناک اور ہلاک کردینے والی بیماری ہے، جس کو انجام دے کر انسان اپنی صلاحیتوں کو کھو دیتا ہے اور راہِ مستقیم سے ہٹ کر کجروی کی طرف چل پڑتا ہے اور اس کا انجام آخر یہ ہوتا ہے کہ نور ہدایت خاموش ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مولائے متقیان حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: "وَالتَّوۡبَةُ مِنۡ وَرَائِكُمۡ" تمہارے پیچھے توبہ ضروری ہونی چاہیے۔ یعنی اگر گناہ سرزد ہوگیا ہے تو فوراً توبہ کرلو۔ البتہ کوشش کرو کہ گناہ ہی نہ کرو، کیونکہ کافی ایسے گناہگار لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنہیں توبہ کی توفیق ہی نہیں ملی (گناہ کرنا بہت آسان ہے لیکن توبہ کرنا بہت مشکل ہے اگر توبہ کر بھی لیں، کیا معلوم خداوند متعال بخشے گا بھی یا نہیں) مرحوم شیخ بہائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''گناہ گار کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے افیون کھائی ہو اور جو شخص افیون

---

۱۔ منتھی الآمال، ج۲، ص۱۶۷۔ ۲۔ توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۳۲۔

کھالے اس کے لیے ضروری ہے کہ فوراً معدے کی صفائی کروائے اگر صفائی نہ کروائی تو افیون جسم میں حل ہوجائے گی اور خون میں گھل مل جائے گی اور انسان مسموم ہوجائے گا۔اسی طرح گناہ گار انسان کو بھی چاہیے کہ فوراً توبہ کرے اور اس کے آثار کو جلد از جلد برطرف کرے۔آثار گناہ میں سے کم سے کم ایک اثر یہ ہے کہ انسان خدا، عبادات اور دعاؤں سے دور ہوجاتا ہے۔(۱)

گناہ گار انسان اگر نماز بھی پڑھے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں مگر ترک کرنے سے پڑھنا بہتر ہے۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں "تَمَاهَدُوْا اَمْرَ الصَّلاةِ وَحَافِظُوْا عَلَيْهَا وَاسْتَكْثِرُوْا مِنْهَا۔اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِلىٰ جَوَابِ اَهْلِ النَّارِ حِيْنَ سُئِلُوْا۔مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ" (۲) نماز کو قائم کرو اور اس کی حفاظت کرو۔اس کی طرف زیادہ توجہ کرو اور زیادہ نماز پڑھا کرو۔۔۔۔کیا تم نے دوزخیوں کا جواب اس سوال کے بدلے میں نہیں سنا کہ تمہیں کون سی چیز جہنم میں لے آئی ہے تو انہوں نے کہا ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔نماز گناہوں کو اس طرح دھوتی ہے جس طرح خزاں کے موسم میں پتے جھڑتے ہیں اور گناہ کے طوق و زنجیر کو گردن سے جدا کردیتی ہے۔(۳)

.........

۱۔توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۳۴۔

۲۔سورۂ مدثر، آیت ۴۲ تا ۴۳) "وَاِنَّهَا لَتَحُتُّ الذُّنُوْبَ حَتَّ الْوَرَقِ وَتُطْلِقُهَا اِطْلَاقَ الرِّبَقِ" (نہج البلاغہ، کلام ۱۶۹۔

۳۔توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۳۵۔

اگر انسان سے گناہ سرزد ہوگیا ہے اور برکات وفیوضات سے محروم رہ گیا ہے تو یقیناً نماز میں اتنی قدرت وطاقت ہے کہ اس کے گناہوں کو بخشوا سکتی ہے۔ خداوند متعال ''فعال مایشاء'' ہے اور عفو و بخشش اس کی محبت و رحمت کا نشان ہے خدا کے علاوہ کون ہے جو انسان کے گناہوں کو معاف کرے؟ اس کے علاوہ کہ اہل بیت اطہارؑ ہماری شفاعت کریں گے۔ اگر گناہ زیادہ ہوگئے اور گناہ گار انسان نے توبہ نہیں کی اور گناہ کے راستے پر باقی رہا تو اس کی نجات بہت مشکل ہے اور آئمہ طاہرینؑ کی شفاعت بھی اس کے حق میں موثر واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ ان افراد کی شفاعت پیغمبرؐ بھی کریں تو مورد قبول نہ ہوگی۔(۱)

ارشاد رب العزت ہے ''اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لاَ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللّهُ لَهُمْ ''(۲)''(اے رسولؐ) خواہ تم ان منافقوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگو یا ان کے لیے مغفرت کی دعا نہ مانگو (ان کے لیے برابر ہے) تم ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دُعا مانگو گے تو بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔(۳)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''وَإِن يَمْسَسْكَ اللّهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ إِلاَّ هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلاَ رَآدَّ لِفَضْلِهِ ''(۴) اگر خدا کی طرف سے تمہیں کوئی برائی چھو بھی گئی تو پھر اُس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل وکرم کا پلٹنے والا بھی کوئی نہیں

۱۔توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۳۶۔ ۲۔سورۂ توبہ، آیت ۸۰۔

۳۔(توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۴۷ ۴۔توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص۴۶۔

۴۔سورۂ یونس، آیت ۱۰۷۔

## توسّل: تواضع اور انکساری کے ساتھ خدا کے آگے سر تسلیم خم کیے رہنا:

چہاردہ معصومینؑ سے محبت انسان کو وسعت قلبی اور سلامتی روح عطا کرتی ہے اور انسان شیطانی تفکر سے نجات حاصل کر کے صحیح فکر و تدبیر کی طرف گامزن رہتا ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ کی رسول خداؐ اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت نے ان کو زمین سے عرش پر پہنچا دیا اور ایسا مقامِ عظیم پایا کہ جس وقت بام کعبہ پر اذان کہتے اور "اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی جگہ اسهد انّ لااله الا الله " کہتے بعض لوگوں نے تقاضا کیا کہ بلالؓ اذان نہ کہے (کیونکہ شین کی جگہ سین کہتے ہیں) پیغمبرؐ نے قبول فرمایا اور بلالؓ کو حکم دیا کہ تم اذان نہیں دینا۔ بلالؓ کا دل ٹوٹ گیا۔ تو جبرائیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا "یا رسول اللہؐ خدا بلالؓ کی اذان کو دوست رکھتا ہے۔"(۱) یہ کیسا مقام ہے کہ بلالؓ کی وجہ سے جبرائیلؑ نازل ہو رہے ہیں اور خداوند متعال ان کی تائید اور نصرت کر رہا ہے: یہ مقام (بلالؓ کو) اہل بیت علیہم السلام سے محبت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ بے شک آج بھی آئمہ طاہرینؑ کے نام اور اُن کی یادوں میں وہی برکات و فیوضات ہیں جو ان کی حیات میں تھے، کیونکہ یہ ہستیاں "شہدائے دار الفنا" و "شفعائے دار البقا ہیں۔"(۲) چہاردہ معصومینؑ سے توسّل انسان کو خدا کے آگے سر تسلیم خم کیے رکھنے اور تواضع و انکساری عطا کرتا ہے اور خدا سے توسّل کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے اور خود انسان اپنے فکر و ذہن کو خدا کی قدرت کا

.................................................

۱۔ خزینۃ الجواہر، نہاوندی، ص ۵۰۳، توسّل درنگاہ قرآن و حدیث، ص ۴۷۔ ۲۔ زیارت جامعہ کبیرہ، توسّل درنگاہ قرآن و حدیث، ص ۴۷

مظہر سمجھنے لگتا ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ آئمہ طاہرینؑ کی طرف متوجہ ہوا اس کو توجہ کرنا چاہیے کہ وہ آئمہ طاہرینؑ خدا سے راز و نیاز کرتے ہیں اور ان ہستیوں تعلیمات ہمارے ہاتھوں میں بصورتِ دعا موجود ہیں۔ یہ تعلیمات اور دعائیں ہر درد کی دوا اور ہر مشکل میں مشکل کشائی کا باعث ہیں۔

## حیوانات کا ائمہ طاہرینؑ سے توسّل کرنا:

(۱) حضرت امام زین العابدینؑ اور اُن کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک ہرنی بیابان سے دوڑتی ہوئی امامؑ کی خدمت میں آئی اور ہمہمہ کرتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی۔ بعض اصحاب نے پوچھا: یابن رسول اللہؐ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: یہ کہہ رہی ہے کہ فلاں قریشی نے میرے بچے کو پکڑ لیا ہے اور کل سے ابھی تک اس نے دودھ نہیں پیا ہے۔ ان اصحاب میں سے ایک (منافق) شخص نے دل میں امامؑ کی بات کو جھٹلایا۔ امامؑ نے اس کے دل کی بات کو جانا اور حکم دیا کہ اس مرد قریشی کو میرے پاس لے کر آؤ۔ قریشی کو لایا گیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: یہ ہرنی ہمارے پاس تمھاری شکایت لے کر آئی ہے۔ مرد قریشی نے پوچھا: شکایت کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: یہ ہرنی چاہتی ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلا دے اس کے بعد تمھیں واپس کر دے گی۔ اس مرد نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو رسالت پر مبعوث کیا، آپؑ نے سچ کہا! وہ مرد ہرنی کے بچے کو لایا اور ہرنی نے بچے کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اس ہرنی کے بچے کو مجھے ہدیہ کر دو۔ شکاری نے قبول کیا۔ امامؑ نے بچہ ہرنی کو دیا، ہرنی اپنے بچے سمیت ہمہمہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ اصحاب نے پوچھا اب یہ کیا کہہ رہی تھی۔ حضرتؑ نے فرمایا: تمہارے

لیے دعا کی ہے کہ خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"(۱)

(۲) "علی بن حمزہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں امام موسیٰ بن جعفرؑ کے ساتھ سفر پر جارہا تھا کہ راستے میں ایک شیر آ گیا اور اس نے ایک ہاتھ امامؑ کی سواری کی طرف بڑھایا حضرتؑ نے سواری کو روکا، گویا اس نے امامؑ سے کچھ کہا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا امامؑ نے قبلے کی طرف رخ کیا اور کچھ دعا پڑھی۔۔۔اور شیر کی طرف اشارہ فرمایا: کہ اب تو جا، بس شیر کافی دیر تک ہمہمہ کرتا رہا اور حضرتؑ آمین آمین کہتے رہے۔ اور اس کے بعد شیر چلا گیا۔ میں نے پوچھا! میری جان آپؑ پر قربان، شیر کے قصے نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: شیر میرے پاس اپنی حاجت لے کر آیا تھا کہ میری مادہ کو بچہ زائیدہ ہونے میں کافی تکلیف ہو رہی ہے آپ دُعا کریں کہ یہ تکلیف اس سے دور ہو جائے اور اس کو فرج حاصل ہو جائے۔ میں نے اس کے لیے دُعا کی اور کہا، تیرے یہاں پیدا ہونے والا بچہ نر ہے۔ پس اس شیر نے کہا: خداوند متعال آپ پر آپؑ کی ذرّیت پر اور آپؑ کے کسی بھی فرد شیعہ پر درندوں کو مسلط نہ کرے اور ساتھ خیریت سے آپؑ جائیں۔ میں نے کہا: آمین"(۲)

(۳) "جس وقت نحریرؔ امام حسن عسکریؑ کو "برکۃ السباع" بھوکے شیروں کے درمیان لایا اور اس کو شک نہ تھا کہ شیر حضرتؑ کو نہ کھائیں گے، جس وقت اس نے دیکھا کہ امامؑ نماز پڑھ رہے ہیں اور درندہ شیر ایک طرف کھڑے ہوئے ہیں" (۳) یہاں تک کہ بعض نے نقل کیا ہے کہ ایک شیر ان میں سے

---

۱۔ منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳۳۴، توسّل درنگاہ قرآن و حدیث، ص ۸۹۔ ۲۔ منتہی الآمال، ج ۲، ص ۲۰۴، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۹۰۔ ۳۔ (منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳۹۵۔

بوڑھا تھا اور اس کے دانت نہیں تھے اس نے مولا امام حسن عسکریؑ سے شکایت کی اور کہا ''جس وقت کھانا آتا ہے تو یہ میرا حصہ کھا جاتے ہیں۔'' امامؑ نے اس کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔(۱)

(۴) ''خلیفہ معتصم باللہ کے پاس ایک تیز و چالاک گھوڑا تھا جس پر کوئی بھی لگام نہیں لگا پا رہا تھا اور نہ ہی زین کس پا رہا تھا اور نہ ہی وہ گھوڑا اپنے اوپر کسی کو سوار ہونے دے رہا تھا۔ اتفاقاً ایک دن امام حسن عسکریؑ اس کے پاس آئے تو خلیفہ نے سوچا کہ میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں گا، خلیفہ نے امامؑ سے کہا: کہ ایک خواہش ہے کہ اگر آپ یہ لگام گھوڑے کے لگا دیں اور زین کس دیں۔'' امامؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور گھوڑے پر امامؑ کا ہاتھ رکھنا تھا کہ اس نے اپنی گردن جھکا دی اور نہایت آرام و سکون سے کھڑا رہا۔ امامؑ نے لگام لگائی اور زین کسی اور اس پر سوار ہو کر کچھ دیر اس کے محل میں ٹہلاتے رہے، خلیفہ نے تعجب کیا'' (۲) پس ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ جن ہستیوں سے توسّل کرنا چاہیے وہ اہل بیت علیہم السلام ہیں اور یہ ہستیاں کفر و شرک اور مسائل ضد اخلاقی سے دور ہیں۔(۳)

۱۔ توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۹۰، ۹۱۔

۲۔ منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳۹۵، توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۹۱۔

۳۔ توسّل درنگاہ قرآن وحدیث، ص ۹۱۔

# کتابیات:


قرآن مجید

نہج البلاغہ: مولانا مفتی جعفر حسین، متوفی ۲۹، اگست ۱۹۸۳ء، امامیہ کتب خانہ مغل حویلی اندرون موچی دروازہ لاہور پاکستان

صحیفہ سجادیہ

مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمیؒ، متوفی دارالثقلین بیروت لبنان۔

البدا والنھایہ، ابوالفدا اسماعیل ابن کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ البیروت ۱۴۰۵ھ ۔

مجمع الزوائد، حافظ نورالدین علی ابن ابوبکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، دارالریان للتراث۔

صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۸۱ھ۔

معجم الاوسط، امام سلیمان ابن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ، مکتبۃ المعارف ریاض سعودی عرب۔

المستدرک الحاکم، امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ دارالباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمہ، سعودی عرب۔

مسند ابن حنبل، امام احمد بن محمد بن حنبل، ۲۴۱ھ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ

مشکاۃ المصابیح، امام محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی، نعمانی کتب خانہ، کابل افغانستان

موطا امام مالک، امام مالک بن انس اصبحی، ۱۷۹ھ، میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب، کراچی۔

جامع الترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذی، ۲۷۹ھ، فاروقی کتب خانہ، ملتان ولاہور۔

صحیح ابن حبان، امام محمد ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت لبنان

شرح السنۃ امام حسین، ابن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، المکتب الاسلامی بیروت لبنان

صحیح مسلم، امام مسلم ابن الحجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۷۵ھ

سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ۲۷۵ھ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

سنن النسائی، امام احمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی

السنن الکبریٰ للبیہقی، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ۴۵۸ھ نشر السنۃ، ملتان، پاکستان

مسند ابوعوانہ، امام ابوعوانہ یعقوب ابن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ، دار المعرفہ بیروت، لبنان۔

صحیح ابن خزیمہ، امام ابوبکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، المکتب الاسلامی بیروت، لبنان

کنز العمال، علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی، متوفی ۹۷۵ھ، موسسہ الرسالہ بیروت، لبنان

عمل الیوم اللیلۃ لابن السنی، امام ابوبکر احمد ابن محمد ابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، دائرۃ معارف نظامیہ حیدر آباد، دکن ہندوستان

وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، امام نور الدین علی ابن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ مطبع السعادۃ مصر

الکشاف، امام محمد ابن عمر زمخشری، متوفی ۵۲۸ھ، مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ مصر

تفسیر الکبیر، امام محمد ابن عمر فخر الرازی متوفی ۶۰۶ھ دار الکتب العلمیہ تہران

تفسیر روح المعانی، علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، مکتبۃ امدادیہ ملتان پاکستان

الدر منثور فی تفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، دارالمعرفہ، بیروت لبنان

فتح القدیر للشوی کانی، امام محمد بن علی ابن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، مصر

جامع البیان فی تفسیر القرآن، امام محمد ابن عبدالرحمن حسنی حسینی، متوفی ۸۹۴ھ، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، گجراں والہ، پاکستان

الفتوحات الالہیۃ، امام سلیمان ابن عمر عجیلی، متوفی ۱۲۴ھ،

تفسیر المیز ان، علامہ طباطبائی،

تفسیر البیضاوی، امام ابوسعید عبداللہ ابن عمر بیضاوی، متوفی ۶۸۵ھ، مؤسسہ الاعلمی لمطبوعات، بیروت لبنان

معالم التنزیل، امام حسین ابن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، دارالمعرفہ الاسلامی بیروت لبنان

الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، شیخ طنطائی جوہری، متوفی ۱۳۵۹ھ دارالفکر

بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار ائمۃ الطہار، علامہ مجلسیؒ، متوفی ۱۱۱۱ھ اسلامیہ تہران ایران

سنن ابن ماجہ، امام محمد بن یزید قزوینی بن ماجہ ۲۷۵ھ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

مسند الحمیدی، امام ابوبکر عبداللہ ابن زبیر حمید متوفی ۲۱۹ھ،

الامجم الکبیر للطبرانی، امام سلیمان ابن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ، مطبع الزہرا الحدیثۃ قاہرہ مصر

مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابوبکر عبداللہ ابن محمد ابن ابی شیبہ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

التفسیر المظہری، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ پاکستان

الخصائص الکبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مکتب نوریہ رضویہ فیصل آباد پاکستان
الریاض الانیقۃ فی شرح اسماء خیر الخلیقۃ، امام جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ دار الکتب علمیہ بیروت لبنان
الفتاویٰ الحدیثیۃ، امام احمد بن حجر ہیثمی مکی، متوفی ۹۱۴ھ مصر
رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسّل والزیارۃ، شیخ محمود سعید مندوب، دار الامام الترمذی قاہرہ مصر
عقیدہ توسّل: تصنیف شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، پبلکیشنز منہاج القرآن پبلکیشنز، ماڈل ٹاؤن لاہور، مارچ 2006
صد و یک مناظرۂ جالب وخواندنی، محمد محمدی اشتہاردی، طبع قم ایران
توسّل درنگاہِ قرآن وحدیث عباس شہیدی، نہضت قم ایران۔

تمت

## قطعہ تاریخِ اشاعت..............سیّد مختار علی اجمیری

"'الوسیلہ' ممدِ دوراں تحفہ دار التحقیق بابُ العلم"

۲۰۱۰ء

"معاونِ خلق کتابِ وسیلہ"

۱۴۳۱ھ

کارہائے علم جاری ہیں مُدام
مومنو، دیکھو تو بابُ العلم سے
"الوسیلہ" ہے مودّت کی اَساس
آؤ، لیتے جاؤ بابُ العلم سے

❀❀❀❀❀

"الوسیلہ" کی اشاعت ہوگئی
لکھنے والے پڑھ کے اِس پر خُوب لکھ
مشورہ مختارؔ کو ہجری کا ہے
لِکھنا ہے تو "صفحہ مرغوب" لِکھ

۱۴۳۱ھ

❀❀❀❀❀

# التماس سورۂ فاتحہ

## برائے ایصالِ ثواب

| | |
|---|---|
| سید شہامت علی | سید ولایت علی |
| سید غلام عباس نقوی | سید علی حسنین زیدی |
| حیدر حسین | یوسف حسین |
| مسلم حسین | حیدر عباس |

مسعود بانو

و

جملہ مرحومین و شہدائے ملت

دعا فرمائیے کہ

پروردگارِ عالم چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں مرحومین کے درجات بلند فرمائے

اور انکو جوار آئمہ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے

اور ان کی تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو درگزر فرمائے۔

# التماس سورۂ فاتحہ

## برائے ایصالِ ثواب

ہماری پیاری

باجی

# سیدہ شمیم زہرا نقوی

بنتِ

سید نوازش علی نقوی (مرحوم)

دعا فرمایئے کہ

پروردگارِ عالم چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں

مرحومہ کے درجات بلند فرمائے

اور انکو جوارِ آئمہ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے

اور ان کی تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو درگزر فرمائے۔

سوگواران

سید جاوید رضا نقوی و برادران و اہلِ خانہ